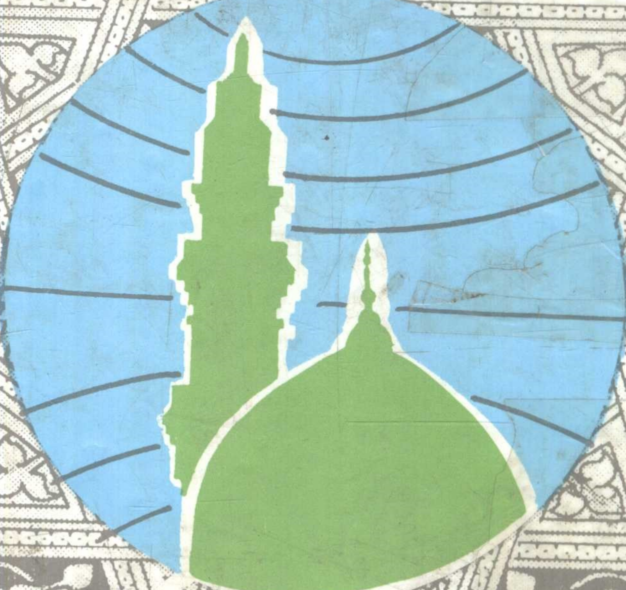
امنِ عالم

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں



حاجی غلام احمد چودھری

امن عالم
سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

حاجی غلام احمد چودھری

ایم۔ اے علوم اسلامیہ۔ ایم۔ اے۔ لائبریری سائنس
ایل ایل۔ بی، ڈی ایل ایس سی۔
ڈپٹی ڈائریکٹر، پنجاب لائبریری فاؤنڈیشن
ڈائریکٹر کوآرڈی نیشن: عالمِ دعوت اسلامیہ، برمنگھم (انگلینڈ)

اقبال پبلشنگ کمپنی
اکرم آباد، مدینہ کالونی، لاہور کینٹ

نام کتاب : امنِ عالم سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

نام مصنف : حاجی غلام احمد چودھری

ناشر : اقبال پبلشنگ کمپنی' لاہور

مطبع : عالمین پریس' شیخ ہندی سٹریٹ' دربار مارکیٹ' لاہور

اشاعت اوّل : مئی ۱۹۹۹ء

کاپی پیسٹنگ : شان محمد 14/D مکہ کالونی' گلبرگ iii' لاہور

قیمت : 300-00 روپے

ملنے کا پتہ : 193 اے' جی۔او۔آر 5' فیصل ٹاؤن' لاہور فون: 5160407

مکتبہ زاویہ' دربار مارکیٹ' گنج بخش روڈ' لاہور فون: 7113553

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

انتساب

میں اپنی تالیف کو پیغمبر امن حضرت امین الصادق ﷺ کے نام معنون کرتا ہوں جن کا نام لیتے ہی لب امن سے لبریز محبت کا بوسہ لیتے ہیں' جن کے چہرے کی تابانی سلامتی کے نور سے تاباں ہے۔ جن کا مبارک سراپا ابد تک علامتِ امن ہے جن کا ہر لفظ سلامتی کے ہر حرف کی گرائمر کے عطر سے ممسوح ہے۔

میں اس کتاب کے ہر باب کو شہنشاہِ کائنات کے مقدس اسم گرامی سے منسوب کرتا ہوں کہ اس دربارِ پُرنور میں پیش کرنا اپنی نجات کی سبیل سمجھتا ہوں اور آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے باعث اِذعان ویقین رکھتا ہوں کہ اس ناچیز پیشکش کو خلعتِ قبولیت بخشا جائے گا اور مجھ غلامِ احمد کو انوارِ تجلّیاتِ رسالت کی ضیا پاشی سے منوّر و درخشاں فرمایا جائے گا تاکہ مشاہدۂ جمال سے حقیقت واضح ہو' بقیہ زندگی جلوہ ہائے رحمت میں گزرے اور آخرت بھی خوب سنور جائے۔

دعا ہے کہ اس سعیٔ تالیف کے ذریعہ اور محبوبِ خدا ﷺ کے صدقے یہ دنیا نہ صرف امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے بلکہ امن کی عافیت میں سکون کی پُر سرور فضا میں بستی رہے۔

فہرست عنوانات

ابتدائیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ

اگرچہ دنیا کے تمام ممالک اکیسویں صدی کے سنہری سورج کی تمہید کا جشن منانے کی تیاری کر رہے ہیں اور سائنس و ٹیکنالوجی اپنی ترقی و ایجادات پر نازاں اِترا رہی ہے لیکن انسانیت خود کرب وِ اکراہ' خوف و ہراس' بھوک و افلاس اور ظلم و تعدد کے جہنم سے جس قدر دوچار ہے' یہ انتہائی نازک صورتِ حال بھی سب پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بدامنی کی اس سنگین عالمی صورتِ حال کا مداوا امریکی ورلڈ آرڈر میں مضمر نہیں ہے اور نہ ہی روس' چین اور یورپی کونسل کا اتحاد آج کی اس آگ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے اور نہ ہی اقوام متحدہ کا کوئی ماڈرن چارٹر ہی صلح و آشتی کی نوید دے سکتا ہے' جس پر ساری دنیا انحصار کیے بیٹھی ہے۔

اس گھناؤنی صورتِ حال کو صرف اور صرف حضرت محمد عربی ﷺ کا دیا ہوا اسلامک آرڈر فار ورلڈ پیس اینڈ پراسپیریٹی "Islamic order for world peace and prosperity" ہی یقینی طور پر درست کر سکتا ہے۔ اس مقدس منشور پر عمل پیرا ہو کر ہی اقوام کی اصلاح و فلاح ' عدل و انصاف' امن و سکون اور مکمل ترقی و خوشحالی حاصل کر کے دنیا کو جنت نظیر بنایا جا سکتا ہے۔

میں نے اپنے ایمان اور یقین اکمل کے ساتھ اپنی اس تالیف کو پیش کر کے ایک مرتبہ پھر اتمام حجت کر دیا ہے۔ میرے نزدیک اپنی ہیئت کی یہ پہلی

کاوش ہے جس میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ امن عالم کی فوری اور یقینی کیفیت کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور مبارک تعلیمات ہی شہودِ اصلاح پر لا سکتی ہے۔

امن عالم کے عظیم ابدی سفیر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی راہ پر چلئے کہ وہ صدق' امانت اور عدل کے امام تھے اور امن کیلئے یہ سہ جہتی مثلث ہی ضمانت ہوا کرتی ہے۔ حقوقِ انسانیت کے اس پیغمبر اعظم کے چارٹر پر عمل کیجئے کیونکہ اقوام متحدہ اس کے عشر عشیر تک ابھی پہنچا ہی نہیں۔ اگر امن کے قیام کا ارادہ ہے تو انسان کو امن کے وہ حقوق دیجئے جس کی محمد رسول اللہ ﷺ سفارش کرتے ہیں۔ حقوقِ نسواں کے علمبردارِ اعلیٰ کی سیرت پر چلئے تو دنیا کے ہر خطے کی عورت راہ راست پر آجائے گی اور نصف امن کا مسئلہ تو یوں ہی حل ہو جائے گا۔

رسولِ خدا احمد مجتبیٰ ﷺ کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی روش پر چل کر تو دیکھئے کہ آج کا انسان پھر سے خوش و خرم' پُر وقار اور طمانیت کے ساتھ گامزن نظر آئے گا۔ اخوتِ اسلامی کے نظریہ کی روح ملاحظہ کیجئے کہ آپ ﷺ نے سب کو بھائی بھائی قرار دے کر عالمِ اسلام کو ایک برادری اور کنبے میں کس قدر الفت کے بندھن میں باندھ دیا۔ پیغمبر امن عالم نے قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کیلئے تمام الہامی کتب و صحائف کو بطور نئے ایڈیشن' جامع و اکمل پیش فرما دیا اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کر کے مذاہب عالم کو یکسر ایک جدت سے روشناس کرا دیا۔

آپ ﷺ نے جہاد بالسیف' جہاد بالقلم اور جہاد بالعمل کے ایسے قرینے سکھائے 'شہید و غازی کے تمغہ جات تقسیم فرمائے کہ امن و عدل کو اس عظیم داعی کے آگے سجدہ ریز ہونا پڑا۔

آیئے! آج پھر دنیا کے دہکتے ہوئے جہنم کو رسول اللہ ﷺ کے عملی

درود کے ذریعے گل و گلزار کر دیں۔ آیئے کہ آگ پھول میں بدل جائے' بارود کا دھواں خوشبوئے الفت میں بدل دیں اور چہرہ انسانیت پر طمانیت کا غازہ ہو۔

مجھے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا ہے دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے ریسرچ آفیسر' شہرت یافتہ فقہی' علمی و تحقیقی مجلہ "منہاج" کے مدیر اعلیٰ اور صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب "غریبوں کے والی ﷺ" کے مصنف جناب حافظ محمد سعد اللہ کا جنہوں نے نہ صرف قرآن و احادیث کے عربی متن کی پروف ریڈنگ کی بلکہ ہر مرحلہ پر میری رہنمائی فرمائی' ان کے علمی مدارج اور تقویٰ و طہارت کی بدولت میں انہیں استادِ محترم کا مقام دیتا ہوں۔ محسنی و مربّی جناب محمد اقبال رانا کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے عرق ریزی سے بہت تھوڑے وقت میں کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔ برادرِ بزرگ جناب حاجی فضل کریم خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے طباعتی مراحل میں مالی طور پر حصہ لیا اور کتاب مکمل ہو گئی۔

حاجی غلام احمد چودھری

یکم اپریل ۱۹۹۹ء

لاہور

باب اول :

ضرورت واہمیتِ موضوع

(بنی آدم میں قابیل سے لے کر اب تک امن کی ضرورت 'اہمیت وطلب اور اس کیلئے پکار ہمیشہ رہی ہے۔ حیاتِ ارضی اور نسل انسانی کا کوئی بھی دور اس طلب دفریاد سے خالی نہیں رہا۔ اس کائنات میں خیر وشر کے سلسلے ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ اس لئے فساد کے ساتھ امن کیلئے تڑپ 'طلب اور پکار بھی لازمی ہے۔)

غور طلب بات صرف اتنی ہے کہ اس طلب میں انسان صادق کہاں تک رہا ہے اور اپنے اختیاری دائرے میں اس کے اقدمات امن وسلامتی کیلئے کہاں تک مخلصانہ رہے ہے اور جو نظریات 'نظام اور تدابیر اس سلسلے میں انسانوں نے اختیار کئے ہیں وہ کہاں تک معقول اور درست قرار پانے کے قابل ہیں۔

بدامنی فساد اور خرابی کا پودا از خود نہیں اگتا اس میں " أَيْدِي النَّاس " کارفرما ہوتے ہیں اور اس کارخانہ ہستی میں پاداش عمل کا قانون قدرتی عدل کے تقاضے پورے کرنے کیلئے بھی چلتا ہے اور جو پلٹ آنا چاہیں ان کیلئے بھٹکنے کے بعد راہ راست پر آنے اور عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا سامان بھی اس سے ہو سکتا ہے۔

نظام فطرت وقانونِ قدرت میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ لیموں کا بیج بو کر امرود حاصل کرلیا جائے یا شعلوں کو ہوا دے کر خنکی کی امید رکھی جائے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ فساد کے عوامل کو برقرار رکھ کر یا ان کو ترقی دے کر اور

ان میں ترقی کر کے امن کے پھول چنے جائیں۔

بدامنی کی بنیادی وجوہات: جب سے نوع انسانی میں فساد کی کونپل پھوٹی ہے اور جب سے امن کی پیاس لگی ہے تب سے اب تک دیکھنا چاہیئے کہ بنیادی طور پر کونسی وجوہات فساد 'خرابی بدمنی اور دامن انسانیت کو تار تار کرنے میں برسرپیکار رہیں۔ بنیادی طور پر ان عوامل کو بطور خلاصہ کچھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ نفسانی خواہشات ومطالبات 'حرص وآرزو۔ خود غرضی وبنیاد پرستی۔

۲۔ تفوق وبرتری۔ کبر وغرور۔ خود کو سرچشمۂ قوت سمجھنے کے رجحانات۔

۳۔ نشہ وقوت اور جبر وزور کا استعمال 'طاقت وقوت کا نعرہ۔

۴۔ لینے اور چھیننے کا نظریہ۔ مطالبات حقوق کا فلسفہ 'طریق کوہکن میں یہی پرویزی حیلے۔

۵۔ معاشیات وضروریات زندگی کی حرص یا اس کی مجبوریاں اور محرومیاں۔

۶۔ ہر بڑی مچھلی کا چھوٹی مچھلی کو نگلنے کا استحقاق۔

تاریخ کے کسی بھی ورق کو پلٹ لیجئے 'کسی بھی عہد 'کسی بھی خطے اور کسی بھی سطح کی بات کیجئے۔ امن انہی عوامل سے تہہ وبالا ہوتا نظر آئے گا۔ خواہ ان کیلئے کتنی ہی خوبصورت توجیہات اور خوش رنگ نام تراشے جائیں۔ اور حیرت کی فراوانی کے مقامات تو ایسے بھی آتے رہے ہیں جب انہی وجوہاتِ فساد کو نسخہ امن وفلاح کے طور پر تجویز کیا گیا ہے۔

تاریخ کا عام طالب علم بھی ادنیٰ توجہ سے اس کی ورق گردانی کرنے سے ان حقائق کا سراغ پالے گا۔ اس میں خواہ قابیل کی دست درازی کا زمانہ ہو عاد وثمود کا جاہ وحشم ہو۔ نمرود کا جبر وعیش ہو۔ فراعنہ مصر کی شوکت واستبداد

ہو۔ بنی اسرائیل کی لغزش وسرکشی کی داستانیں ہوں' حمیری سلاطین کا سلسلہ سلطنت ہو' چھٹی ساتویں صدی عیسوی کے احوال عالم ہوں۔ عرب کی قدیم جاہلیت کے زمانے ہوں یا اٹھاوریں اور بیسوی صدی عیسوی کے انقلابات عالم۔ ماسوائے ان مختصر وقفوں اور محدود دائروں کے جن میں انسان پیغمبرانِ خدا کی راہ پر چلے۔ انسان ترقی' تہذیب اور تمدن کے غلغلوں کے باوجود حقیقی امن اور طمانیت کی جھلک بھی نہ پا سکے۔ انسان نے ہی انسان کو نوچا استعمال کیا اور استحصال کیا۔ یہ چاہے خوش فہمی میں اپنے اور اپنی ہی بھول بھلیوں میں سرگرداں رہے۔ روم کا حسن وترقی وعدل بھی مشہور رہا مگر بلا امتیاز اور انسان کے حوالے سے نہیں۔ مشرق ومغرب بھی اپنے اپنے موقعوں پر مدعی رہے مگر ترقی کے واہموں میں تنزل کی طرف پھسلتے رہے۔

امن اور دامن نبویؐ سے وابستگی: تجزیے اور مشاہدے سے یہ بات بآسانی واضح اور ثابت ہوتی ہے کہ آسمانی ہدایتوں اور ربانی تعلیمات کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہیں جو انسانوں کو صحیح منزل کی طرف گامزن کرتی ہو۔ یہی تعلیمات وہدایات آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر مکمل ہوتی ہیں۔ آپ ختم المرسلین ہیں۔ آپ دانائے سبل ہیں۔ آپ ﷺ ہی وہ سرچشمہ ہیں جہاں سے نوع انسانی شر وفساد سے اجتناب اور امن وسکون کے میٹھے سانس حاصل کرتی ہے۔

آپ کی عطا کی ہوئی امن کی اساسوں کے علاوہ اور جتنی راہیں انسان نے امن کیلئے اختیار کی ہیں وہ مطلوبہ منزل کی طرح جاتی ہی نہیں۔ سو وہ منزل سے ہمکنار اور بامراد کیسے کر سکتی ہیں۔ ان کی حیثیت چاک فکر میں الجھنے اور فریب خوردہ سراب ہونے سے زیادہ اور کچھ نہیں جس سے انسان منزل کی تلاش میں اور زیادہ بھٹک جاتا ہے اسی طرح عالم انسانی فکر انسانی پر نازاں ہو کر بھٹکا ہے۔

عصر حاضر کا انسان پریشان حال اور درماندہ ہے۔ اس نے در در کی گدائی اور خود ساختہ افکار کے خوش کن سرابوں سے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ مظلوموں کی آہیں' بے بسوں کی چیخیں اور ستم رسیدہ انسانوں کے نوحے داد طلب ہیں اور مسیحائی چاہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے اور یہ یقین عملی مظاہرے کے بے شمار مظاہر کا حامل ہے کہ انسانیت کے درد کا علاج صرف اور صرف نبی رحمت ﷺ کے دامن کرم کے ساتھ وابستگی میں ہے۔ آج کا انسان اسی عہد ہمایوں کی تلاش میں ہے جس میں انسانی تکریم بحال ہو' کوئی کسی کا استیصال نہ کر سکے' کسی کی نہ زبان دراز ہو اور نہ کسی کا ہاتھ' حدود آشنائی اور حق شناسی کردار کا جوہر بنے اور مظلومیت کے سارے بندھن ٹوٹ جائیں۔

یہ دوسری جنگ عظیم کی بات ہے جب پوری دنیا آہن و آتش کی لپیٹ میں تھی توپوں کی گھن گرج اور گولوں کی جل پھٹاک سے ایک عالم لرز رہا تھا۔ انسانوں کے پیکر میں درندے سما گئے تھے اور آنکھوں میں پانی کی جگہ خون تیر رہا تھا۔ ہر فرد سہما ہوا اور ہر شخص سکڑا ہوا۔ جنگ بند ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی اور حریف کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھے۔ آدمیت کی اس بے بسی اور آدمی کی اس بے حسی کو دیکھ کر ایک محفل میں مشہور فلسفی اور ڈرامہ نگار برنارڈ شا نے کہا تھا۔

"آج اگر محمد ﷺ کو حاکم مان لیا جائے تو امن قائم ہو سکتا ہے۔"(۱)

آج ایک بار پھر وہی نقشہ بن رہا ہے۔ ذوق فرمانروائی بڑھ رہا ہے۔ عصبیتیں سر اٹھا رہی ہیں۔ برداشت دم توڑ رہی ہے۔ ہر ایک دوسرے کو جھکانے پر تلا ہوا نظر آ رہا ہے۔ مفاہمت کی جگہ مقاومت اپنائیت کی جگہ جارحیت' صلح کی جگہ اسلحہ اور رواداری کی جگہ خونخواری لے رہی ہے۔ گو کہ دنیا نے زمانی و مکانی فاصلے گھٹا دیئے ہیں لیکن روحانی فاصلے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ کوئی دل کے تار

ہلانے والا نہیں ملتا جو بھی ہے توپ اور تلوار چلانے والا نظر پڑتا ہے۔ ایسے میں پھر سے روح محمد ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔

امت مسلمہ کی زبوں حالی: آج دنیا کے مختلف حصوں میں مسلم امہ بالخصوص ظلم کی چکی تلے پس رہی ہے۔ مسافران راہ بلالؓ ویاسرؓ کی دل فگار چیخ و پکار صدائے بازگشت کبھی بوسنیا، کسووا، فلسطین اور الجزائر کے در و دیوار سے گونجتی ہے کبھی چیچنیا کے میدان کارزار میں خون مسلم سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ روس ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چیچنیا کے مسلمانوں کی نسل کشی کر رہا ہے۔ اس جارحیت کیلئے پہلے اس نے خود ہی ماسکو میں تخریبی کاروائیاں کرائیں تاکہ چیچنی مسلمانوں کو دہشت گرد کے طور پر بدنام کیا جائے۔ پھر اس نے ایسے حالات پیدا کئے کہ داغستان کے کچھ مسلمان سرگرم عمل ہوں ان مجاہدین کو بھی دہشت گرد کہا گیا۔ اس طرح دنیا خصوصاً مغربی ممالک کو باور کرایا گیا کہ یہ لوگ دہشت گرد ہیں۔ یہ سارا جال روس کے کے جی بی (K.G.B) کے ایجنٹوں وزیراعظم اور روسی فوج نے بچھایا۔ روس نے اب یہ کھیل کہ چیچن مسلمانوں کو دور سے فضائی حملوں اور توپ خانے کی گولہ باری سے ختم کیا جانے شروع کر رکھا ہے۔ یہی وہ کھیل ہے جو امریکہ نے عراق اور یوگوسلاویہ میں کھیلا تھا۔ کون ہے جو کشمیر میں مسلمانوں کے سفاکانہ قتل عام سے بے خبر ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار موجود ہیں۔ اقوام متحدہ کا بنیادی حقوق کا چارٹر پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے مگر تاریخ عالم میں امت مسلمہ کے ساتھ ہونے والے ظلم کی ایک نئی تاریخ رقم ہو رہی ہے۔

اسلام کو روز اول سے جن فتنوں اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اگر کسی دوسرے مذہب کو ان سے واسطہ پڑتا تو وہ اسے پیس کر رکھ دیتے۔ اس کا شیرازہ

بری طرح سے پراگندہ ہو جاتا اور اس کی خاک تک کو بھی مخالف ہوائیں اڑا چکی ہوتیں۔ اگر ایک شعلہ بجھتا ہے تو دوسرا بھڑک اٹھتا ہے۔ اگر ایک بغاوت فرو ہوتی ہے تو نئی بغاوتیں رونما ہو جاتیں ہیں۔ اگر ایک سازش کا خاتمہ ہوتا ہے تو تخریبی عناصر کسی اور خوفناک سازش کا دام ہمرنگ زمین بچھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

لیکن اسلام ان تند و تیز طوفانوں میں روشنی کے بلند مینار کی طرح قائم رہا۔ اس کی دلفریب تجلیات تاریکیوں کا سینہ چیرتی رہیں اور گرداب و تلاطم میں پھنسے ہوئے سفینوں کو سلامتی کے ساحل تک پہنچاتی رہیں اور اسلام کا یہ مینار تا قیامت یونہی ضیاپاش رہے گا۔ انشاء اللہ۔

عالم گیر بے چینی: اس وقت دنیا اکیسویں صدی میں داخلے کیلئے اس کے دہانے پر کھڑی ہے جبکہ صنعتی اور معاشی انقلاب سے انسانی رشتے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ اخوت، ہمدردی اور باہم محبت والفت کی باتیں قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ انسانی جذبات و احساسات پر مشینوں کا زنگ چڑھ گیا ہے اور میڈیا کی برق رفتاری سے اعلیٰ ترین اقدار و روایات سے انسانی رشتے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ جگہ جگہ افراد اور قومیں ایک دوسرے سے لڑ رہی ہیں۔ کنبے اور قبیلے آپس میں روٹھے ہوئے ہیں خاندانوں اور رشتہ داروں میں دشمنیاں قائم ہو چکی ہیں۔ یہاں تک کہ بھائی بھائی سے دست و گریباں ہے۔

تہذیب نوع اپنی تمام تر ترقی کی منازل کو طے کرنے کے بعد آج اس عروج سے ہمکنار ہوئی ہے کہ عقیدہ، رنگ، زبان اور علاقائی امتیازات تفریقات کی بنیاد پر پوری دنیا کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے۔ امن کے نام پر جملہ اقوام عالم کو زیر نگیں کرنے کیلئے سازشوں کے جال بچھائے جا رہے ہیں۔ آج بھی کالے

کو گورے کی ہمسری لاحق نہیں۔ سیکولرازم کے بلند بانگ دعویداروں کے ہاں آج بھی شودر اور برہمن کی تفریقات انسانیت کے منہ پر طمانچہ ہیں۔ ایسے میں امن عالم کیلئے سیرت طیبہ کی ضرورت واہمیت پہلے سے کئی گناہ زیادہ ہو گئی ہے۔

انسانی مسائل میں گتھیوں پر گتھیاں پڑتی جارہی ہیں جو طریقے بناؤ اور سدھار کیلئے اختیار کرائے جاتے ہیں وہ الٹا بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں۔ کسی کو چین اور سکون حاصل نہیں۔ ایک دائمی بے اطمینانی ہے جو سب پر مسلط ہے۔ ایک جنگ ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری جنگ کا ہوا سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ جھگڑوں' خونریزیوں 'فسادات' انقلابات اور باہمی کشمکشوں نے دنیا کا سکون بالکل غارت کردیا ہے۔ قومیں 'قوموں سے 'فرقے فرقوں سے' طبقے طبقوں سے پارٹیاں پارٹیوں سے اور افراد افراد سے دست وگریباں ہیں اور یہ کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے کسی کو کسی کا اعتماد حاصل نہیں۔ شرافت اور اخلاق کو بزدلی گردانا جاتا ہے۔ اگرچہ انسان کا علم بہت بڑھ چکا ہے۔ وہ بڑے بڑے خوش نما فلسفے گھڑتا ہے۔ بڑی دل فریب سکیمیں بناتا ہے۔ امن وانسانیت' آزادی وفلاح عالم پر بڑی جادو بیانی کے ساتھ لیکچروں پر لیکچر دیتا ہے لیکن ان سب کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ دنیا کو دھوکہ دے اور لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اپنا الو سیدھا کرے۔ انسان کو مادی وسائل پر بے پناہ قدرت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ انسانیت کی بہترین تعمیر کا ذریعہ بن سکتی تھی لیکن انسان کے بگڑ جانے کی وجہ سے بدترین تخریب کا باعث بن گئی ہے۔ آج انسان کی عقل جواب دے چکی ہے۔ اس کی تمام تدبیریں فیل ہو چکی ہیں۔

خداوند قدوس کی ہدایت اور اس کے رسولوں کی راہنمائی کی ضرورت اگر کبھی انسان کو ہوتی تھی تو آج یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے نبی آخرالزماں ﷺ

کی لائی ہوئی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں انسانیت کی گتھیوں کا بہترین حل موجود ہے اور اسی مقدس سیرتؐ پر عمل پیرا ہو کر آج کا انسان اپنے مسائل سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔

عقل کی بدلگامی : تہذیب حاضر کا سب سے بڑا تحفہ مادیت کا عظیم ترین انعام اور جدید جاہلیت کا بھاری بھر کم "احسان" جو اس نے انسانیت کو عطا کیا ہے وہ عقل کی بدلگامی اور فکر و نظر کی بے راہ روی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس نے دلوں کا سکون غارت کر دیا ہے۔ ذہنی اطمینان پر شب خون مارا ہے اور انسانی افراد و جماعات کی مرکزیت کو ہلا ڈالا ہے۔ اس کے نتیجے میں عملی بحران اور اخلاقی بے راہ روی پیدا ہو گئی ہے۔ جب عقل انسانی خالص مادیت کے دھارے پر بہتی ہوئی بہت دور نکل آئی تو آج وہ خود یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ علم و فن کی ترقی کے باوجود اور مادی سر و سامانی کی فراوانی کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو سکون اور خوشی حاصل نہیں؟ ہوا در اصل یہ ہے کہ انسان جتنا مادی علوم و فنون کی ترقی اور جدید ایجادات کے ہوش ربا میدان میں آگے بڑھ چکا ہے اتنا اس کا" انسانی شعور و ادراک "ترقی پذیر نہیں ہوا ہے۔

پروفیسر جوڈ کے بقول " انسان نے پرندوں کی مانند ہوا میں اڑنا اور مچھلیوں کی طرح سمندروں میں تیرنا تو سیکھ لیا ہے لیکن اسے انسانوں کی طرح زمین پر رہنا اور چلنا نہیں آیا۔"

زمین ہر سال اربوں من غلہ اگلتی ہے مگر اس کے باوجود نوعِ انسانی بھوک کا شکار ہے (۲) بحر و بر اور شمس و قمر مسخر ہیں لیکن پھر بھی انسان کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔ انسان قتل و غارت گری سے نجات چاہتا ہے لیکن اس کا باوجود ہر وقت اپنی ہی بنائی ہوئی مشینوں سے خود اپنے ہاتھوں کروڑوں افراد انسانی

بھوک کا شکار ہے (۲)۔بحر وبر اور شمس و قمر مسخر ہیں لیکن پھر بھی انسان کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔انسان قتل وغارت گری سے نجات چاہتا ہے لیکن اس کا باوجود ہر وقت اپنی ہی بنائی ہوئی مشینوں سے خود اپنے ہاتھوں کروڑوں افراد انسانی کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔گویا انسان اپنے آپ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہو چکا ہے۔ خودکشی کی وارداتوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔باہمی اعتماد اٹھ گیا ہے۔خود غرضی 'لالچ' حرص و طمع اور نفس پرستی کے امراض اب ساری انسانیت کے ناسور بن چکے ہیں۔ نسل کشی میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اس کے لئے نئے نئے طریقے خوشنما نام ایجاد ہو رہے ہیں۔ذہنی امراض روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ قلبی امراض بے پناہ ترقی پر ہیں سینے کی دھڑکنیں تیز سے تیز ہوتی جارہی ہیں۔ کچھ معلوم امراض کے ساتھ نامعلوم امراض کا اضافہ ہوتا جارہا ہے۔انسان ایک نامعلوم الجھن اور ان جانے خوف کو اپنے اوپر مسلط پاتا ہے۔ عیش و عشرت کے سامان بڑھ رہے ہیں اور ساتھ ہی کوئی انجانا خوف' کوئی نامعلوم الجھن 'کوئی لاشعوری ڈر اندر ہی اندر انسانوں کو کھائے جارہا ہے۔نئی نسل پچھلی نسل سے یکسر بیزار ہو چکی ہے۔ بڑے اپنے چھوٹوں کی غیر ذمہ داری اور گستاخی سے نالاں ہیں تو چھوٹے بڑوں کو بے وقوف' خبطی' کہنہ' رجعت پسند اور ناکارہ تصور کرتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد کے درمیان بے اعتمادی بلکہ بد اعتمادی کی خلیج حائل ہو چکی ہے۔گھر کے معاملات میں دلچسپی کم سے کم ہو رہی ہے۔ میاں بیوی کا باہمی اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ہر ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔

وہ عقل جو مادیت کی راہ پر کچھ عرصہ پہلے تیز رفتاری سے بھاگی چلی جارہی تھی آج یہ دیکھ کر خود حیران و پریشان ہے کہ اسے جن منزلوں تک پہنچنے کی امید تھی وہ اتنے لمبے سفر کے بعد بھی کوسوں دور ہیں۔انسان آج بھی مظلوم

ہے۔ خوف زدہ ہے۔ معاشی عدل وانصاف آج بھی مفقود ہے جس معاشی انصاف کیلئے مذہب' اخلاق' روایات اور دیانت وامانت غرض ہر چیز کی قربانی دے دی گئی تھی وہ معاشی انصاف آج بھی ایک افسانہ ہے۔ اشتراکی ممالک کا مزدور اپنے آپ کو آہنی شکنجہ میں کسا ہوا پاتا ہے۔ نہ صرف اس کا معیار زندگی بلند نہیں ہوا بلکہ اس سے ایک شدید آمریت نے احتجاج اور ہڑتال کا حق بھی "عوام اور مزدور" کے نام پر چھین لیا ہے جو حق اسے بدترین سرمایہ داری نظام میں بھی حاصل تھا وہ "اپنی آمریت" میں خواب وخیال ہو گیا ہے۔ ہڑتال کا نام لینا بغاوت ہے جس کی سزا کورٹ مارشل اور گولی ہے۔ مزدور کا اپنا کسا ہوا جال اسے حیوانی سطح سے بھی نیچے اتار لایا ہے۔

معاشرتی عدل آج بھی ایک لفظ بے معنی ہے۔ طبقات آج بھی موجود ہیں سرمایہ دار کا مقام منتظمین اور ذہین طبقہ کے "دانشوروں" نے لے لیا ہے۔ وہ دولت پر عیش کرتے ہیں اور کمانے والے بول تک نہیں سکتے۔ آج بھی ظلم و ناانصافی موجود ہے۔ بلکہ بعض پہلوؤں سے پہلے سے بھی بڑھ کر ہے۔ پرولتاری آمریت" نے پورے ملک کو جاسوسوں کی سرزمین بناڈالا ہے۔ بھائی بھائی کا جاسوس ہے۔ بیوی خاوند اور بیٹا باپ کے خلاف "پارٹی مفاد" کی سرگرمیوں کی رپوٹیں دیتا ہے۔ دھوکا فریب' جھوٹ' سازش اور بدعہدی کی فضا لوگوں پر مسلط ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ آج کے انسان نے فطرت کی تسخیر کی۔ بحر وبر پر قابو حاصل کیا۔ زمان ومکان کے فاصلے سمیٹ دیئے۔ ذرات کا جگر چیر کر ان کی توانائی کو حاصل کیا۔ لیکن یہ سب باتیں بذات خود مقصود نہیں بلکہ امن وسکون اور اطمینان قلب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ دل کے چین اور آرام کا وسیلہ ہیں اور جب یہ مقصد ہی پورا نہ ہو تو یہ چیزیں عملاً بے کار ہیں۔

مادی تہذیب کے ان خوفناک نتائج پر اہل مغرب خود حیران و

سرگرداں اور پریشان ہیں۔ مشہور ماہر عمرانیات پروفیسر سادر کن لکھتا ہے:

"بدیہی شہادتوں کے پیش نظر مجھے اس بات کا پوری طرح اطمینان ہو گیا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ ہماری تنظیم اور ہماری سوسائٹی ایک زبردست بحران میں سے گزر رہے ہیں۔ جسم میں کوئی حصہ قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں جو صحیح طور پر کام کر رہا ہو۔ ہمارے سارے بدن میں ناسور ہیں"(۳)

جدید زمانے کا مشہور تاریخ دان اور فلسفہ تاریخ کا ماہر آرنلڈ جے ٹامن بی کہتا ہے:

"جدید انسان کا حال جوئے کے اس کھلاڑی کی مانند ہے جس نے اپنے داؤ بڑھاتے بڑھاتے جہاں تک پہنچا دیا کہ اس کا بنک اکاؤنٹ اس کی معاش اور اس کی زندگی سب بساط پر رکھے ہوئے ہیں۔ تعطل بڑا خطرناک ہے وہ سوچتا ہے کہ بازی مار لینی چاہیے لیکن اسے اپنے ہنر پر بھروسہ نہیں جس کے بل پر اسے کامیابی ہو سکے"(۴)

جو مسائل ہمیں درپیش ہیں وہ اسی نوعیت کے نہیں کہ ان کا جواب تجربہ گاہوں سے دیا جائے۔ یہ اخلاقی مسائل ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرہ میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ اپنے مسائل کو خالص مادی تدابیر سے حل کرنے کی ہماری موجودہ کوشش واضح طور پر ناکام ہو چکی ہیں اور ہمارے تمام بلند بانگ دعوے محض مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتائج ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ دور حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبعی ایمان کا احیاء اور حضرت خیر الانام کی سنت مطاہرہ پر عمل پیرا ہونے میں پوشیدہ ہے۔

دین ودنیا کی تفریق کا نتیجہ: تہذیب جدید کا موجودہ انتشار اصولاً مذہب وسیاست اور دین ودنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے اس کی حد تک تو یہ تفریق درست تھی کیونکہ وہ "دین" نہیں تھی محض ایک مذہب تھی اور اس کا کام فقط ایک آدھ عقیدے اور چند رسوم عبادت تک محدود تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زندگی کے تمام فعال اور جاندار شعبے دین واخلاق کی گرفت سے باہر ہوگئے۔ اور عقلی بے راہ روی کے ساتھ ساتھ ذہنی و عملی انتشار بھی پیدا ہوگیا۔ مگر اسلام اس قسم کا "مذہب" نہیں ہے جو صرف چند عقائد ورسوم دے کر زندگی سے الگ ہو جائے وہ زندگی گزارنے کا ایک کامل ڈھنگ ہے جو عقائد 'عبادات' معاملات معاشرت معاشی سعاد سیاست غرض جس پہلو سے بھی دیکھئے وہ ایک کامل نظام ہے۔ سید قطب شہید اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "موجودہ انسانی زندگی کی بنیادیں اور ضابطے جس اصل اور منبع سے ماخوذ ہیں اس کی رو سے اگر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج ساری دنیا "جاہلیت" میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور "جاہلیت" بھی اس رنگ ڈھنگ کی ہے کہ یہ حیرت انگیز مادی سہولتیں 'آسائشیں اور بلند پایہ ایجادات بھی اس کی قباحتوں کو کم یا ہلکا نہیں کر سکتیں۔ اس جاہلیت کا قصر جس بنیاد پر قائم ہے وہ ہے اس زمین پر خدا کے اقتدار اعلیٰ پر دست درازی اور حاکمیت جو الوہیت کی مخصوص صفت ہے۔ اس سے بغاوت' چنانچہ اس جاہلیت نے حاکمیت کی باگ ڈور انسان کے ہاتھ میں دے رکھی ہے اور بعض انسانوں کو بعض کیلئے " اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مقام دے رکھا ہے۔ اس سیدھی سادی اور ابتدائی صورت میں نہیں جس سے

قدیم جاہلیت آشنا تھی بلکہ اس طنطنے اور دعوے کے ساتھ کہ انسانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خود افکار واقدار کی تخلیق کریں ۔ شرائع و قوانین واضع کریں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کیلئے جو چاہیں نظام تجویز کریں۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں نے انسان کو ذلیل کر دیا ہے۔ ظلم و ستم کی چکی میں اسے پیسا ہے اور اس کے شرف و کرم کو بٹہ لگا دیا ہے۔"

"اس بارے میں صرف اسلام ہی وہ منفرد نظریہ حیات اور یکتا نظام زندگی ہے جس میں انسان کی انسان کیلئے بندگی و غلامی کی نفی کر دی گئی ہے۔ عبودیت و عبادت صرف ایک خالق کیلئے خاص کر دی گئی ہے اور انسان کو غیروں کی غلامی سے پوری طرح آزاد کر دیا گیا ہے۔"(۵)

آج کے انسان کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ ایک ایسے دور میں رہتا ہے جو افکار کے تصادم نظریات کی وجہ سے ابتری اور پراگندگی کا شکار ہے۔ یہ ازم وہ ازم باطل رنگ بدل بدل کر انسانی فکر و نظر پر یلغار کرتا ہے اور حق اپنے علمبرداروں کی بے حسی کا ماتم کرتا ہے ۔ عالم انسان ایک افراتفری کے عالم میں کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر۔ وہ سرگشتہ و حیران ہے کہ کدھر جائے۔ کبھی اس کو آزماتا ہے کبھی اس کو کبھی اس کو اپناتا ہے کبھی اس کو ایک ازم کو آزماتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ اس سے مسائل حل نہیں ہوتے تو اس کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسرے ازم کی طرف لپکتا ہے۔ مگر وہاں بھی اس کو مایوسی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ وہ تجربات کے چکر سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کہ وہ ایسے "ازم" کو نہیں اپناتا جو اس کی فطرت کے مطابق ہے اور وہ ازم دین فطرت اسلام ہے جو نبی عربی محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

عہد جدید کے مسائل میں ایک بڑا مسئلہ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عہد جدید کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ خود یہ سوال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیغام اور آپ ﷺ کی سیرت عہد جدید کے مسائل حل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اغیار اور دشمنان اسلام کا ذکر چھوڑیئے خود ہم مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اسلام قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔ یہ چودہ سو سال پرانا نظام یا نظریہ ہے جو نئے دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ اسلام اس دور کیلئے تھا جب انسانی تمدن ہنوز عہد طفولیت میں تھا۔ عہد حاضر کی پیچیدہ زندگی کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ نئے دور کے نئے مسائل کیلئے نئے نظام کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت وہ عصر حاضر کے نت نئے ازموں (ISMS) سے پوری کرنی چاہتے ہیں۔ یہ طبقہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو خدا کی ہستی پر یقین نہیں رکھتا اور نہ ہی رسالت مآب ﷺ کی حقیقت سے واقف ہے۔ اور نہ ہی روز جزا کا قائل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ان بے دین دہریوں اور ملحدوں کا گروہ ہے جو سرے سے آسمانی ہدایت کی ضرورت ہی پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ لوگ آج کیا چودہ سو سال پہلے بھی اسلام کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہی میں منافقوں کا گروہ بھی شامل ہے جو اول الذکر کے سے ہی خیالات رکھتا ہے۔ لیکن معاشی اور معاشرتی مجبوریوں کی وجہ سے اسلام کا نام لینا بھی ضروری سمجھتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دین اسلام کو عام مذاہب کی طرح ایک مذہب ہی سمجھتے ہیں وہ دنیا اور اس کے امور و مسائل کو مذہب کے دائرے سے خارج تصور کرتے ہیں ۔ ان کے خیال میں مذہب صرف رسمی عبادات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ جاہلوں کا گروہ ہے۔ جن کی دینی معلومات چند سنی سنائی باتوں تک محدود ہے وہ سیرت محمدی ﷺ کی تعلیمات سے بے خبر ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی بعثت کی

غرض وغایت کی بھی خبر نہیں اس لئے گمراہ کن خیالات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

امت مسلمہ کا انتشار: ان تمام مشکلات سے فروں تر خرابی یہ ہے کہ مسلمان ایک خدا' ایک رسول' ایک کتاب اور ایک قبلہ رکھنے کے باوجود ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہوتے بلکہ اپنے علاقائی اور فروعی اختلافات کی بنیاد پر مختلف خانوں میں بٹے ہوئے ہیں جبکہ امت مسلمہ کے مقابلے میں غیر مسلم متحد ہیں۔ ان میں غیر تحریری معاہدہ اور غیر منضبط آئین موجود ہے کہ " الکفر ملة واحدة" جب بھی کفر اور اسلام کا مقابلہ ہو گا تو کفر متحد ہو گا اور اسلام منتشر۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر مسلمان سب سے زیادہ مشکلات سے دوچار ہیں۔ لیبیا اور عراق میں بھوک کے ہاتھوں مسلمانوں کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ بوسنیائی مسلمانوں کے خلاف عالمی دہشت گردی کا ارتکاب کیا گیا۔ ترکی اور پاکستان کو سود کی لعنت کے ذریعے معاشی طور پر مفلوج کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی دولت سے غیر مسلم فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مسلمانوں کے وسائل انہی کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔ اس وقت عالمی سطح پر فلسطین' کشمیر' جزائر منڈے ناؤ' چیچنیا اور بوسنیا جیسے اہم مسلم علاقوں میں غیر مسلم عملی دہشت گردی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ مسلم ریاستوں کے اندر خفیہ ایجنسیوں کے جال مصروف عمل ہیں جو مسلمانوں کو باہم لڑا کر ان کے وسائل پر قبضہ جما رہے ہیں۔ اگر مسلمان اپنا حق طلب کرتے ہیں تو انہیں دہشت گرد' فسادی' تخریب کار' جنگ جو اور بنیاد پرست کے القاب سے نوازا جاتا ہے کیونکہ عالمی ذرائع ابلاغ پر غیر مسلموں اور صیہونیوں کا قبضہ ہے جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں غیر مسلم عالمی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں کہ مہذب دنیا سے اپنی دہشت گردی چھپا سکیں

پاکستان اور چہار سو بدامنی: اسلامی جمہوریہ پاکستان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ورسول ﷺ کے نام پر بنا تھا اس کی حالت آج کیا ہے؟ اس کا ایک لفظ میں جواب دینا ہو تو وہ ہے:

نہ راہ ومنزل ہے نہ رہبر

بے تاج بادشاہ بے معنی قوانین بنا رہے ہیں۔ آئین بن رہے ہیں لیکن ملک اور عوام کی بھلائی کیلئے نہیں بلکہ ذاتی مفاد کیلئے۔ منتخب ارکان صرف اپنی اپنی ذات کے بارے میں فکر مند ہیں اور بکاؤ مال بن چکے ہیں۔ اہل اقتدار صرف دولت سمیٹنے اور اپنی کرسیوں کو مضبوط کرنے کی فکر میں ہیں ملک پر عملاً غیروں کی عملداری ہے۔

انتظامی سسٹم پورے کا پورا انگریز کا قائم کردہ ہے۔ ایک تو وہ انیسویں صدی کا ہے دوسرا اسے پہلے انگریز چلا تھا اور اب پاکستانی بیوروکریٹس چلاتے ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ:

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اس کا نتیجہ ہے کہ تخریب کاروں' رہزنوں' ڈاکوؤں اور لیٹروں نے تباہی مچار کھی ہے۔ دن رات ڈاکے پڑ رہے ہیں عورتوں کی بے حرمتی ہو رہی ہے ہر گلی کوچے میں فساد دیکھنے میں آتا ہے۔ انتظامیہ مرتشی بن چکی ہے۔ عدل وانصاف صرف کہانیوں میں ملتا ہے۔ غرض حکومت رعایا کے جان ومال اور عزت وناموس سمیت انسانی حقوق کا تحفظ کرنے کے قابل نہیں۔ جماعتی' صوبائی لسانی اور فرقہ وارانہ عصبیت نے سیاسی زندگی مفلوج کردی ہے لوگ بے یقینی کا شکار ہیں۔ ملک کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ غرضیکہ

کوئی صدا نہیں جسے زندگی کہوں

مدت سے ہے خموش میرے دل کی رہگزار

اس سیاسی بحران کے ذمہ دار چار انسانیت سوز طبقے ہیں۔ پہلا حکمران طبقہ ہے جس نے آئین قرآنی اور سیرت طیبہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اور اسے نافذ کرنے سے ڈرتا ہے۔ اس لئے کہ پھر اسے رعایا پر اپنا حکم چلانے اور من مانی کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ دوسرا طبقہ افسر شاہی یا بیوروکریٹس کا ہے جو اپنی کرسیوں کو بچانے اور مراعات حاصل کرنے کی خاطر فرعونی طرز کے حکمران طبقے کی بے جا حمایت کرتا اور اسے غلط راہوں پر چلانے میں مصروف رہتا ہے۔ تیسرا طبقہ جاگیرداروں' بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ کاروں کا ہے جو مزارعوں' کسانوں' مزدوروں' ملازموں اور ہنر مند محنت کشوں کی محنت کا پھل خود کھاتا ہے اور ان پر ظلم و ستم کرتا ہے۔ نیز اپنی اراضی' مال و دولت' کارخانوں اور جائیدادوں کو محفوظ رکھنے کی خاطر فرعونی حکومت کی کاسہ لیسی اور مدد کرتا اور لوگوں کے بنیادی حقوق غصب کرتا ہے۔ چوتھا طبقہ آزروں یعنی علماء سوء اور مشائخ سالوس کا ہے جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھانے کی خاطر ان کو گمراہ کرتا اور فروعی مسائل میں الجھائے رکھتا ہے۔ پس انہی چار طبقوں نے ملک کو ہلاکت کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ نتیجتاً مزدوروں' کاریگروں' سرکاری و غیر سرکاری ملازموں کو اتنی کم تنخواہ ملتی ہے کہ زندگی کی ضروریات تو کجا صرف روٹی پوری نہیں ہوتی۔ خوانچہ فروش' ریڑھی بان دیگر چھوٹے چھوٹے کام کرنے والے صرف اتنا کما سکتے ہیں کہ ان کیلئے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنا بھی مشکل ہے۔ جن لوگوں کو نوکری یا روزگار میسر نہیں وہ مریں یا جئیں کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔ غرضیکہ قوم کی بنیادی ضروریات مثلاً روٹی۔ پانی' کپڑے' مکان' تعلیم

وتربیت اور علاج معالجے وغیرہ جس کا سب کیلئے معقول انتظام کرنا قرآن حکیم اور سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں حکومت کی ذمہ داری ہے۔ کوئی نام تک نہیں لیتا۔ کسان دن رات کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ خون پسینہ ایک کرتے ہیں لیکن جاگیردار اور زمیندار ان کی کمائی کا آدھا حصہ ظلم سے لے جاتے ہیں۔ کمائی مزارعوں کی کھاتے ہیں الٹا انہیں "کمی" "ہاری" وغیرہ کہتے ہیں۔ صدیوں سے انہیں اپنا محکوم وغلام بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ان کی جان ومال محفوظ ہے نہ عزت وآبرو۔ نہ داد ہے نہ فریاد۔

نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ پاکستانی قوم ہلاکت وبربادی کے غار کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اور گرنے کیلئے ایک دھکے کی منتظر ہے۔(۶)

ایسے میں ہمیں پیغمبر امن' نبی رحمت ﷺ' رسول مقبول' پیکر شفقت' مجسمہ مروت' سرچشمہ محبت واخوت' ساحل نجات' شناور قلزم لطافت' دریائے عفو وکرم اور مسیحائے کشتگانِ ستم۔ کی مبارک سیرت طیبہ سے روشنی حاصل کرنا ہوگی تاکہ ان مذکورہ مسائل کا پائیدار حل تلاش کیا جاسکے اور امن عالم کی راہیں متعین ہوں۔

حوالہ جات

۱۔ اسحاق قریشی' پروفیسر ڈاکٹر محمد' حضور اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی' لاہور' مکتبہ زاویہ' ۱۹۹۸ء' ص: ۳۵

۲۔ قطب شہید' سید۔ جادہ و منزل' ص: ۱۴۰

۳۔ ابو یوسف' امام' کتاب الخراج' ص: ۱۳۷

۴۔ مریم جمیلہ۔ اسلام اور مغربیت۔ ص: ۲۰۷

۵۔ قطب شہید' سید۔ امن عالم اور اسلام' مترجم میاں منظور احمد' لاہور' گلستان پبلیکیشنز' ۱۹۷۴ء' ص: ۱۵۴

۶۔ خواجہ محمد اسلم' پاکستان کا تباہ کن بحران اور اس کا حل' لاہور' تحریک رحمۃ اللعالمین' ۱۹۹۰ء' ص: ۴۔۵

امن وسلامتی کا معنی ومفہوم

امن: اس کی دیگر تفصیلات میں جانے سے قبل ایک نظر اس کے معنی ومفہوم پر ڈال لینی چاہیے۔ تو امن کا لفظ بنیادی طور پر عربی زبان سے مشتق ہے۔
مختلف عربی لغات میں اس کے معنی اس طرح بیان کیے گئے ہیں۔

لسان العرب: الامن ضدالخوف(۱)

المنجد: امن: امنا وامنا وامانا وامنۃ
اطمان فھو امن (۲)

المورد: Peaceامن طمانینۃ سلم' سلام(۳)

اقرب الموارد امن اطمان
والبلد: اطمان اھلہ
الامنۃ: الامن وھوسکون القلب
وضدالخیانۃ
ومن یشق بکل احد(۴)

المعجم الوسیط امن: اطمان ولم یخف
و۔البلد۔ اطمان فیہ اھلہ
و۔الشرومنہ:۔ سلم
و۔فلاناعلی کذا:وثق فیہ۔ واطمان
الیہ اوجعلہ امینا علیہ(۵)

مفردات القرآن میں امام راغبؒ لکھتے ہیں:
"اصل میں امن کے معنی مطمئن ہونے اور خوف نہ رہنے کے ہیں۔

امن امانۃ امان۔ یہ سب اصل میں مصدر ہیں۔ امان کے معنی بھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے (۶)"

عربی کی ان تعریفوں سے امن کا جو مفہوم متعین ہوتا ہے اس میں آسودگی قلب' داخلی اطمینان و سکون۔ جمعیت خاطر اور داخلی ہیجانات اور پریشانیوں وغیرہ سے نجات شامل ہے۔ معاشرتی اعتبار سے باہمی تعاون واشتراک' سازگاری کی عمومی فضا' حقوق و فرائض کی متوازی ادائیگی اور معاشرت میں حسن و خوبی امن کے مفہوم میں شامل ہے۔ اور بین الاقوامی طور پر قوموں کا باہمی جھگڑوں اور مناقشات سے پرہیز امن ہے۔

یوں امن عالم صرف جنگ کی عدم موجودگی ہی کا نام نہیں رہ جاتا بلکہ یہ انسان کی انفرادی' معاشرتی' مذہبی و اخلاقی اور بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کے وسیع مفہوم کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اور اس مثالی کیفیت کا نام ہے جہاں زندگی کے تمام شعبے شاہراہ ترقی پر اندیشہ رہزنی کے بغیر سفر کرتے ہیں۔

امن کی ضد۔ فتنہ و فساد: عربی کا مشہور مقولہ ہے" تعرف الاشیاء باضدادھا" عملی زندگی میں اس مقولے کی افادیت اور صداقت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ کسی بھی شے کی ضد کو دیکھے بغیر اس کے حسن و قبیح کا صحیح طرح اندازہ لگایا ہی نہیں جاسکتا۔ رات نہ ہو تو دن کی روشنی اپنی قدر و قیمت کھودے۔ آفتاب کی حدت انسان کو پریشان نہ کرے تو چاند کی کرنوں کی ٹھنڈک کا اندازہ کون کرے گا؟

اسی طرح امن و سکون کا تصور بھی پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک اس کی ضد۔ یعنی بدامنی و بے سکونی اور انتشار اور فتنہ فساد کے مفہوم سے

آگاہی نہ ہو اور امن کے فوائد و ثمرات کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ ہولناک نتائج سامنے نہ ہوں جو فتنہ و فساد کے بظاہر سادہ الفاظ کا لازمہ ہیں۔ اسی نقطہ نظر سے ہم یہاں امن کی ضد کے طور پر استعمال ہونے والے الفاظ اور ان کے مشتملات دیکھیں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان الفاظ کے مفہوم اپنے اندر کون سی وسعتیں لئے ہوئے ہیں۔ ان الفاظ میں زیادہ مروج "فتنہ" اور "فساد" کے الفاظ ہیں۔

فتنہ کے لغوی معنی کے بارے میں ابن منظور لکھتے ہیں :

"قال الازهری وغیرہ۔ جماع معنی الفتنۃ الابتلاء والامتحان والاختبار واصلها ماخوذ من قوال فشنت الفضۃ والذهب اذا اذبتها لتمیز الردی من التجید والفتنۃ الضلال والاثم

والفتنۃ۔ الفضیحۃ

والفتنۃ۔ العذاب

والفتنۃ۔ مایقع من الناس من القتال

والفتنۃ الصدر۔ الوسواس' (۷)

احمد مصطفیٰ مراغی "فتنہ" کے لغوی معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔

"والفتنۃ من قولهم فتن الصائغ الذهب اذا اذابه فی النار لیخرج منه المزغل۔ ثم استعملت فی کل اختیار شاق کا لاخراج من الوطن المحبب من الطباع السلمیۃ والفتنتی فی الدین "(۸)

بقول صاحب کشاف

"فتنہ داخلی طور پر انتشار' فکرو عقیدے کی پراگندگی 'گمراہی وکجروی' معاشرتی اعتبار سے ظلم و تشدد' تعذیب اور جنگ و جدل اور دینی و اخلاقی اعتبار سے سیدھے راستے پر چلنے سے روکنے کا نام ہے۔"(۹)

فساد : لن منظور کے بقول :

الفساد:نقيض الصلاح

فسده:اذا اباره(۱۰)

صاحب المنجد کے بقول

فسد:ضد صلح

الفساد:اللهم واللعب ـ اخذالمال ظلما(۱۱)

سید ابو الاعلی مودودیؒ کے بقول۔ لغت میں فساد کہتے ہیں کسی چیز کے حالت اعتدال سے نکل جانے کو' اور اصلاح اس کی ضد ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے ہر وہ فعل جو عدل و اصلاح کے خلاف ہے فساد ہے۔

قرآن پاک کی متعدد آیات کریمہ اس بات پر شاید ہیں کہ رب العالمین فساد اور مفسد کو پسند نہیں فرماتا۔ چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۱۲)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۳)

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۴)

حالتِ فتنہ و فساد اللہ کی نگاہ میں قتل سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد ہے :

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۱۵)

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (۱۶)

اسلام میں قتال و جہاد کی اجازت اور حرمت کا مقصد بھی فتنہ و کفر

وشرک کو ختم کرنا اور اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے۔ فرمایا

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ (۱۷)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (۱۸)

اسلام کا مفہوم: اسلام کا مادہ س ل م بڑے ہی اہم' خیال انگیز اور متنوع معانی پر دلالت کرتا ہے جن سے آگاہی اس اصطلاح کو جامع طور سے سمجھنے میں بڑی مدد دے سکتی ہے۔ قرآن پاک میں اسلام کی کافی وسعت کو کئی معنوں میں بیان کیا گیا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں :

۱۔ عیوب و نقائص سے پاک وصاف اور اپنی اصل (حسین) حالت پر ہونا (۱۹)

۲۔ روحانی و جسمانی آفات' حوادث اور خطرات سے نجات پانا اور محفوظ ہونا (۲۰)

۳۔ خوف و حزن سے حفظ و امان اور امن و سلامتی (۲۱)

۴۔ السلام۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ہے۔ (۲۲)

۵۔ قلب سلیم سے مراد ایسا قلب ہے جو جرم و گناہ کی آگ سے محفوظ اور اپنی اصل حسین حالت پر صحیح وسالم ہو (۲۳) اسی معنویت کی بنا پر قلب سلیم کو نفس مطمئن سے تعبیر کیا گیا ہے (۲۴)

۶۔ سلم الیہ : مطیع و فرماں بردار ہونا۔ سلم الشئی : خالص ہونا۔ سلم بالامر : راضی ہونا' سلمہ الی فلاں : سپرد کر دینا۔ سلمہ من الافۃ : محفوظ رکھنا۔ سلمہ الشئی فسلمہ : کسی کو کوئی چیز تفویض کرنا اور اس کا قبول کر لینا۔

۷۔ سالم : مصالحت کر لینا۔ اسلم : مطیع و فرماں بردار ہونا۔ دین اسلام قبول کر لینا اسلم امرہ الی اللہ۔ اس نے اپنے کو مشیت ایزدی کے سپرد کر دیا۔

۸۔ تسلم : مسلمان ہونا۔

۹۔ تسالم : (القوم) باہم مصالحت و موافقت کر لینا۔

۱۰۔ السلمۃ : سلامتی' فرماں برداری۔

۱۱۔ التسلم : سیڑھی۔ وسیلہ۔ رفعت و ترقی کا زینہ

۱۲۔ دارالسلام : سلامتی کا گھر' جنت (۲۵)

۱۳۔ سلاما: لغو و اثم کی ضد (۲۶)

۱۴۔ السلم والسلم والسلام کے معنی صلح کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
"جو شخص تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں" (۲۷)
نیز فرمایا : اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (۲۸)

۱۵۔ الاسلام : اس کے اصل معنی سلم یعنی صلح میں داخل ہو جانے کے ہیں اور صلح کے معنی ہیں کہ فریقین باہم ایک دوسرے سے تکلیف پہنچنے سے بے خوف ہو جائیں۔

اسلام کی قسمیں : شرعاً اسلام کی دو قسمیں ہیں :

اولاً : کوئی شخص محض زبان سے اسلام کا اقرار کرے۔ دل سے معتقد نہ ہو۔ اس سے اس کا مال و دولت' جان اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس کا درجہ ایمان سے کم ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
"دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دو! تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔" (۲۹)

ثانیاً : اسلام کا درجہ ایمان سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان سے اعتراف کے ساتھ ساتھ دلی اعتقاد بھی ہو اور عملاً اس کے تقاضوں کو پورا بھی کرے۔ مزید براں یہ کہ ہر طرح سے قضاو قدر الٰہی کے سامنے

سر تسلیم خم کردے۔

جب ان (یعنی حضرت ابراہیمؑ) کے رب نے ان سے کہا کہ اسلام لے آؤ (یعنی مطیع و فرمانبردار ہو جاؤ) تو انہوں نے جواب دیا۔ میں جہانوں کے رب کے سامنے سر تسلیم واطاعت خم کرتا ہوں (۳۰) یہی روش انسانی۔ یہی رویہ اور یہی دستور حیات اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔(۳۱) ایمان اور اسلام لازم وملزوم ہیں (۳۲)

الغرض مسلم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو اس کی اطاعت کرتا ہو اور مشرک نہ ہو (۳۳) مشرک اور مسلم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ انسان کا دین صرف اسلام ہے لہذا دین میں فرقے بنانا مسلمانوں کا شعار نہیں کیونکہ ایسا کرنا شرک ہے۔(۳۴)

علاوہ ازیں مسلمان نہ تو کفران نعمت کرتا ہے (۳۵) نہ کفر کی باتیں کرتا ہے۔(۳۶) اور نہ وہ مجرم ہی ہوتا ہے (۳۷)

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے متعلق اس اہم حقیقت کی بھی نشاندھی کردی ہے کہ چونکہ پیغمبر اعظم و آخر ﷺ خاتم النبیین ہے (۳۸) اور آپ کے بعد پھر کسی کو مبعوث نہیں ہونا تھا۔لہذا آپ ﷺ کے عہد بعثت میں دین اسلام کی تکمیل کردی گئی (۳۹)

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے دو (۲) مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے معتقدات و تعلیمات اور امر و نواہی بعینہ وہی ہیں جو انسان فطرۃً چاہتا ہے۔دوسرے اس کے احکام و قوانین اللہ تعالیٰ کے ہیں جو فاطر ہستی ہے چونکہ نہ تو نوامیس فطرت بدلتے ہیں اور نہ فطرت انسانی۔لہذا دین اسلام غیر متبدل و ناقابل تغیر ہے جس

کیلئے قرآن مجید "دین قیم" کی تعبیر اختیار کرتا ہے (۴۰)

دین ایک ناقابل تقسیم "کل" ہے اس لئے اسے دین توحید بھی کہتے ہیں۔ اس لئے اس امر کی توجیہہ ہو جاتی ہے کہ کیوں اسلام میں فرقہ بندی کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ (۴۱) اسلام کا خدا چونکہ رحمان و رحیم ہے (۴۲) اور لطیف و کریم (۴۳) ہے اس لئے اس نے رحمت کو اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے (۴۴) اور اس کی آخری زندہ جاوید کتاب قرآن مجید بھی رحمت ہے۔ (۴۵) نیز اس کا پیغمبر آخر الزمان بھی رحمة اللعالمین (۴۶) ہے۔ لہذا اسلام دین رحمت تمام بھی ہے اور تحریک رحمة اللعالمین بھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام نہ صرف عام انسانی بلکہ جملہ حیوانی و نباتاتی و جماداتی عوامل کیلئے رحمت ہے۔ رحمت کی اصطلاح ہمدردی و غم خواری ' ایثار و قربانی ' شفقت و محبت اور عدل و احسان کے عملی اظہار پر دلالت کرتی ہے جس سے دوسروں کو مادی یا روحانی یا دونوں طرح کا فائدہ پہنچے (۴۷) علاوہ ازیں یہ ہمہ گیر و عالمگیر اور ابدی تحریک ہے۔

ہم نے دیکھا کہ عربی کے لفظ سلام کے معنی امن اور صحت کے ہیں۔ نزول قرآن کے بعد سے عام طور پر باہمی سلام کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ نزول قرآن کی شب کو لیلۃ القدر کہا گیا اور اسے طلوع فجر تک سلامتی قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سلامتی کے گھر (دار السلام) کی طرف بلاتے ہیں۔

امن کیلئے استعمال ہونے والا لفظ سلام۔ ساری دنیا میں باہمی سلامتی کے شعار کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور یہی لفظ جنت میں داخلے کے وقت بولا جائے گا۔ اس طرح اسلامی عقیدے میں قیامت سے پہلے مہدی کا تذکرہ ملتا ہے۔

اس کی خلافت منھاج النبوت پر قائم ہو گی۔ وہ آسمان سے اترے گا اور زمین کو عدل وانصاف (گویا امن و سلامتی) سے بھر دے گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف کے ختم ہونے کے بھی ہیں۔ امان کے معنی کبھی حالت امن کے آنے کے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس رکھی جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے :

"مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" (۴۸)　　(جو بھی اس میں داخل ہوا محفوظ ہو گیا (ہر خطرہ سے)

"اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا" (۴۹)　　(کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنا دیا ہے۔)

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ" (۵۰)　　(اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ و رسولؐ سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں)

ایمان کا لفظ بطور تعریف کے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی مان لینے اور تصدیق کرنے کے ہیں اور یہ ایسی تصدیق ہے جس سے اطمینان حاصل ہو جائے۔

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ" (۵۱)　　(جو لوگ اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے وہ اللہ کی جناب میں صدیق ہیں)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر میں نے آپ ﷺ کی پہلی تقریر میں یہ الفاظ سنے: "افشوا السلام" یعنی پیغام امن و سلامتی کو عام کرو۔ چنانچہ اسلامی آداب میں سلام کی دعاء اتنی عام ہے کہ اس میں سابقہ جان پہچان اور دین و عقیدہ کا امتیاز بھی نہیں برتا جاتا۔

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں :

"وجعلت تحية المسلمين　　خیر مقدمی کیلئے مسلمانوں کا سلام اس امر

بلا شعار بان دینهم دین اسلام والا یمان وانهم اهل السلم ومحبوا السلامه (۵۳)
کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کا دین سلامتی اور امن دینے والا ہے اور یہ کہ مسلمان امن و سلامتی پسند ہیں"

عن ابن عباسؓ انهم يقولون للذمی السلام علیک ۔۔۔ و فی البخاری الامر بالسلام علی من تعرف ومن لا تعرف (۵۴)
(ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسلمان ذمی کو السلام علیک کہتے تھے ۔۔۔۔۔ اور بخاری میں اپنے واقف اور ناآشنا سب ہی کو سلام کہنے کا حکم ہے۔)

قرآن مجید میں مسلمانوں کیلئے حکم ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً (۵۵)
(اے ایمان والو! سب کے سب امن و سلامتی میں داخل ہو جاؤ۔)

قرآن پاک میں اسی کے ذریعہ امن و سلامتی کی راہیں دکھائی گئی ہیں:

"یَھْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَه سُبُلَ السَّلَامِ (۵٦)
(قرآن مجید کے ذریعہ اللہ انہیں جو اس کی خوشنودی کا اتباع کرتے ہیں، سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے)

امن ہی وہ فلاح ہے جس کیلئے رسول انسؐ نے منظم معاشرہ کی تشکیل نظام صلوٰۃ کے ذریعہ فرمائی اور پانچوں وقت مؤذن سے "حی علی الفلاح" کا اعلان کرایا۔ امن وہ سلام ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ہر مسلمان کی زبان سے کہلوا کر پورے معاشرے میں عام کر دیا۔

"عالمی امن" جو آج مہذب دنیا اور اقوام متحدہ کا مقصود اعلیٰ بنا ہوا ہے اسے مقبول عام بنانے اور اس کی حقیقت و افادیت ابھار کر دنیا کے سامنے لانے میں اسلام کے بنیادی پیغام اور ختم المرسلین رحمۃ للعالمین کی مسلسل جدوجہد کا

بہت بڑا اور بنیادی حصہ ہے۔ بالیقین اس مینار امن کی روشنی سے ایک دن انسانیت پائیدار عالمی امن حاصل کر کے رہے گی۔ یہاں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ "امن عالم" کوئی ایسا خواب نہیں جسے نرم بچھونوں پر لیٹے لیٹے دیکھ لیا جائے۔ اس کیلئے پیغمبر امن کے اجاد بھرے اسوۂ حسنہ کو اپنانا ہوگا۔ اس لئے کہ امن کا پیغام بہت سے ظالموں اور جابروں کو ان کے مفادات سے محروم کر دیتا ہے اور ان فراعنہ و طواغیت کیلئے جو انسانیت کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرتے ہیں۔ پیغام موت دیتا ہے۔ لہذا انہیں اپنی بقاء کیلئے امن کی تحریک کو کچلنے کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

امن کی جہتیں

امن کی مختلف جہتوں کو درج ذیل آسان عنوانات کے تحت یوں بیان کیا جاتا ہے۔

انفرادی امن و سکون: اسلام نے پورے عالم انسانیت میں امن کے قیام کی ابتدا ایک فرد سے کی ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔

i۔ علم انسانی کی بنیادی اکائی فرد ہی ہے جس طرح ایک فصیل خواہ وہ کتنی ہی لمبی چوڑی اور اونچی کیوں نہ ہو۔ بہر حال اینٹوں ہی سے بنتی ہے اور اس کی مضبوطی کا سارا دارومدار انہی اینٹوں پر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح امن عالم کا تصور بھی افرادِ نسل انسانی کے داخلی سکون و اطمینان کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

ii۔ انسان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ عالم اصغر ہے اور اس کے باطن میں نص صرف یہ کہ عالم ارضی بلکہ پوری کائنات منعکس ہے۔ اس حقیقت عظمی کو نفسیات انسانی کے سب سے بڑے عالموں یعنی صوفیائے اسلام نے خوب سمجھا

ہے اور یہ اصطلاح انھی کی وضع کردہ ہے کہ اس بات کو تو عام طور پر سبھی لوگ جانتے ہیں کہ انسان کے باطن پر خارجی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کائنات ارضی وسماوی کے تمام واقعات وحوادث انسان کی داخلی کیفیات پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بہت کم واقف ہیں تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ اس عالم اصغر یعنی انسان کا باطن بھی عالم اکبر یعنی کائنات پر اثرانداز ہوتا ہے اور خارج کی وسعتوں اور پہنائیوں پر عکس ڈالتا ہے۔ لہذا نسل انسانی کے افراد کے باطن میں اگر سکون واطمینان ہوگا تو لامحالہ کائنات ارضی وسماوی پر بھی اس کا عکس پڑے گا اور امن کا قیام ممکن ہو سکے گا۔

iii۔ تاریخ عالم پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو صاف پتہ چلے گا کہ بسا اوقات بعض افراد کے داخلی انتشار وفساد کی وجہ سے عظیم خونریزیاں ہوئیں اور امن عالم تہ وبالا ہوا۔ ہلاکو' چنگیز' ہٹلر' میسولینی اور ایسے لوگوں کی شخصیتوں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے جذبات واحساسات کے اختلال اور ذہنی وقلبی انتشار ہی کے نتیجے میں پورے عالم ارضی کا سکون وچین ختم ہوا اور بے اندازہ قتل وغارت گری کا بازار گرم رہا (۵۷)

ii۔ **گھریلو امن وسلامتی:** انسانی معاشرے کی ابتدا خاندان سے ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں۔

"علمائے معاشرت کا کہنا ہے کہ اچھے معاشرے کا دار ومدار مستحکم خاندان پر ہے۔ تاریخ انسانی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیبوں اور تمدنوں کے زوال کا باعث خاندان ہی کا انتشار ہے۔ رومی تہذیب اسی کے سبب زوال کا شکار ہوئی اور دور حاضر کے متمدن اور مہذب معاشرے اسی انتشار کا شکار ہیں جو نظام کار تباہی تک

پہنچادیتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے۔خاندان ہی وہ واحد ادارہ ہے جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے اور خاندان ہی وہ ادارہ ہے جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے اور اسے فرق مراتب کا شعور بخشتا ہے اگر خاندان کا استحکام ختم ہو جائے تو انسانی طرز عمل' معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے مراتب کا تعین سب کچھ ختم ہو جاتے۔ان قدروں کا فقدان معاشرتی بحران پر منتج ہوتا ہے جسے قومی ہلاکت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔"(۵۸)

1۔ نکاح۔ایک پاکیزہ تعلق

قرآن پاک میں حکم ربانی ہے :

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ"(۵۹)

(اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگدست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے)

ii۔ گھریلو امن کے قیام کی ضمانتیں

: اسلام دین کامل ہے ہی جس طرح نظریے اور تعلیم کے میدان میں معقولات کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ اسی طرح عمل اور تجربے کی دنیا میں اپنی افادیت ثابت کرتا ہے اپنی اسی خصوصیت کے پیش نظر اسلام نے گھریلو زندگی کے راحت وسکون کو برقرار رکھتے ہوئے قانونی اور تشریعی اقدامات بھی کیلئے ہیں۔ان قوانین کی پابندی خانگی زندگی پر دہ کرائی وعلا کرتی ہے جو دوسرے معاشروں کیلئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔

گھریلو امن کے قیام کی ضمانت کیلئے اسلام نے مرد کی قوامیت' عورت کے دائرہ کار کا تعین' ستر اور حجاب کے قوانین' تعدد ازدواج' طلاق وغیرہ کے قوانین مرحمت فرمادیئے تاکہ گھر میں ہر فرد کا دائرہ کار متعین ہو جائے۔

iii۔ **معاشرتی امن** : افراد کے باہمی تعاون اور ربط و تعلق سے پہلے خاندان پھر کنبہ اور قبیلہ اور اس سے آگے بڑھ کر معاشرہ اور ریاست وجود میں آتے ہیں۔ ساری دنیا چونکہ چند معاشروں اور چند ریاستوں پر مشتمل ہے۔ امن عالم سے مراد ان معاشروں اور ریاستوں کے باہمی پر امن ربط و تعلق کے سوا اور کچھ نہیں۔ لہذا ان معاشروں اور ریاستوں کے داخلی امن و سکون کو امن عالم سے وہ نسبت ہے جو ایک فرد کے داخلی امن کو اس کے خارجی امن سے ہے۔

معاشرتی امن کی یہ اہمیت سامنے رکھی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام جو زندگی کے ہر شعبے کو امن و سلامتی سے ہمکنار کر کے بالآخر امن عالم کی منزل تک پہنچانے کا منصوبہ رکھتا ہے اس اہم شعبے سے غفلت نہیں برت سکتا تھا۔ چنانچہ معاشرتی امن کی اسلامی تعلیمات اس سلسلے کی کڑی ہیں۔ اس طرح قرآن حکیم اور سیرت طیبہ میں انسانی معاشرے کی بنیاد اور معاشرتی آداب وغیرہ کے بارے میں واضح احکامات دے رکھے ہیں تاکہ معاشرتی امن قائم کیا جاسکے۔

iv۔ **معاشی / اقتصادی امن** : معاشی امن کی ایک معاشرے کیلئے کیا اہمیت ہے۔ پروفیسر خورشید احمد اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں :

"ایک فرد کیلئے معاشی آزادی کے بغیر سیاسی اور معاشرتی آزادیاں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ معاشرے میں معاشی انصاف کے بغیر سکون'

سلامتی اور یکجہتی کا حصول ناممکن رہتا ہے۔ اور قوموں کیلئے معاشی استحکام کے بغیر سیاسی آزادی کو بھی برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔" (۶۰)

دور حاضر میں اقتصادی میدان میں ایک متوازن تعلیم کی عدم موجودگی نے جو فتنہ و فساد برپا کیا ہے اور اس فتنے نے انسانوں کو جس جہنم میں دھکیل دیا ہے۔ اس فتنے کا مکمل علاج صرف اور صرف اسلام ہی کے پاس ہے۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا۔ تجارت' معاملات زمین' کاشتکاری' اور باہمی لین دین کے تمام اصول و قواعد قائم کر دیئے۔

اسلامی معاشی نظام کی ایک اہم خصوصیت جو امن و استحکام کے قیام کی بجائے خود ایک مکمل ضمانت ہے وہ اس کا نظام کفالت عامہ ہے۔ کفالت کو اسلام خاندان کے دائرے سے پھیلانا شروع کرتا ہے اور معاشرتی و قومی سے لے کر بین الاقوامی دائرے تک لے جاتا ہے۔ اس نظام کفالت میں صرف ترغیب و تحریص ہی نہیں بلکہ صدقات واجبہ بھی شامل ہیں جو ہر زمانے اور ہر دور میں معاشی دور میں پیچھے رہ جانے والے لوگوں کیلئے وسائل زندگی کی ضمانت مہیا کرتے ہیں۔

"اسلام کے اسی معاشی نظام پر انسانیت کی نجات منحصر ہے۔ اس کا مرکزی تصور انسان اور اس کی معاشی و اخلاقی فلاح ہے وہ معاشرتی ترقی کو اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف' آزادی اور اخلاقی ترقی کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے اپنے مقصد' اپنے مزاج اور اپنے اصولوں کے اعتبار سے مختلف ہے اور ہر حیثیت سے ان سے اعلیٰ اور برتر۔" (۶۱)

۷۔ **سیاسی امن**: سیاسی زندگی انسان کی معاشرتی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے

اور جہاں امن قائم کیے بغیر معاشرتی امن کا خاکہ ادھورارہ جاتا ہے اس حوالے سے اسلام کی تعلیمات میں سیاسی پہلو کی اصلاح تجویز کیلئے جانے والے اقدامات اس شعبہ زندگی' اس ہمہ گیر سلامت روی کی طرف لے جاتے ہیں۔ جو صرف اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔

یہاں اسلام کی سیاسی زندگی کے بارے میں دی گئی ساری ہدایات کا تذکرہ مقصود نہیں۔ بلکہ ان دو تین نمایاں اقدامات کا ذکر ہے جو اس پہلو کو بڑے فتنے اور فساد سے بچاتے ہیں اور امن کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس خاکے میں باقی رنگ تو بعد میں بھرے جاتے ہیں۔ اولین مرحلہ بنیادی خامیوں کی اصلاح کا ہے۔ سیاسی معاملات میں اولین کام امیر کا انتخاب ہے۔ اسلام اسے شوریٰ کے ذریعے طے کرنے پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے :

'وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ''(۶۲) (اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے پاتا ہے)

اسی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں تھے :

لَاخِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ (مشورہ کے بغیر کوئی خلافت نہیں)

یعنی شوریٰ کے بغیر چلنے والا نظام خلافت نہیں جو اسلام کا مقصود ہے بلکہ یہ تو ملوکانہ استبداد ہے جس میں لوگوں کی رائے شامل نہیں ہے جس کے فیصلوں کو بطیب خاطر قبول نہیں کر سکتے اور جس کے معاملات سے وہ نہ مطمئن ہوتے اور نہ ہی امن پا سکتے ہیں۔

اسلام نے حکمران کے جو فرائض بیان کیلئے ہیں ان کی ادائیگی بھی معاشرے میں امن کے قیام کی ضمانت دیتی ہے۔ امام ماوردیؒ کی بیان کردہ فہرست کے مطابق ایک خلیفہ کے فرائض درج ذیل ہیں۔

i۔ وہ دین کی حفاظت اور اس کے اصول مستقرہ اور سلف کے اجماع کے

مطابق کرے۔

ii۔ جھگڑنے والوں میں احکام شرعیہ نافذ کرے اور مخاصموں کا فیصلہ کرے تا کہ انصاف کا دور دورہ ہو۔ کوئی ظالم دست تعدی دراز نہ کرنے پائے اور کوئی کمزور مظلوم نہ بنے۔

iii۔ ملک کی حفاظت کرے اور دشمن سے اسے بچائے تا کہ تمام لوگ اطمینان سے اپنی زندگی کے کاروبار میں مصروف ہوں اور بغیر جان و مال کے خطرے کے اطمینان سے سفر کر سکیں۔

iv۔ حدود شرعیہ کو قائم کرے تا کہ جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان کا کوئی شخص ارتکاب نہ کرے۔ نیز اس کے بندوں کے حقوق تلف و برباد نہ ہونے پائیں۔

v۔ سرحدوں ان کی پوری طرح حفاظت کرے کہ دشمن کو اس میں اچانک دراندازی کا موقع نہ رہے تا کہ مسلمانوں اور ذمیوں کی جانیں محفوظ رہیں۔

vi۔ پہلے اسلام کی دعوت دے نہ جاننے پر مخالفین اسلام سے جہاد کرے تا کہ وہ مخالف یا تو اسلام قبول کریں یا ذمی بن جائیں کیونکہ خدا کی جانب سے خلیفہ پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کیلئے تمام دوسرے ادیان پر غلبہ و تفریق حاصل کرے۔

vii۔ خوف، جبر اور زیادتی کے بغیر احکام شرعیہ اور اجتہاد فقہی کے مطابق خراج و صدقات وصول کرے۔

viii۔ بیت المال سے مستحقین کیلئے وظیفے اور تنخواہیں نہ اس میں اسراف ہو نہ امساک اور یہ وظیفے اور تنخواہیں مستحقین کو بلا تقدیم و تاخیر وقت پر دی جائیں۔

ix۔ دیانتداروں کو اپنا قائم مقام اور قابل اعتماد لوگوں کو حاکم و عامل مقرر کرے اور خزانے کو ایسے ہی لوگوں کے سپرد کرے تاکہ انتظام قابل لوگوں سے مضبوط ہو اور خزانہ دیانتدار لوگوں کے قبضے میں محفوظ رہے۔

x۔ خود تمام امور سلطنت کی نگرانی کرتا رہے اور تمام واقعات سے باخبر رہے تاکہ امت کی پاسبانی اور ملت کی حفاظت وہ خود کر سکے اور عیش و عشرت یا عبادت میں مشغول ہو کر اپنے فرائض دوسروں کے حوالے نہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں دیانتدار بھی خیانت کرنے لگتا ہے اور وفادار و بہی خواہ کی نیت میں بھی فرق پڑ جاتا ہے۔(٦٥)

مسلم حکمران کے فرائض کو دیکھا جائے تو ان میں اجتماعی عدل' حدود الٰہی کا قیام' اسلام کے معاشی نظام کا قیام غرضیکہ ایک فلاحی ریاست کے تمام خدوخال اپنی پوری آب و تاب سے موجود ہیں۔ ایک ایسی ریاست جہاں پر فرد اپنی جگہ مطمئن۔ مسرور اور فارغ البال ہے۔ اس امن سے بڑھ کر معاشرے میں کسی اور نظریہ امن کی گنجائش ہی نہیں سکتی جو اسلام پیش کرتا ہے۔

اسلام امن اور سلامتی کا پہلا اور آخری پیغام ہے تخریب کاری' دہشت گردی اور قتل و غارت گری ہمارے دین کے مزاج کے خلاف ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلسل زیادتی کرتا رہے۔ سازشیں کرتا رہے۔ اسلامی ریاست کے خلاف ظلم اور دہشت گردی کرے۔ بنیادی انسانی حقوق کا خیال نہ رکھے جیسے انڈیا اور اسرائیل اس وقت کر رہے ہیں۔ کشمیر اور فلسطین کے مسلمان نصف صدی سے قتل ہو رہے ہیں۔ مسلح افواج نے ان کے گھروں کو اجاڑ دیا ہے۔ ان کی عصمتوں کو برباد کر دیا ہے ان کا امن چین اور سکون غارت کر دیا ہے۔ لیکن عالمی امن کے علمبردار ادارے اور یو این او (UNO) سمیت سلامتی کونسل سب کی آنکھیں

مسلمانوں کے بہتے ہوئے خون اور ان کے غصب شدہ حقوق کی حمایت کرنے کی بجائے بھارت اور اسرائیل کے جارحانہ عزائم کو سپورٹ کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں اگر مسلمان رد عمل کے طور پر اپنے حقوق کی خود حفاظت کرنے لگیں اور اپنے دشمن کے خلاف ہتھیار اٹھالیں تو اسے دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

ہم ایسے یک طرفہ حکم اور جانبدارانہ رویے کی مذمت کرتے ہیں۔ آج کل امریکہ سی۔ ٹی۔ بی۔ ٹی (C.T.B.T) کے معاہدے پر پوری دنیا سے دستخط کروانا چاہتا ہے جس کے تحت ایٹمی ہتھیاروں پر اجمع پابندی مقصود ہے لیکن امریکہ خود ابھی تک دستخط کرنے کو تیار نہیں اس کی پارلیمنٹ نے حال ہی میں دستخط کی مخالفت کر دی ہے وہ کس منہ سے پاکستان اور دوسرے ممالک کو کہہ سکتا ہے۔ ہم ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے حق میں ہیں۔ ہم جارحیت کی ہر شکل کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی سرحدوں کی حفاظت کی ضمانت کون دے گا۔ بھارتی جارحیت سے تحفظ اور امن کی ضمانت دیں۔ علاقے کے مسائل کو حل کر دیں مسئلہ کشمیر وہاں کے مسلمانوں کی اکثریت رائے کے مطابق حال کریں۔ پھر ہم معاہدے پر دستخط ضرور کر دیں گے۔ لیکن اگر سی۔ ٹی۔ بی۔ ٹی کا مقصد محض پاکستان کی ایٹمی طاقت اور صلاحیت کو ختم کرنا ہے تو اس کی ہم شدید مذمت کریں گے۔ پاکستان نے ایٹمی صلاحیت کیلئے نہیں بلکہ جارحیت کا مقابلہ کرنے کیلئے حاصل کی ہے۔ اس سے جنوب مشرقی ایشیا میں طاقت کا توازن بدلا ہوا ہے۔ اس سے جنگ کے خطرات میں کمی پیدا ہوئی ہے۔ جب اختلافی مسائل حال کروا لئے جائیں گے اور بھارت جیسے پڑوسی ملک کی طرف سے کسی جارحیت کا خطرہ نہیں رہے گا تو ہم خوشی کے ساتھ ایسے معاہدات پر دستخط کریں گے۔ (۶۶)

حوالہ جات

۱۔ لسان العرب' ج : ۱۳' ص : ۲۱
۲۔ المنجد' ص : ۱۸۸
۳۔ المورد' ص : ۲۶۶
۴۔ اقرب الموارد' ج : ۱' ص : ۲۰
۵۔ المعجم الوسیط" ج : ۱' ص : ۲۷
۶۔ مفردات القرآن' ص : ۲۷
۷۔ ابن منظور لسان العرب' ج : ۱۳' ص : ۳۱۷۔۳۲۰
۸۔ المراغی' احمد مصطفےٰ۔ تفسیر المراغی' ج : ۲' ص : ۸۸
۹۔ الکشاف' ج : ۲' ص : ۲۳۶۔
۱۰۔ لسان العرب' ج : ۲' ص : ۳۳۵۔۳۳۶
۱۱۔ المنجد' ص : ۵۸۳
۱۲۔ سورۃ البقرہ : ۲۰۵
۱۳۔ سورۃ القصص : ۷۷
۱۴۔ سورۃ المائدہ : ۶۴
۱۵۔ سورۃ البقرہ : ۱۹۱
۱۶۔ سورۃ البقرہ : ۱۱۷
۱۷۔ سورۃ البقرہ : ۱۹۳
۱۸۔ سورۃ الانفال' ۳۹
۱۹۔ سورۃ البقرہ : ۲ : ۷۱

۲۰۔ سورۃ الانفال' ۸ : ۴۳

۲۱۔ سورۃ الحجر' ۱۵ : ۲۶۔ سورۃ ھود۔ ۱ : ۴۸

۲۲۔ سورۃ الحشر' ۵۹ : ۳

۲۳۔ سورۃ الشعراء' ۳۱ : ۸۹

۲۴۔ سورۃ الفجر' ۸۹ : ۲۷

۲۵۔ سورۃ الانعام' ۶ : ۱۴۸

۲۶۔ سورۃ الواقعہ' ۵۶ : ۲۵' مریم' ۱۹ : ۶۲

۲۷۔ سورۃ النساء' ۴ : ۹۴

۲۸۔ سورۃ البقرہ' ۲ : ۱۲۱

۲۹۔ سورۃ الحجرات' ۴۹ : ۱۴

۳۰۔ سورۃ البقرہ' ۲ : ۱۲۱

۳۱۔ سورۃ آل عمران' ۳ : ۱۹

۳۲۔ سورۃ الروم' ۳۰ : ۵۳

۳۳۔ سورۃ آل عمران' ۳ : ۲۷۔ نیز سورۃ الحج' ۲۲ : ۷۸

۳۴۔ سورۃ الروم' ۳۰ : ۳۱۔۳۲

۳۵۔ سورۃ النحل' ۱۶ : ۱۱۲

۳۶۔ سورۃ التوبہ' ۹ : ۷۴۔

۳۷۔ سورۃ القلم' ۶۸ : ۳۵

۳۸۔ سورۃ الاحزاب' ۳۳ : ۴۰

۳۹۔ سورۃ المائدہ' ۵ : ۳

۴۰۔ سورۃ الروم' ۳۰ : ۳۰

۴۱۔ سورۃ الروم '۳۰ :۳۱۔۳۲

۴۲۔ سورۃ الفاتحہ '۱ :۲

۴۳۔ سورۃ الانفطار '۸۲۔۶ سورۃ الشوریٰ۔۴۲۔۱۹

۴۴۔ سورۃ الانعام '۶ :۱۲۔۵۴۔۱۳۳ 'سورۃ المؤمن '۴۰۔۷

۴۵۔ سورۃ النحل ۲۷ :۷۷ سورۃ یونس '۱۰ :۵۷

۴۶۔ سورۃ الانبیاء ۲۱ :۱۰۷

۴۷۔ سورۃ الروم '۳۰ :۳۶۔ نیز کتب لغات مثلا مفردات۔ لسان مادہ "بذیل مادہ 'رح م

۴۸۔ سورۃ آل عمران '۳ :۹۷

۴۹۔ سورۃ العنکبوت :۶۷

۵۰۔ سورۃ الانفال :۲۷

۵۱۔ سورۃ الحدید :۱۹

۵۲۔ راغب اصفہانی 'المفردات القرآن 'مادہ ''امن"

۵۳۔ تفسیر المنار 'ج :۵ ' ص :۳۱۲

۵۴۔ ایضاً ایضاً ' ص :۳۱۳

۵۵۔ سورۃ البقرہ '۲۰۸

۵۶۔ سورۃ المائدہ :۱۶

۵۷۔ اسرار احمد 'ڈاکٹر ' قرآن اور امن عالم 'ص :۴۔۵

۵۸۔ خالد علوی 'پروفیسر ڈاکٹر۔ اسلام کا معاشرتی نظام 'ص :۸۲۔۸۳

۵۹۔ سورۃ نور '۲۴ :۳۲

۶۰۔ خورشید احمد 'پروفیسر 'اسلامیہ نظریہ حیات "ص :۴۴۶

۶۱۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامیہ نظریہ حیات "ص: ۴۶۴

۶۲۔ سورۃ الشوریٰ، ۴۲: ۳۸

۶۳۔ سورۃ آل عمران، ۳: ۵۹

۶۴۔ شبلی نعمانی، مولانا، الفاروق، ص: ۱۹

۶۵۔ الاحکام السلطانیہ، ص: ۲۸۔۱۹

۶۶۔ منہاج القرآن، ماہنامہ، لاہور، نومبر ۱۹۹۹ء، ص: ۴۱

باب دوم :

بعثت نبوی ﷺ کے وقت بدامنی کی عالمی حالت

بعثت نبوی ﷺ کے وقت دنیا ظلمت وضلالت کے اتھاہ سمندر میں غرقاب ہو رہی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی تاریخ کا تاریک ترین دور ہے جس میں انسانیت دم توڑ چکی تھی۔ انسانوں کی بستی روئے زمین پر بستی ضرور تھی مگر انسانی مجد وشرف سے تہی دامن ہو چکی تھی' انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا۔ نہ انسانی جان کی کوئی قیمت تھی نہ اس کی عزت و آبرو محفوظ تھی اور بڑی مصیبت یہ تھی کہ نہ کوئی اس گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ تھامنے والا تھا۔

پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت یا تو بھلائی جا کی تھی یا پھر تحریف والحاق نے اس کی صورت مسخ کر ڈالی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انسان حرص وہوس کا غلام تھا اور عقل وخرد کو رخصت کر چکا تھا گنے چنے جو چند حق شناس تھے وہ زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر کلیسا کے تنگ و تاریک گوشہ میں راحت گزیں تھے۔

انسان اپنی ہی خود ساختہ غلط بنیادوں پر بے شمار ٹولیوں میں بٹا ہوا تھا۔ جس طرح سب نے اپنے اپنے خدا گھڑ رکھے تھے۔ اسی طرح ہر ایک نے اپنے اپنے قبیلہ کی حکومت بھی علیحدہ بنا رکھی تھی۔ عرب میں لڑائی عموماً قبیلہ کے نام پر ہوا کرتی تھی اور پھر یہ سلسلہ سالوں تک چلتا رہتا۔ چالیس پچاس برسوں تک مسلسل جنگ رہنا کوئی اچھنے کی بات نہ تھی۔ مختصر یہ کہ پورا ملک خونریزی' غارت گری' سفاکی اور نہ ختم ہونے والے سلسلہ جنگ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

پیغمبر امن وسلامتی کا ظہور ایسے حالات میں ہوا جب پوری انسانیت

تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں دورِ وحشت چل رہا تھا اور کہیں شرک اور بت پرستی کی لعنتوں نے مدنیت کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ مصر اور ہندوستان' بابل اور نینوا' یونان اور چین میں تہذیب اپنی شمعیں گل کر چکی تھیں۔ لے دے کے فارس اور روم تمدنی عظمت کے پھریرے ہوائیں لہرا رہے تھے۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھی مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا اور زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ بادشاہ خدا کے اوتار ہی نہیں بلکہ خدا بنے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ جاگیردار طبقوں اور مذہبی عناصر کی ملی بھگت قائم تھی۔ روم اور ایران کے دونوں خطوں میں اس گٹھ جوڑ نے عام انسان کا گلا اچھی طرح دبوچ رکھا تھا۔ یہ لوگ ان سے بھاری ٹیکس' رشوتیں' خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے اور ان سے جانوروں کی طرح بیگاریں لیتے تھے۔ لیکن ان کے مسائل سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کی مصیبتوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور ان کی گتھیوں کا کوئی حل ان کے پاس نہ تھا۔ ان بالادست طبقوں کی عیاشیوں اور نفس پرستیوں نے اخلاقی روح کو ہلاک کر دیا تھا۔ بادشاہ کے ادل بدل' نت نئے فاتحین کے ظہور اور خون ریز جنگوں کی وجہ سے حالات میں جو تموج پیدا ہوا تھا۔ اس میں عام آدمی کیلئے کوئی راہ نجات نہ نکلتی تھی۔ عام انسان کو ہر تبدیلی کی چکی اور زیادہ تیزی سے پیستی تھی' ہر قوت اسی کو آلہ کار بنا کر اور اسی کا خون صرف کر کے اور اس کی محنتوں سے استفادہ کر کے اپنا جھنڈا بلند کرتی تھی اور پھر غلبہ و اقتدار پانے کے بعد وہ پہلوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ظالم ثابت ہوتی تھی خود روم و ایران کے درمیان مسلسل آویزش کا چکر چلتا تھا۔ اور مختلف علاقے کبھی ایک حکومت کے قبضے میں جاتے اور کبھی دوسری سلطنت ان کو نگل لیتی لیکن ہر بار فاتح قوت عوام کے کسی نہ کسی طبقے کو خوب اچھی طرح

پامال کرتی۔ مثلاً رومی حکومت آتی تو آتش کدے کلیساؤں میں جاتے اور ایرانی راج چھاجاتا تو پھر کلیسا آتش کدے بن جاتے۔(۱) پھر دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ نت ٹکراؤ ہوتے' بار بار گست وخون ہوتے۔ بغاوتیں اٹھتیں' مذہبی فرقے خون ریزیاں کرتے اور ان ہنگاموں کے درمیان انسان حیثیت انسان بری طرح پامال ہو رہا تھا۔ وہ انتہائی مشقتیں کر کے بھی زندگی کی ادنی ضرورتیں پوری کرنے پر قادر نہ تھا۔ اسے مظالم کے کولہو میں پیلا جاتا تھا مگر تشدد کی خوفناک فضا میں وہ صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تلخ احساسات رکھتا ہوگا مگر اسے ضمیر کی آزادی کسی ادنی درجے میں حاصل نہ تھی۔ اس کو مایوسیوں اور نامرادیوں کا آج ہم مشکل تصور کر سکتے ہیں کہ وہ ماحول کے ایک ایسے آہنی قفس میں بند تھا جس میں کوئی روزن کسی طرف نہیں کھلتا تھا۔ اس کے سامنے کسی امید افزا اعتقاد اور کسی فلسفے یا نظریے کا جگنو تک نہیں چمکتا تھا۔ اس کی روح چیختی تھی مگر پکار کا کوئی جواب کسی طرف سے نہ ملتا تھا۔ کوئی مذہب اس کی دستگیری کیلئے موجود نہ تھا کیونکہ انبیاء کی تعلیمات تحریف وتاویل کے غبار میں گم کی جاچکی تھیں اور باقی جو شے مذہب کے عنوان سے پائی جاتی تھی اسے مذہبی طبقوں نے متاع کاروبار بنالیا تھا۔ انہوں نے وقت کی ظالم طاقتوں کے ساتھ سودے گانٹھ لیے تھے۔ یونان کا فلسفہ سکتے میں تھا۔ کنفیوشس اور مانی کی تعلیم دم بخود تھی۔ ویدانت اور بدھ مت کے تصورات اور منوشاستر کے نکات سربگریباں تھے۔ جسٹنین کا ضابطہ اور سولن کا قانون بے بس تھا۔ کسی طرف کوئی روشنی نہ تھی۔ جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان حالات کے ایک آہنی قفس میں بند ہو جاتا ہے اور اسے کسی طرف سے نجات کا راستہ دکھائی نہیں دیتا تو تمدنی بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خوفناک ترین بحران کا ایک عالمگیر دور ہوتا ہے (۲)

خود عرب کا قریب ترین ماحول جو حضور ﷺ کا اولین میدان کارہا۔اس کا تصور کیجئے تو دل دہل جاتا ہے۔ وہاں عاد و ثمود کے ادوار میں سبا' عدن اور یمن کی سلطنتوں کے سائے میں کبھی تہذیب کی روشنی نمودار بھی ہوئی تھی تو اب اسے گل ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں۔(۳)

بقیہ عرب پر دور وحشت کی رات چھائی ہوئی تھی۔(۴)

خداوند قدوس نے اپنی مبارک کتاب میں اس عہد سے متعلق جو بات کہی ہے وہ انتہائی مختصر' سچی اور جامع ہے کہ واقعی دریائے معانی کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے :

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	(بحر و بر یعنی دنیا کے ہر گوشے میں فساد
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ	برپا ہو گیا ہے۔لوگوں کے اپنے ہاتھوں
لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي	کے کیے سے تاکہ ان کو' ان کے اعمال
عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"(۵)	کا مزہ چکھائے' شاید کہ وہ باز آئیں۔)

اس آیت مبارکہ کو اس کے وسیع ترین تناظر میں دیکھنے اور اسے جامع طور پر سمجھنے کی خاطر ہمیں پہلے فساد کے معنی و مفہوم سے آگاہی حاصل کر لینی چاہیے۔

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : فساد کے معنی ہیں کسی چیز کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا چاہے وہ افراط ہو یا تفریط۔ یہ اصل میں صلاح کی ضد ہیں اور نفس' بدن اور اس چیز سے متعلق استعمال ہوتا ہے جو حالت استقامت سے نکل چکی ہو(۶) صلاح کے معنی ہیں حالات و ظروف کا مستحکم و متوازن رہنا' لہذا فساد کے معنی میں توازن بگڑ جانا اور بد نظمی ' بے ترتیبی اور انتشار کا پیدا ہو جانا(۷) لحم فاسد اس گوشت کو کہتے ہیں جو گل سڑ کر بدبودار اور بے کار اور مضر صحت ہو گیا ہو۔

معاشرہ انسانی بھی ایک نامیاتی وجود ہے۔ لہذا اس میں فسد برپا ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں زندگی و توانائی۔ جمال و ملال وحدت و ہم آہنگی نہیں رہی بلکہ ان کی جگہ اس میں جمود و تعطل' اضملال و انتشار' تضادات و تخالف' فتنہ و شر اور قبح و زشتی نے لے لی ہے۔ محوالہ بالا آیت قرآنی کی رو سے معاشرہ انسانی کی ایسی ہی حالت تھی۔ جب اللہ تبارک تعالی نے اس کی اصلاح کیلئے پیغمبر خدا احمد مجتبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ قرون مظلمہ (۸) کے معاشرہ انسانی میں فساد نے جو مختلف اشکال و صور اختیار کرلی تھیں ان کا قدرے تفصیل سے جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مذہبی یا روحانی واخلاقی حالت: اس عہد کے بڑے ادیان یہ تھے: عیسائیت' یہودیت' مجوسیت' بدھ مت اور ہندومت' عرب بت پرست ہونے کے باوجود اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر سمجھتے تھے۔ اگرچہ ان جملہ مذاہب کی اساس توحید تھی لیکن ان میں شرک راہ پا گیا تھا۔ اور ان کی الہامی کتابیں دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں رہی تھیں۔ ان میں اس قدر تحریف ہو چکی تھی کہ اصل و نقل میں امتیاز ممکن نہ رہا تھا۔ اسلام کی رو سے شرک ظلم ہے۔ دلیل ہے کہ اس سے انسان شعوری یا لاشعوری طور سے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں غیر اللہ کو شریک مانتا ہے۔ اور اس طرح اس کی حاکمیت مطلقہ کو چیلنج کرتا ہے۔ علاوہ بریں اللہ کے سوا غیر اللہ کو بھی اپنا الہ و رب مانتا ہے اور یہ سراسر ناانصافی' زیادتی یا ظلم ہے۔ شرک اس وجہ سے بھی ظلم ہے کہ ایسا کرنے سے انسان ایک تو اپنے آپکو دھوکا دیتا ہے اور دوسرے اپنے آپ کو اپنے ارفع و قابل احترام مقام عبدیت سے نیچے گرادیتا ہے۔ قرآن پاک نے یہ حقیقت اس طرح بیان کی ہے:

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (۹) (پھر ہم اسے پستیوں سے بھی پست کر دیتے ہیں)

نیز ایک سے زائد الہ و رب تسلیم کرنے سے انسان خود ہی اپنی شخصیت

کو جو ایک "کل" ہے ایک سے زائد حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ نتیجۃً اس کا نشوونما اور ارتقاء رک جاتا ہے۔ اور اس کا سلسلہ شرک سے توبہ کیے اور عقیدہ توحید کو اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنائے بغیر جاری نہیں ہو سکتا۔

شرک میں معاشرے میں چار بڑی بدعتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) پیشوائیت۔ (۲) طبقہ بندی۔ (۳) بت پرستی۔ (۴) غیر فطری رسوم و قیود۔ چنانچہ مذاہب عالم کی تاریخ شاہد ہے کہ ان میں یہ سب بدعتیں اپنے انسانیت سوز نتائج و عواقب کے ساتھ پائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے انسان کی دنیا میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اور اسی اندھیرے میں روح انسانی اپنی راہ و منزل سے دور خوف و حزن کی وادیوں میں بھٹکتی پھرتی تھی اور اسے روشنی کی طلب و جستجو تھی۔ چونکہ اس عہد کی مذہبی حالت کا تفصیل سے جائزہ لینے کا یہ موقع نہیں لہذا اس کے اہم پہلوؤں کی نشاندھی کی جاتی ہے۔

۱۔ انسانیت نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے متعدد الٰہ اور رب بنا لئے تھے نتیجۃً اللہ کے نام پر اس کی جگہ پیشوائیت نے لے لی تھی۔

۲۔ بت پرستی زمانے کا دستور بن گیا تھا۔

۳۔ شرک و بت پرستی کی وجہ سے انسان ایک تو طرح طرح کی قلبی بیماریوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ دوسرے اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو چکی تھی جس کا نتیجہ میں اس کی شخصیت کا نشوونما اور ارتقاء رک گیا تھا۔ تیسرے اس کا دل طمانیت سے محروم ہو کر خوف و حزن کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ اجتماعی طور پر تضادات کا شکار ہو گیا تھا۔

۴۔ علم و فن شرک و بت پرستی کا غلام بن گیا تھا۔

۵۔ انسان کی جمالیاتی حسن مفلوج ہو گئی تھی اور یہ ذوق بگڑ چکا تھا۔ نتیجۃً اس

میں جمالیاتی اخلاقی اقدار کا شعور و احترام بہت کم رہ گیا تھا اور حلال و حرام و گناہ و ثواب اور خیر و شر کی تمیز کم سے کم ہو گئی تھی۔

۶۔ اللہ تعالیٰ اور انسان میں بعد کی خلیج بہت وسیع ہو چکی تھی جس کی وجہ سے انسان اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو "تنہا" محسوس کرتا تھا اور یہ احساس تنہائی خوف و حزن کا ناگ بن کر اس کی روح کو کوستا رہتا تھا۔

۷۔ علم و حکمت کی جگہ جہل و ظلم اور ظنیات و اوہام نے لے لی تھی۔ اگر علم کہیں تھا بھی تو اہل علم تضادات و تعصبات اور حسد و بغض کے سبب اس سے لوگوں کو گمراہ کرنے اور ان کے استحصال کرنے کا کام لیتے تھے۔

۸۔ کورانہ تقلید پرستی کا عام رواج تھا اور اس کے سبب انسان نے سمع و بصر اور عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی عادات و خصائل میں حیوانی عنصر غالب آ گیا تھا۔

۹۔ انسان اپنے مقام انسانیت سے نیچے گر چکا تھا۔ اس طرح وہ اپنے حقیقی مقصد حیات کو بھول چکا تھا۔ اسے نہ تو حقوق اللہ کا شعور رہا تھا اور نہ حقوق العباد کا۔

۱۰۔ دینی و مذہبی عصبیت اور دیگر عوامل کی وجہ سے انسانی سعادت سے محروم ہو کر شقی القلب ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس کا مجرم و گنہگار بن جانا ایک فطری امر تھا۔

۱۱۔ چونکہ پیشوا شرک و بت پرستی کے علمبردار اور راہ گم کردہ تھے اس لئے ان کی متبعین کا گم راہ ہونا لازمی تھا اور یہ گمراہی عالمگیر تھی۔

۱۲۔ الہامی کتب کے محرف ہو جانے اور ان کی غلط و گمراہ کن تاویلات کرنے

کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد پیشواؤں پر سے اٹھتا جا رہا تھا اور وہ کسی نجات دہندہ کی آمد کے طلب گار منتظر تھے۔

۱۳۔ ایمانیات و معتقدات کا تعلق عملی زندگی سے منقطع ہو جانے کے باعث انسان مردہ ہو چکا تھا اور عبادت کی جگہ رسوم اور زہد کی جگہ ریاکاری نے لے لی تھی۔

۱۴۔ پیشوائیت نے لوگوں کا استحصال کرنے کی خاطر ان کو طرح طرح کے غلط اور برے رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ جس کے باعث وہ عذاب عظیم میں مبتلا ہے۔

۱۵۔ قرآن مجید کی رو سے ہر دین کی بنیاد صلوٰۃ و زکواۃ کے نظاموں پر قائم کی گئی تھی لیکن اس عہد میں یہ دونوں نظام معطل و بے کار ہو چکے تھے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دوری اور شرک و بت پرستی کی وجہ سے انسانیت مرگ مسلسل میں مبتلا تھی اور اسے اپنی نشاۃ ثانیہ کیلئے مسیحا نفس رحمۃ اللعالمین کی طلب و جستجو تھی کہ آپ ﷺ کا ظہور اظہر ہو گا اور آپ ﷺ نے احکام الٰہی کے مطابق دنیا سے شرک و بت پرستی کا استیصال کرنے اور اس کے اندھیروں میں متفرق عالم انسانیت کو آفتاب توحید سے روشن کرنے اور انسان کیلئے ایک حسین و منور جہان نو بنانے کی غرض سے تحریک اسلام کا پرچم بلند کیا۔

سیاسی حالت : زندگی ایک نامیاتی کل ہے۔ جس طرح وجود کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارے اعضاء و جوارح متاثر ہوتے ہیں۔ اسی طرح زندگی کے کسی ایک شعبے میں کوئی فساد رونما ہو تو اس کا اثر اس کے دوسرے شعبوں پر بھی پڑتا ہے۔ چنانچہ شرک سے اجتماعی زندگی کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں۔ سیاسی

شعبے میں شرک پیشوائیت کی معاونت سے فرعونیت کو جنم دیتا ہے۔ پھر فرعونیت اپنی قوت وصولت اور پیشوائیت کی حمایت سے اپنے آپ کو الوہیت وربوبیت کے مقام پر متمکن کرنے کی کوشش کرتی اور اس کی مدعی بھی بن جاتی ہے۔ علاوہ بریں فرعویت پروپیگنڈے کے زور اور پیشوائیت کی مدد سے احکام الٰہی کو عملی زندگی سے نکال کر صرف نظری زندگی میں مقید کر دیتی ہے اور اس طرح حاکمیت مطلقہ کو قائم کر دیتی ہے۔ اللہ صرف برائے نام رہ جاتا ہے۔ اور حکم فرعون وقت کا چلتا ہے۔

شرک کی کوکھ سے پیشوائیت و فرعونیت کے علاوہ ہامانیت و قادرنیت کے ہیولے میں تکاثر کی صورت مضمر ہوتی ہے۔ "تکاثر" ایک ایسی خطرناک قلبی بیماری ہے جس سے دوسری بہت سی قلبی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ مثلاً نمود پرستی، خوشامد پسندی، تکبر و غرور، تعیش پرستی اور سامراجیت پسندی۔ یہ خواہشات نشے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ چونکہ ان کی تکمیل دولت کے بغیر نہیں ہو سکتی لہذا اس کے حصول کیلئے قادرنیت جنم لیتی ہے۔ قادرنیت سے استحصالی قوتوں کا وہ طبقہ مراد ہے جو عوام کا استحصال کر کے فرعونی و ہامانی طبقوں کے علاوہ اپنے لئے بھی دولت فراہم کرتا ہے۔ قادرنیت علامت ہے سرمایہ داری، جاگیرداری، سرمایہ داری اور سودکاری وغیرہ نظاموں کی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس عہد میں اقوام عالم میں فرعونی ہامانی طرز حکومت قائم تھی جس کے نمایاں خدوخال یہ تھے۔

۱۔ خدائی آئین و قوانین کی جگہ فرعونی و ہامانی قوانین کی حکومت

۲۔ مطلق العنانیت اور استبدادیت

۳۔ فرعونی، ہامانی، اور قادرنی طبقوں کی قانون سے معصومیت

۴۔ عوام کی سیاسی حقوق سے محرومی

۵۔ حکومت و عوام میں مغائرت وبعد

۶۔ رعایا کی زبان بندی یا آزادی تقریر و تحریر کا فقدان

۷۔ نظریاتی تضاد اور طبقاتی کشمکش

۸۔ خانہ جنگیاں اور لڑائیاں

۹۔ سامراجیت

۱۰۔ تاراج

۱۱۔ تاخت و تاراج قزاقی و رہزنی اور اسیری و غلامی کا دستور۔

۱۲۔ جان و مال اور عزت و ناموس کا عدم تحفظ

۱۳۔ قومی، مذہبی، الوانی، لسانی، نسلی، قبائلی اور علاقائی عصبیتیں اور ان کے بھیانک نتائج و عواقب۔

معاشی حالت: فرعونی معاشرے کی ایک پہچان یہ ہے کہ اس میں دولت کی تقسیم عدل و احسان کے اصول پر نہیں کی جاتی۔ لہذا اس کی گردش کا دائرہ سمٹ کر قریب قریب فرعونی، ہامانی اور قارونی طبقوں میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور معاشرے کے باقی حصوں میں دولت کا بہاؤ انتہائی کم اور اس کی رفتار بے حد سست اور غیر متوازن ہوتی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرہ سقیم و مریض اور کمزور و مضمحل ہو جاتا ہے اگرچہ فرعونی، ہامانی اور قارونی شان و شوکت کے نظر فریب پردوں کی وجہ سے وہ بظاہر ایسا دکھائی نہیں دیتا۔

ایسے معاشرے کی دوسری پہچان یہ ہے کہ اس میں طبقاتی کشمکش پائی جاتی ہے اور اس کا نتیجہ بے کاری، احتیاج، افلاس، رہبانیت، ضمیر فروشی، قوم فروشی، فحاشی، تجارتی کردار کی گراوٹ کی صورت میں نکلتا ہے۔

اس کی تیسری پہچان یہ ہے کہ اس کی معیشت کا انحصار سود خواری‘ استحصال‘ احتکار اکتناز اور اجارہ داری پر ہوتا ہے۔ قرون وسطی میں استحصال کی چار بڑی صورتیں تھیں۔ ایک غلامی‘ دوسری محصولات کی بھرمار‘ تیسری مضاربت اور چوتھی پیداوار کی ظالمانہ تقسیم۔ رومۃ الکبریٰ میں غلام ہی زراعت‘ تجارت اور صنعت وحرفت کا کام کرتے تھے۔ گھر کا کام کاج بھی وہی کرتے تھے۔ حتی کہ تعلیم وتربیت کی ذمہ داریاں بھی انہی کو تفویض کر دی گئی تھیں۔ لیکن ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کی حالت پالتو جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ قریب قریب یہی حالت موروثی مزارعوں اور محنت کشوں کی تھی۔ انہیں آبائی پیشہ چھوڑنے یا اپنی مرضی سے پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جاگیرداران کا آقا اور ان داتا ہوتا تھا۔ ہندوستان میں بھی جاگیرداری نظام قائم تھا۔ اور وہاں بھی لوگ اپنے آبائی پیشوں کو اختیار کرنے پر مجبور تھے اور اس کا نتیجہ ذات پات کی صورت میں نکلا۔ کسان اور ہر قسم کے محنت کش ارذل اور ان کی کمائی پر پلنے والے برہمن جاگیردار‘ ساہوکار بھی اشرف سمجھے جاتے تھے۔ قریب قریب یہی صورت حال دیگر اقوام وممالک کی تھی۔ مختصر یہ کہ اس عہد میں دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں مندرج معاشی بیماریاں پھیلی ہوئی تھیں۔

محنت کی تحقیر وتذلیل‘ آزادی کسب کا فقدان‘ پیداوار کی غیر منصفانہ تقسیم‘ اجارہ داری وسائل پیداوار پر ناجائز تصرفات غیر متوازن گردش دولت اور اس کے دائرے کی محدودیت‘ ظلم واستحصال‘ سودکاری‘ اکتناز واحتکار۔ تخل وتکاثر‘ معاشی احتیاج‘ معاشی محکومی وغلامی‘ افلاس بھوک ننگ اور بنیادی معاشی حقوق کا فقدان۔

اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی انقلابی تحریک کا ایک بنیادی مقصد معاشرے

سے ان بیماریوں کو دور کرنا تھا تو یہ مبالغہ نہیں' حقیقت کا اعتراف ہوگا۔

ثقافتی حالت: انسان کے اندر کی دنیا تاریک و پلید ہو تو اس کے باہر کی دنیا بھی تاریک و پلید ہوتی ہے۔ چاہے ظاہرہ صفائی و تزیینات سے وہ ایسی دکھائی نہ دیتی ہو۔ اس دور میں عالم انسان شرک و بت پرستی کی وجہ سے تاریک و پلید اور حسی و عقلی روشنی' نیز توحید اور علم و حکمت کے نور سے محروم تھا۔ انسان کا ضمیر خوابیدہ' جمالیاتی حسن مفلوج اور ذوق کثیف تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ثقافتی زندگی میں ایک تو حسن و صدق اور طہارت سوحیاء کی قدروں کی بے حد کمی تھی۔ دوسرے ان ثقافتی اقدار کا مفہوم بھی ایک حد تک بگڑ چکا تھا۔ ضرورت ایجاد کے پیش نظر اس عہد کی ثقافتی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کی طرف مختصراً اشارے کئے جاتے ہیں۔

۱۔ جیسا کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظاموں میں ہوا کرتا ہے۔ اس عہد کے عالمی معاشرے میں احترام انسانی کا معیار اصلاحی' روحانی اقدار کی بجائے مال و دولت تھا۔

۲۔ جذبہ تکاثر کی شدت کے باعث نام و نمود' ساز و سامان اور تکلفات و تعیشات کو شرف و امارت اور ثقافتی زندگی کے لوازمات تصور کیا جاتا تھا۔

۳۔ رقص و سرود' بادہ نوشی اور قماربازی ثقافتی زندگی کے چار اہم عناصر تھے۔

۴۔ فحاشی اور لہو و لعب زمانے کا فیشن بن چکے تھے اور انہیں بڑائی' جدیدیت اور ترقی کی علامت خیال کیا جاتا تھا۔

۵۔ عورت ثقافتی زندگی میں جنسی جمالیاتی معروض تھی لیکن سماجی زندگی میں وہ اپنے پیدائشی اور معاشرتی حقوق سے محروم تھی جو اسے بعد میں تحریک اسلام کی بدولت حاصل ہوئے۔

۶۔ عورت کو مرد کی کنیز سمجھا جاتا تھا اور اس کا وظیفہ حیات مرد کی خدمت کرنا تھا چنانچہ مرد کا عورت پر جبر و تشدد کرنا جائز اور اس پر عورت کا احتجاج کرنا گناہ تھا۔

۷۔ عورت اشیائے صرف کی طرح منڈیوں میں بکتی تھی۔

۸۔ بعض ممالک مثلاً ہندوستان میں بیوہ عورت کو منحوس اور ڈائن سمجھا جاتا تھا۔ لہذا اسے ستی ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اگر وہ ستی ہونے سے بچ جاتی تو اپنے بیگانے سبھی اس سے محترز و گریزاں رہتے تھے اور اسے ثقافتی زندگی میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

۹۔ عورت اول تو حق وراثت سے محروم تھی اگر کسی صورت میں اسے ورثہ مل بھی جاتا تو حق صرف اس کے شوہر یا ولی کو حاصل ہوتا۔

۱۰۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ صرف امراء کا تھا۔ عوام کو مفلوک الحال اور جہالت کے سبب اس کا شعور نہ تھا۔

۱۱۔ چونکہ نفاق' ریاکاری' تملق' خوشامد' خود غرضی' عصبیت ضمیر فروشی' دروغ گوئی وغیرہ بیماریاں قارونی' ہامانی معاشرے کی پیداوار ہیں۔ لہذا اس عہد کے عالمی معاشرے میں انہوں نے وباء کی صورت اختیار کر لی تھی۔

۱۲۔ غلامی ثقافت انسانی کے چہرے پر ایک بد نما داغ تھی اور معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی تھی۔

مختصر یہ کہ جس طرح عموماً رات کی تاریکی میں مجرم وارداتیں کرتے ہیں اور فحاشی و عصمت فروشی کی محفلیں جمتی ہیں اسی طرح ہیئت اجتماعیہ میں شرک و جہل کی تاریکی چھا جائے تو معاشرہ ہر قسم کے جرم و گناہ کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرون مظلمہ میں انسانی معاشرہ ایسا ہی بن چکا تھا تو یہ مبالغہ نہیں بلکہ اعتراف حقیقت ہوگا۔

الغرض اس زمانے میں جدھر دیکھو دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی تھا۔ کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہے اور ملک دار' قوم دار' نسل دار اور ایسی ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانی دنیا کیلئے ایک "بنیادی مذہب" پیش کیا جائے جو زمان و مکان کے فرق سے بالا ذاتوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو۔ اس طرح ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصل غرض و غایت پوری کرنے کا انتظام کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالحسن، مولانا سید۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ باب اول۔

۲۔ حمید اللہ ڈاکٹر۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی باب۔ بعثت نبوی کے وقت دنیا کی حالت

سلیمان ندوی، سید۔ سیرت النبی، ج: ۴

۳۔ سلیمان ندوی، سید۔ ارض القرآن۔ ابواب متعلقہ

۴۔ سلیمان ندوی، سید۔ سیرت النبیؐ، ج: ۴، باب ظہور اسلام کے وقت عربوں کی مذہبی واخلاقی حالت

۵۔ سورۃ الروم، ۳۰: ۴۱

۶۔ مفردات۔ بذیل مادہ: ف س د

۷۔ لیسن، تاج العروس، بذیل مادہ، ف س د

۸۔ قرون مظلمہ، Darlages قرونِ وسطیٰ

۹۔ سورۃ التین، ۹۵: ۵ بعد

باب سوم:

امن کیلئے حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیمات

تاریخ کے وسیع دائروں پر نظر ڈالیں تو اس میں ہمیں طرح طرح کے مصلحین دکھائی دیتے ہیں۔ شیریں مقال واعظ اور آتش بیان خطیب سامنے آتے ہیں۔ بہت سے فلسفہ طراز ہر دور میں ملتے ہیں۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کے انبوہ ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ جنہوں نے عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں۔ جنگجو فاتحین کی داستانیں ہم پڑھتے ہیں۔ جماعتیں بنانے اور تمدن میں مدوجزر پیدا کرنے والوں سے ہم تعارف حاصل کرتے ہیں۔ انقلابی طاقتیں نگاہوں میں آتی ہیں جنہوں نے نقشہ حیات کو باربار زیروزبر کیا ہے۔ رنگارنگ مذہب کی نیو ڈالنے والے بکثرت سامنے آتے ہیں۔ اخلاقی خوبیوں کے داعی بھی اسٹیج پر آتے ہیں۔ کتنے ہی مقنن ایوان تہذیب میں جلوہ گر رہ چکے ہیں۔ لیکن جب ہم ان کی تعلیمات ان کے کارناموں اور ان کے پیدا کردہ مجموعی نتائج کو دیکھتے ہیں تو اگر کہیں خیر وفلاح دکھائی دیتی ہے تو وہ جزئی قسم کی ہے اور اس کے اثرات زندگی کے کسی ایک گوشے پر ابھرتے ہیں۔ پھر خیر وفلاح کے ساتھ طرح طرح کے مفاسد ترکیب پائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ انبیاء کے سوا کوئی عنصر تاریخ میں ایسا دکھائی نہیں دیتا جو انسان کو۔ پورے کے پورے انسان کو۔ اجتماعی انسان کو۔ اندر سے بدل سکا ہو۔

باطنی وذہنی انقلاب: رحمت امنِ عالم، ہادی اعظم، نور مجسم، سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت نے پورے کے پورے اجتماعی انسان کو اندر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ

مسجد سے لے کر بازار تک۔ مدرسہ سے لے کر عدالت تک اور گھروں سے لے کر میدان جنگ تک چھا گیا۔ ذہن بدل گئے۔ خیالات کی رو بدل گئی۔ نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔ عادات و اطوار بدل گئے۔ رسوم و رواج بدل گئی۔ حقوق و فرائض کی قسمیں بدل گئیں۔ خیر و شر کے معیارات اور حرام و حلال کے پیمانے بدل گئے۔ اخلاقی قدریں بدل گئیں۔ دستور اور قانون بدل گیا۔ جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے۔ معیشت اور ازدواج کے طور بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ گئی۔ اس پوری کی پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر تھا ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ کچھ نہیں ملتا تھا۔ کسی گوشے میں شر نہیں، کسی کونے میں فساد نہیں۔ کسی جانب بگاڑ نہیں۔ ہر طرف سماوی ہی سماوی تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء ہے۔ در حقیقت محسنِ انسانیت کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی اور حضور اکرم ﷺ نے ایک نظام حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دورِ تاریخ کا افتتاح فرمایا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔

حضور ﷺ کی امتیازی شان: آنے کو یوں تو دنیا میں اور نبی بھی آئے۔ رسل بھی آئے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ آئے۔ چمکتی ہوئی زندگی اور پاکیزہ طبیعت لے کر آئے۔ عزائم بلند اور دل قوی لے کر آئے۔ حق بیں اور حق شناس نظر لے کر آئے۔ عقل سلیم اور فہم مستقیم لے کر آئے۔ معاشرے کے افراد کا بہیمانہ مزاج بدلنے کیلئے آئے۔ پاک وشست خیالات اور نیک سیرت لے کر آئے۔ ایمان و محبت اور اخلاص کے پھولوں سے مہکتی ہوئی زندگی لے کر آئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں آئے۔ بعض حضرات کے بقول اس سے بھی زیادہ آئے۔ کم آئے یا بے شمار آئے۔ تھوڑے یا زیادہ عرصہ کے بعد آئے یکے بعد

دیگرے آئے۔ مسلسل و لگاتار آئے۔ آکے ہی چلے گئے۔ صاحب عظمت و کردار بن کر آئے۔ وسیع اختیارات لے کر آئے۔ حیرت انگیز معجزات لے کر آئے۔ ان میں ایسے بھی آئے جن کو زبور۔ توریت اور انجیل جیسی الہامی کتابیں عطا فرمائی گئیں۔ ان میں اسے بھی آئے جن پر نزول وحی ہوا۔ ان میں ایسے بھی آئے جو اللہ سے ہمکلام ہوئے اور ایسے بھی آئے جن کو اونچے درجات 'بلند اور اعلی مراتب سے نوازا گیا۔ فضیلت بخشی گئی حرمت عطا کی گئی۔ وقار مقام پر سرفراز فرمایا گیا۔ جملہ پیغمبرانہ رسول اپنی اپنی قوم کو سمجھاتے بجھاتے رہے۔ بداعمالی کے انجام اور آخرت کے خوف سے ڈراتے رہے۔ نیک اور سفید بر محل اور مناسب مشوروں سے دماغوں کو روشن کرتے رہے۔ اعتقادی گمراہی اور اخلاقی بے راہ روی سے بچنے کے درس سے نوازتے رہے۔ فلاح و بہبود کی تدابیر بتاتے اور ذہنی و روحانی سکون کا سامان فراہم کرتے رہے۔ صراط مستقیم پر چلانے کی ہر ممکن کوشش اور حتی دالوسع جدوجہد کرنے کے بعد اپنا اپنا کام ختم کر کے چلے گئے۔ مگر ہمارے پیارے نبی فخر کائنات 'سرور کائنات' محبوب رب اللعالمین حضرت محمد مصطفی ﷺ ایوان الوہیت کے سفیر خاص بن کر آئے۔ تمام جہانوں اور عالم انسانیت کیلئے ہمہ گیر اصلاحی پیغام لے کر آئے۔ امتیازی اعزاز 'خصوصی منصب اور مخصوص ذمہ داریاں لے کر آئے۔ معلم روحانیت 'امام انسانیت اور فخر المرسلین بن کر آئے۔ عصمت مآب اور روشن ترین زندگی لے کر آئے۔ کفر و ضلالت کے اندھیروں کو فنا کرنے کیلئے شعور تہذیب نفس اور جذبہ تربیت اخلاق کو بیدار کرنے کیلئے آئے۔

آمد رسولؐ کی غایت

: شرافت انسانی کے محافظ اور امن عالم کے علمبردار بن کر آئے۔ تمام دنیا میں عادلانہ نظام قائم کرنے کیلئے آئے۔ قوموں کی

روایاتی اور اعتقادی تاریخ کے حصارے کا رخ موڑنے کیلئے آئے۔ غلامی کی زنجیریں کاٹنے اور بنی نوع انسان کو آزادی کا پیغام سنانے کیلئے آئے۔ نوع انسانی کی روحانی بیماریوں اور اخلاقی کمزوریوں کا درمان بن کر آئے۔ کسی خاص طبع جزیرہ' ملک' خاندان قبیلہ فرقے اور قوم کیلئے ہی نہیں بلکہ انسانی سماج کا زاویہ فکر عمل اور مذاق پرستش بدلنے کیلئے آئے۔ ہادی عالم' مصلح انسانیت اور عالمگیر راہنما بن کر آئے۔ انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کیلئے آئے۔ نیا نظام معیشت' نیا نظام اخلاق' نیا نظام تہذیب و تمدن' نئی حکومت الٰہیہ کے از سر نو قیام اور اس میں پختگی اور عالمگیریت پیدا کرنے کیلئے آئے۔ کفار و مشرکین کو معبودان باطل کی عبادت سے روکنے کیلئے آئے۔ پرستش بے حاصل کے طلسم کو توڑنے کیلئے آئے۔ اعمال صالح کی ترویج کرنے کیلئے آئے۔ دعوت ایمان عقیدت دینے کیلئے آئے۔ کفر و ضلالت کے قصر مذلت میں ڈوبی ہوئی نسل انسانی کو یقین و عقیدت کے سہاروں سے ابھارنے کیلئے آئے۔ ارتقائے انسانیت کے اصولوں کی تکمیل کرنے کیلئے آئے۔ ماحول حیات انسانی کے غبار آلود چہرے کو نکھارنے اور پستی کے زنگ خوردہ آئینہ کو جلا بخشنے کیلئے آئے۔ انسانی کو مردہ جسم کو متحرک کرنے اور حرارت ایمان سے گرمانے کیلئے آئے۔ دیوتا' آسمان' سورج چاند کواکب پتھروں' پہاڑوں' ندیوں' تالابوں' تناور درختوں خونخوار درندوں' زہریلے اور مضرت رساں حشرات الارض کے پجاریوں کے مذاق پرستش کی کایا پلٹنے کیلئے آئے۔ احکام خداوندی کو عملی طور پر جاری کرنے کیلئے۔ حیات انسان کے خالی اور تصوراتی خاکوں کو الگ حسن عمل سے چوکانے کیلئے' بے کسوں' بے نواؤں' یتیموں' مجبوروں کے والی و مددگار بن کر آئے۔ حقیقی مسرت و اطمینان کی دولت لے کر آئے۔ شفقت و مہربانی کا پیکر بن کر سب کے ہمدرد بن کر آئے۔ لوگوں کو غلط

راستے سے بچانے اور اللہ کی طرف کھینچنے کیلئے آئے۔ دلوں کو جلوہ نور حق سے معمور اور نگاہوں کو ضیاء حقیقت سے منور کرنے کیلئے آئے۔ مدارج کی ہر روشنی لے کر آئے۔ شمیم عصمت و صداقت عدل و امن رحمت و رافت لطف و شفقت ایمان و اخلاق اور حسن عمل سے صرف عرب کو ہی نہیں بلکہ اکناف عالم اور حیاتِ انسانی کے گوشے گوشے کو مہکانے اور بسانے کیلئے آئے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس سمت چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

خاندان قریش کے چشم و چراغ حضرت عبداللہ کی آنکھوں کا تارا حضرت بی بی آمنہ کے دل کا سرور' زخمی اور مجروح انسانیت کا مرہم۔ فخر البشر' خاتم الرسل' خیر کل ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ آئے اور اس شان سے آئے کہ دنیا نے سکون کا سانس لیا۔ بے اطمینانوں کو اطمینان ملا۔ مصنوعی خداؤں کے دین میں زلزلہ آگیا۔ بے دینوں کے دل لرز اٹھے قصر صنم پرستی میں تہلکہ پڑ گیا۔ نیک سیرتوں پر نکھار آیا۔ اجڑے چمن پر ابدی بہار چھا گئی۔ آقا آئے اور تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت بن کر آئے۔

جامع سیرت : حضور اکرم ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں ہے بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے جو ایک انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی۔ وہ زندگی سے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں جو کنارے بیٹھ کر محض اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو۔ بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی۔ وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روداد ہے۔ وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے پر تفصیل اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ سرور عالم ﷺ کی سیرت غارِ حرا سے لے کر غار ثور تک۔ حرم کعبہ

سے لے کر طائف کے بازار تک امہات المؤمنین کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے نقوش بے شمار افراد کی کتاب حیات کے اوراق کی زینت بنی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ عمارؓ و یاسرؓ خالدؓ و خویلد اور بلالؓ و صہیب رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب ایک ہی کتاب سیرت کے اوراق ہیں۔ ایک چمن ہے کہ جس کے لالہ گل اور نرگس و نسترن کی ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی کی زندگی مرقوم ہے وہ قافلہ بہاری وقت کی جس سرزمین سے گزرا ہے اس کی ذرے ذرے پر نکہت کی مہریں ثبت کر گیا ہے۔

رافت و رحمتِ نبوی ﷺ: قرآن کریم نے آپ ﷺ کی رسالت کیلئے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس سے بخوبی اس بات کا اظہار ہوتا ہے۔

"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ" (۱) (ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا

"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (۲) (ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کیلئے خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا)

قرآن پاک نے حضور اکرم ﷺ کی شان رحمت جس انداز میں بیان فرمائی اور دین کے مخالفوں اور جان کے دشمنوں کیلئے آپ ﷺ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا جس طرح ذکر فرمایا اس سے آپ ﷺ کے داعی امن ہونے کی حیثیت پوری طرح متحقق ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

"لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلاَّ یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ" (۳) (شاید کہ آپ ان (کفاروں) کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے۔)

"فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا" (۴) (سو شاید آپ ان کے پیچھے (ان کے ایمان نہ لانے پر) غم میں اپنی جان دے دینگے اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائے)

اس دلسوزی اور پشت توڑ دینے والی ہمدردی کی دیکھتے ہوئے قرآن نے فرمایا:

"مَا اَنزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی"(۵)	(ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ (اتنی مشقت اٹھائیں)
"فَلاَ تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرَاتٍ(۶)	(سوان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے)

آپ ﷺ امت کے غم اور مخلوق کی ہدایت کی فکر میں جس قدر غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کیفیت کا ذکر فرمانے کے بعد فرماتا ہے کہ کیا ہم نے آپ کا وہ غم ہلکا نہیں کر دیا جو آپ کی کمر کو بوجھل کئے جا رہا تھا اور آپ ﷺ کے ذکر کو بلند نہیں فرمایا؟

"اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ	(کیا ہم نے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ہے۔
وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ	اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا ہے
الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ	جس نے آپ کی پشت توڑ رکھی تھی۔ اور ہم
وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ"(۷)	نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا)

غیروں کے واسطے غمگین اور دلسوزی کا یہ درجہ ہے تو اپنوں کیلئے تو ظاہر ہے کہ ایسا ہی تعلق ظاہر ہوگا کہ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ(۸)

خداوند قدوس فرماتے ہیں کہ میرا محبوب تمہاری خیر خواہی' اصلاح احوال اور فلاح دارین کے ضمن میں تمہاری جانوں سے بھی زیادہ تم پر مہربان ہے اور یہ حقیقت دوسری آیت میں یوں بھی بیان فرمائی:

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ(۹)

(یعنی جو چیز تمہارے لئے تکلیف دہ ہے وہ انہیں بھی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہارے متعلق بہت حریص نہیں اور اہل ایمان کیلئے بڑے مہربان اور رحیم۔)

اسی لئے تو رب کریم فرماتا ہے کہ جو ہادی اتنا شفیق اور مہربان ہو اور جو رہبر اس درجہ کا غمگسار اور غمخوار ہو وہ جب بھی بلائے بلا تامل اس کی آواز پر لبیک کہو کیونکہ اس کا پیغام ہی حقیقی و ابدی حیات کا پیغام ہے حکم ہے۔

"یَاأَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااسْتَجِیْبُوْالِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَادَعَاكُمْ لِمَایُحْیِیْكُمْ(۱۰)

(اے ایمان والو! اللہ اور یہ رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس امر کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کرتا ہے۔ یعنی اللہ کا رسول تمہیں جس چیز کی دعوت دے رہا ہے وہ تمہارے مردہ دلوں کو زندہ رکھنے والی ہے اور تمہاری جان بلب روحوں کی تازگی اور نشاط عطا فرمانے والی ہے۔ اِذَا دَعَاكُمْ کا فاعل حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے لِمَا میں لام بمعنی اِلیٰ ہے۔

اِذَادَعَاكُمْ لِمَایُحْیِیْكُم سے مراد قرآن۔ ایمان۔ جہاد نیک اعمال پاکیزہ زندگی اور دائمی حیات کی طرف بلاتا ہے۔

علامہ ابن کثیر بروایت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ لِمَایُحْیِیْكُم سے مراد قرآن اور حق ہے جس میں زندگی حیات بقاء اور نجات ہے اور سدی کی رائے میں اسلام لانے میں زندگی اور کفر میں موت ہے۔(۱۱)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی رائے میں لِمَایُحْیِیْكُم سے مراد آپ ﷺ کی سنت اور طرز حیات ہے جس کی طرف آپ بلاتے ہیں "فان طاعة الرسول فی کل امر یحی القلب وصیا نه یمیته" کہ بات میں سنت نبوی ﷺ کی اطاعت ہے دل زندہ ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے مردہ ہوتا ہے"(۱۲)

علامہ محمود آلوسیؒ کے نزدیک لِمَایُحْیِیْكُم سے مراد وہ لازوال اور

لبدی تعلیم ہے جو عقائد اعمال اور معاملات پر مبنی ہے (۱۳)

الختصر! حضور ﷺ کا پیغام حیات وامن کا پیغام اور آپ ﷺ کا درس اخوت و محبت ہے۔ جس کی طرف آپ ﷺ انسانیت کو دعوت دیتے ہیں۔

داعی امن واخوت اپنی تعلیمات کی روشنی میں

حالت امن ہو یا جنگ' انفرادی زندگی کے معاملات ہوں یا اجتماعی زندگی کے مسائل قومی وملی مفادات کا مسئلہ ہو یا بین الاقوامی وعالمی معاہدات کا ذکر۔ آنحضور ﷺ نے بہر صورت امن وامان کے قیام اور اتحاد واخوت کے فروغ کو اولین حیثیت دی ہے۔

۱۔ عن عبداللہ بن عمر قال نهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان (۱۴)

(حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ حضور نے جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا"

عن نافع ان رسول الله ﷺ رای فی بعض مغاز یه امراة مقتولة فانكرذلک ونهى عن قتل النساء والصبيان (۱۵)

(حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بعض لڑائیوں میں ایک عورت کو حالت قتل میں دیکھ کر اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور عورتوں اور بچوں کو قتل سے منع کیا۔)

فتح مکہ کے روز حضرت ام ہانیؓ حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی ہے اور حضرت علیؓ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا :

قداجرنامن اجرت یا ام هانی (۱۶)

(اے ام ہانی جسے تو نے پناہ دی ہے اسے ہم بھی پناہ دیتے ہیں۔)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ :

(یعنی عورت اگر کسی کو امان دے دے تو پوری قوم

اس امان کی پابند ہے۔)(۱۷)

اندازہ فرمایئے !کہ حضور ﷺ کو عہد و پیان اور عورت کی امان کا کس قدر پاس ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ابو جندلؓ کو ایفائے عہد میں مکہ واپس بھیج دیا اور ابو بصیرؓ کو بھی مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی(۱۸)

حضور اکرم ﷺ نے باہمی محبت و اخوت اور امن و امان کے قیام کیلئے ایسے اصول وضع فرمائے جن پر عمل کر کے دنیا کا ہر انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر آپ ﷺ نے مومنین پر ان کی پابندی اس قدر لازمی ٹھہرائی کہ انہیں ایمان کی شرائط میں داخل فرما دیا۔ ایمان والوں کے باہمی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

المسلم اخوالمسلم لایظلمه ولا یسلمه ومن کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کربات یوم القیامة ومن ستر مسلماستره الله یوم القیامة(۱۹)

✓ ظلم سے باز رکھنے کے بارے میں فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرنا تو ہر مسلمان پر لازم ہی ہے مگر ظالم کو ظلم سے روکنا بھی اس کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ فرمایا :

"انصراخاک ظالماً اومظلوماً قالوایارسول الله ﷺ هذا ننصره مظلوما فکیف ننصره ظالما قال تاخذفوق یدیه(۲۰)

مومنین کی باہمی کیفیت کے بارے میں فرمایا :

"تری المومنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل جسد اذا شتكى عضواتدعى له سائر جسده بالسهروالحمى (۲۱)

رحم کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا

من لا یرم لا یرحم (۲۲).

جو شخص ہمسایوں کا احساس نہیں کرتا اس کیلئے تنبیہاً فرمایا :

"والله لا یومن والله لا یومن والله لا یومن قیل ومن یا رسول الله قال الذی لا یامن جاره بم ائقه" (۲۳)

یعنی جس سے اس کے ہمسائے مامون نہیں وہ مومن ہی نہیں۔ مومن پر لعنت بھیجنے کے متعلق فرمایا :

"من لعن مومنا فهو كقتله ومن قذف مومنا بكفر فهو كقتله" (۲۴)

یعنی "مومن پر لعنت بھیجنا اور تہمت لگانا کفر ہے"

مومن کے کردار کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" (۲۵)

آپ سے پوچھا گیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا :

"من سلم المسلمون من لسانه ویده"

ایک دوسرے شخص سے فرمایا کہ اسلام کی بہترین تعلیم یہ ہے کہ :

"تطعم الطعام وتقراء السلام على من عرفت ومن لم تعرف" (۲۶).

ایک دوسرے کے مفادات اور پسند کا لحاظ رکھنے کو ایمان کی شرط قرار دیا اور فرمایا :

"لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ"(۲۷)

ایک دوسرے کو سلام کہنے کو جنت میں داخلے کی شرط قرار دیا اور فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لا تدخلوا الجنۃ حتی تومنوا ولا تومنوا حتی تحابو ا افلا اد لکم علی امر اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم"(۲۸)

اور فرمایا:

"ان اولی الناس باللّٰہ تعالیٰ من بداھم بالسلام (۲۹)

باہم حسد اور بغض رکھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

"لا تباغضواولا تحاسدواولا تدابروا وکونواعباداللّٰہ اخوانا۔ ولا یحل لمسلم ان یھجواخاہ فوق ثلث لیال"(۳۰)

یعنی تین دن سے زیادہ ناراض رہنے کو ناپسند فرمایا:

باہم محبت بڑھانے کیلئے فرمایا کہ مصافحہ کرو اور تحائف کا تبادلہ کیا کرو۔

"تصافحوا ایذھب لغل وتھادو تحابو وتذھب التحناء"(۳۱)

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

"من سرہ ان یبسط رزقہ اوینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ"(۳۲)

اور یہ بھی فرمایا:

"الرحم معلقۃ بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللّٰہ ومن قطعنی قطعہ اللّٰہ۔

تعلقات منقطع کرنے کے بارے میں فرمایا:

"لا یدخل الجنۃ قاطع"۳۳)

مودت' محبت اور شفقت کے بارے میں فرمایا:

"ان اللہ رفیق یحب الرفق ویعطی علیہ مالا یعطی علی لعنف" (۳۴)

جو شخص رحمت و شفقت کی صفت سے خالی ہے اس کے بارے میں فرمایا:

"من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ" (۳۵)

امن عامہ قائم کرنے کیلئے آپ ﷺ کے عفو و درگزر اور رحمت و شفقت سے متعلق طرز عمل کو درج ذیل احادیث سے پیش کیا جاتا ہے:

"عن انس قال خدمت النبی عشر سنین فماقال لی اف ولا لم صنعت ولا الا صنعت" (۳۶)

"عن عائشہؓ قالت ماضرب رسول اللہ ﷺ خادما ولا امراۃ قط" (۳۷)

یعنی آپ ﷺ نہ مواخذہ فرماتے اور نہ مارتے تھے آپ ہمیشہ آسان راستہ اختیار فرماتے اور دوسروں کیلئے بھی آسانی چاہتے۔

"عن عائشہؓ انھاقالت ماخیر رسول اللہ فی امرین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما فان کان اثما کان ابعدالناس منہ" (۳۸)

آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کی خاطر کسی سے بدلہ نہیں لیا:

"عن عائشہ ماانتقم رسول اللہ ﷺ لنفسہ الا ان یتھک حرمۃ اللہ فینتقم للہ بھا" (۳۹)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نہ کبھی برا کہتے نہ فحش بات کرتے اور نہ ہی لعنت و ملامت فرماتے۔ غصے کے وقت صرف اتنا فرماتے:

"مالہ ترب جبینہ" (۴۰) (اسے کیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو)

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ جس طرح آج کے دن۔ اس شہر میں

تمہارے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنا اور عزت و آبرو کو پامال کرنا حرام ہے اسی طرح دوسری جگہوں اور عام حالات میں بھی ہے۔ فرمایا:

"فان دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا" (۴۱)

پیغمبر امن و سلامتی کی سیرت کے وہ پہلو جن کا تعلق آپ ﷺ کے پیغام امن واخوت سے ہے ان کی حیثیت محض اخلاقی تعلیمات اور مواعظ کی نہیں کہ کوئی چاہے انہیں اپنا لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ اطاعت رسولؐ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ کا پیغام تعلیمات اور فرمودات قانون کا درجہ رکھتے ہیں۔

"مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" (۴۲)

(رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رک جایا کرو۔)

زبانی کلمہ کا اعتبار: ایک صاحب مال شخص کا اسلامی جنگی قافلہ سے آمنا سامنا ہوا۔ فوجیوں کو دیکھ کر اس نے کہا "السلام علیکم" خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں" مجاہدین میں سے ایک شخص نے اسے قتل کر دیا۔ واپسی پر جب نبی کریم ﷺ کو یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب وہ شخص مسلمان ہو گیا تھا تو تم نے اسے قتل کیوں کیا؟" جواب دیا گیا کہ اس شخص نے صرف قتل سے بچنے کیلئے کلمہ پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا" پھر آپ ﷺ نے اس غیر مسلم مقتول کی دیت اور اس کا اپنا مال اس کے ورثاء کو بھجوا دیا۔

غیر مسلم کے بارے میں واضح حکم ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ:

"اگر کوئی مسلمان غیر مسلم معاہد کو قتل کرے گا تو وہ بہشت کی

خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

حضرت مقداد بن اسودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک بار نبی کریم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! اگر میرا ایک ایسے کافر سے مڈبھیڑ ہو جو مجھ سے مقابلہ کرے اور لڑتے ہوئے میرا ایک بازو اپنی تلوار سے کاٹ دے۔ پھر وہ ایک درخت کے نیچے میرے قابو میں آجائے اور کلمہ پڑھ لے تو میں اسے قتل کر دوں یا نہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اسے قتل مت کرو۔ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو وہ ایسا ہو جائے گا جیسا تم اسے قتل کرنے سے پہلے تھے۔ اور تم ویسے بن جاؤ گے جیسا وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا"

کعب بن زہیر جس کی ساری فصاحت وبلاغت اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف استعمال ہوئی فتح مکہ کے دن "وہ بھی مجرموں کی صف میں موجود تھا خیر خواہوں نے تجویز دی کہ اس کے سامنے والے دانت اکھڑ وا دیئے جائیں تاکہ خطابت کا سارا زعم کافور ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں! میرا خدا مجھے کسی انسان کا چہرہ بگاڑنے کی اجازت نہیں دیتا" یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔

اور تو اور عکرمہ بن ابو جہل مسلمان ہوا تو آپ ﷺ نے اسے کبھی باور نہ کرایا کہ وہ آپ ﷺ کے سب سے شدید دشمن کا بیٹا ہے۔ بلکہ کسی زخم خوردہ صحابی کے منہ سے ابو جہل کے خلاف کوئی جملہ نکل جاتا تو آپ ﷺ فوراً ٹوک دیتے اور فرماتے "کم از کم عکرمہ کے سامنے ابو جہل کو برا بھلا مت کہا کرو۔ مانا وہ تمہارا دشمن تھا مگر عکرمہ کا تو باپ تھا"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ہر گناہ کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے سوائے اس گناہ کے جو حالت شرک میں مرا یا اس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا" (۴۳)

مومن کا قتل۔ گناہ: دوسری جگہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے تہ وبالا ہونے سے بڑھ کر ہے (۴۴)

ترمذی کی ایک حدیث ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا:

"ساری دنیا کی بربادی ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک بالکل بے قیمت چیز ہے۔' (۴۵)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جہاں ظلم وجور سے ایک انسان قتل کیا جارہا ہو تو تم میں سے کوئی کھڑا رہ کر منہ تکتا نہ رہے بلکہ مدافعت کرے۔ اس لئے کہ موجود ہونے کے باوجود اس کی طرف سے جو مدافعت نہیں کرتا وہ قابل لعنت ہے۔ اس پر لعنت برستی رہتی ہے۔ اسی طرح جہاں ظلماً ایک شخص کو زدوکوب کیا جارہا ہے وہاں تم میں سے کوئی شخص خاموش کھڑا نہ رہے کیونکہ موجود ہونے کے باوجود جو اسے نہیں بچاتا وہ مستحق لعنت ہے۔ اس پر لعنت نازل ہوتی ہے" (۴۶)

ارشاد نبوی ہے کہ:

"آگ ستر حصوں میں بانٹ دی گئی ہے ان میں سے انہتر حصے اس کے لئے ہو گئی جو قتل کا حکم دیتا ہے اور ایک حصہ اس قاتل کیلئے جو دوسرے کے کہنے سے قتل کرے" (۴۷)

قتل کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انسان اپنا ہاتھ خون آلود نہ کرے بلکہ

اپنے اثرورسوخ سے کام لے کر کسی دوسرے کو اس سلسلہ میں استعمال کرے اور اس کے ذریعہ کسی بے گناہ کا سر قلم کرنے کی ناپاک کوشش کرے' اسلام اس صورت کو بھی برداشت نہیں اور اصل مجرم اثرورسوخ کو ہی قرار دیتا ہے۔
آنحضور ﷺ سے یہی سوال پوچھا گیا جو اوپر کی حدیث میں مذکور کیا گیا ہے۔
حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن قاتل ومقتول رب ذو الجلال کے روبرو لائے جائیں گے "مقتول عرض کرے گا۔ اے رب قاتل سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کس قصور پر قتل کیا۔ قاتل اس کی طرف اشارہ کر کے جواب دے گا کہ پروردگار عالم! اس نے مجھے حکم دیا تھا ان دونوں کے ہاتھ پکڑے جائیں گے اور دونوں کو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (۴۸)

خودکشی کی ممانعت : قتل کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی خود اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے۔ یعنی خودکشی کر لے۔ اس صورت میں بھی چونکہ انسانی جان ضائع کی جاتی ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کو بھی پوری قوت کے ساتھ روکا ہے اور اس جرم سے روکنے کیلئے وہ تمام ذرائع استعمال کیے جن سے ڈر کر انسان اس غلط کام سے باز آجائے بلکہ اس کو ایسے ارادے کی کبھی جرات نہ ہو۔
قرآن پاک میں بھی ہے کہ ۔

"تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو" (۴۹)

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے :
"اور جو کوئی تعدی اور ظلم سے یہ کام کرے گا۔ ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے" (۵۰)

پیغمبر امن عالم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا :
"جو شخص جس چیز سے دنیا میں خودکشی کرے گا قیامت میں اس کے

ساتھ اسے عذاب دیا جائے گا۔"(۵۱)

دوسری جگہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص جس چیز سے اپنے آپ کو دنیا میں ذبح کرے گا وہ اسی چیز سے قیامت میں ذبح کیا جائے گا۔"(۵۲)

ایک حدیث میں رحمت عالم ﷺ نے خودکشی کرنے والے کا انجام بیان کیا ہے۔ خودکشی کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کسی اونچی جگہ سے گرا کر ہلاک کر ڈالے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زہر پی کر اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارے اور تیسرا طریقہ اپنے کو ذبح کر لینا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں مگر کسی صورت میں اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو مار ڈالتا ہے وہ مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہے اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اس کا زہر اس کے ہاتھوں میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اس کو ہمیشہ پیتا رہے گا اور جو اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے مار ڈالتا ہے تو اس کا وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی دہکتی آگ میں اسے ہمیشہ اپنے پیٹ میں جھونکتا رہے گا"(۵۳)

پھر فرمایا:

"جو شخص اپنا گلا گھونٹتا ہے جہنم کی آگ میں اسی طرح گھونٹتا رہے گا۔"(۵۴)

اس طرح اپنے آپ کو بھالا' نیزہ اور بندوق کی گولی سے مار لینا۔ اس کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"اور جو اپنے آپ کو تیر مار کر ہلاک کرتا ہے وہ جہنم کی آگ میں اپنے آپ کو نیزہ مارتا رہے گا" (۵۵)

جذبہ قتل ناحق کی خواہ وہ کسی بھی موقع سے ہو اسلام اور بانی اسلام مذمت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم مقابلہ کیلئے نکلیں اور ان میں سے کوئی مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ قاتل تو اپنے جرم کی سزا میں جائے گا لیکن مقتول کیوں؟ آپ نے فرمایا:

"اس لئے کہ وہ اپنے ساتھی کے قتل کا خواہش مند تھا۔" (۵۶)

ہتھیار اٹھانے کی ممانعت: قتل تو بہر حال قتل ہے اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ آدمی ایسی ہیئت اختیار کرے جس سے کسی کو زخم پہنچنے کا اندیشہ بھی ہو یا کسی کے قلب میں اس کی طرف سے شبہ بھی پیدا ہو۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"جو ہم مسلمانوں پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (۵۷)

"مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانے سے مراد ان سے جنگ کرنا ہے تاکہ ان کو خوف زدہ کر دیا جائے۔ لہذا وہ شخص اس وعید میں شامل نہیں ہوگا جو مسلمانوں کی حفاظت کیلئے ایسا کرے" (۵۸)

رحمت امن و سلامتی نے ننگی تلوار لے کر چلنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو دھوکہ سے کوئی خراش آجائے یا کوئی کمزور دل اپنے قلب کی کمزوری کی وجہ سے ننگی تلوار دیکھ کر خطرہ محسوس کرنے لگے اور اسے دلی اذیت ہو۔

"رسول اکرم ﷺ نے ننگی تلوار لینے سے منع کیا۔" (۵۹)

قتل اور خون ریزی کی برائی ذہن نشین کرنے اور دنیا سے فتنہ و فساد مٹانے کیلئے

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"دوزخ کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ دس محرم کیلیے ہے جو میری امت پر تلوار چلائے"(۶۰)

حضور پاک ﷺ نے زندگی کا کوئی گوشہ اور پیرایہ باقی نہیں چھوڑا ہے جس سے امت مسلمہ کا ذہن اس سلسلہ میں راہ راست پر لگ سکتا ہو۔ مختلف انداز سے کوشش کی گئی ہے کہ انسان قتل اور خونریزی کے نقصان کو سمجھ کر اس سے بے زاری کا اعلان کر دے اور فتنہ و فساد سے ہاتھ اٹھالے۔

ایک موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں جب تک کہ وہ اسے رکھ نہ دے۔ اگرچہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔"(۶۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اشارہ سے مراد ہنسی مذاق کے طور پر اشارہ کرنا ہے کیونکہ سچ مچ مقصد وارادہ کا معنی یہاں نہیں بن سکتا اور ہنسی مذاق سے اشارہ پر لعنت نبوی ہوتی ہے۔ گویا اس فعل سے شدت کے ساتھ روکا ہے۔"(۶۲)

"کھلے ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی کیوں جرم قرار دیا گیا؟ اس سوال کا جواب خود حدیث نبوی ﷺ ہی میں موجود ہے۔ رحمت عالم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے۔ اس وجہ سے کہ:

"وہ جہنم کے غار میں جا پڑے"(۶۳)

آپ ﷺ نے یہ تک بیان فرمادیا کہ تیز ہتھیار کو کس طرح لے کر چلنا چاہیے تاکہ کسی کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ رہے۔ فرمایا:

"تم میں سے جب کوئی مسجد یا بازار سے گزرے اور اس کے ہاتھ میں تیر ہو تو اسے چاہیے کہ اس کی پھلی کو تھام لے تاکہ دھوکہ سے بھی کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔" (۶۴)۔

اس حدیث میں گو الفاظ مسجد اور بازار کے ہیں لیکن مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں آدمیوں کا مجمع ہو خواہ وہ دینی عبادت گاہ ہو یا کوئی اور مقام۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے:

وسائر مجامع درحکم آنست (تمام مجامع اسی حکم میں ہیں(۶۵)

مساوات انسانی: انسانی جانوں کا یہ احترام ایسا ہے کہ جس میں آزاد و غلام' امیر و غریب سلطان و گدا کسی کی کوئی تمیز نہیں۔ سب کیلئے برابر حکم ہے اور سبھوں کی جان لائق صد احترام ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مسلمانوں کے خون برابر نہیں" (۶۶)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث پاک کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمام مسلمان مسئلہ قصاص و دیت میں برابر نہیں۔ اس بارے میں نہ شریف کی کمینہ شخص پر فضیلت ہے نہ بڑے کو چھوٹے پر نہ عالم کو جاہل پر اور نہ مرد کو عورت پر جیسا کہ جاہلیت میں تھا" اسلام مساوات کا قائل ہے" (۶۷)

حضرت سمرہؓ کا بیان ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اسے قتل کریں گے جو اپنے غلام کی صورت بگاڑے گا ہم اس کی صورت بگاڑیں گے۔" (۶۸)

قتل پر ادنی اعانت بھی جائز نہیں کیونکہ معاون بھی جرم و سزا میں برابر کا شریک

ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب کسی شخص کو ایک شخص تھام رکھے اور دوسرا قتل کرے تو جس نے قتل کیا ہے وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑا ہے اسے قید کیا جائے گا"(۶۹)

سنگ باری کی ممانعت: امن داماں میں خلل کبھی خشت باری سے بھی ہوتا ہے کہ دھوکہ سے کہیں کسی کو چوٹ آگئی تو پھر وہی بڑھ کر جنگ کا شعلہ بھڑکا دے اور آن کی آن میں انسانوں کا سارا امن و سکون اس کی نذر ہو جائے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر اسلام نے اس طرح کی چیزوں سے بھی منع کیا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے کہ خشت باری نہ کیا کرو۔

"آنحضرت ﷺ نے سنگ باری سے منع فرمایا ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس سے نہ کوئی شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی دشمن قتل کیا جاسکتا ہے۔ ہاں البتہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی اس سے دانت ٹوٹتے نہیں اور کبھی آنکھیں پھوٹتی نہیں۔"(۷۰)

قتل وخون ریزی کی ممانعت: ان تمام کوشوں پر حضور ﷺ کی نظر ہے جہاں سے امن داماں میں خلل کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے اور محبت کی جگہ عداوت راہ پا سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری ایام میں امت کو تاکید فرمائی تھی کہ وہ انس و محبت کی جگہ قتل اور خون ریزی کے جذبہ کو نہ آنے دیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

"میرے بعد کافروں کا شعار نہ اختیار کر لینا کہ تم میں سے بعض بعض کی

گردن مارنے لگے۔"(۷۱)

جس انداز میں رحمت عالم نور مجسم اور پیغمبر امن و سلامتی نے امن وامان کی تبلیغ کی، قتل و خونریزی کا دروازہ بند کیا اور کائنات انسانی میں انسانی جان کی قدر و قیمت بتائی اس کا اجمالی نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں جہاں ایک لاکھ کے قریب انسان موجود تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

"اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں حرام کردی ہیں اور ان چیزوں کو ایسی عزت بخشی ہے جو عزت تمہارے اس شہر اس مہینہ اور دن کو حاصل ہے۔(۷۲)

اہمیت جتانے کیلئے پھر اخیر میں مسلمانوں کے اس جم غفیر کو مخاطب کر کے فرمایا :

کیا میں نے پیغام حق پہنچا نہیں دیا؟ اسے تین مرتبہ فرمایا۔ سبھی نے یک زبان جواب دیا جی ہاں، ضرور۔"(۷۳)

اس سے زیادہ انسانی جان اور امن وامان کی قدر و منزلت اور کیا جتائی جاسکتی ہے۔ جس مسلمان اور مومن کے سامنے یہ تمام احادیث ہوں گی پھر ممکن نہیں ہے کہ وہ انسانی جان و مال اور امن کا احترام نہ کرے۔

انسانی خون کی قدر و قیمت : پھر جماعتی زندگی میں انسانی خون کی قدر و قیمت کا مزید اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایئے جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا :

"قیامت میں جس مسئلہ پر پہلے فیصلہ ہوگا وہ خونی کا کیس ہوگا"(۷۴)

امام نوویؒ لکھتے ہیں :

"اس حدیث میں خون کی اہمیت کا بیان ہے۔"(۷۵)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :

"قیامت میں پہلا فیصلہ خون کا ہو گا یعنی ان مقدمات کا فیصلہ سنایا جائے گا جو خون سے متعلق ہوں گے۔ اس حدیث میں مسئلہ قتل کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اس لئے کہ کاموں میں اہم معاملہ سے ابتدا ہوتی ہے۔"(۷۶)

عبادت اور انفرادی چیزوں میں قیامت کے دن پہلے نماز سے متعلق سوال ہو گا اور اجتماعی امور اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون کا مقدمہ پیش ہو گا۔ کیونکہ بندوں پر مظالم کے سلسلہ میں سب سے بڑا ظلم یہی ہے۔

چنانچہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

"جب چوپایوں کے ناحق مار ڈالنے کی ممانعت ہے اور اس سلسلہ میں وعیدیں ہیں تو پھر سوچئے کہ انسان کے ناحق قتل کی کتنی اہمیت ہو گی اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے قتل کی اور اس سے بڑھ کر خدا ترس اور نیکوکار کے قتل کی"(۷۷)

دلوں کو پھیرنے والی ذات خداوند قدوس کی ہے۔ شیطان یار حمٰن سب سے پہلے دل پر قبضہ کرتا ہے اور ہر چیز کی اہمیت سب سے پہلے دل ہی میں جاگزیں کرنے کی سعی کرتا ہے۔ چنانچہ امن وامان قائم کرنے کیلئے احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں اپنا سارا زور اسی پر صرف کیا ہے کہ انسان کے رگ وریشہ میں یہ بات پیوست ہو جائے کہ انسانی جان کی بڑی قیمت ہے اور اس کی حفاظت ہر شخص کا دینی اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے۔

دین قیم کا یہ وہ زریں اصول ہے جس کے قلب میں راسخ ہو جانے کے بعد ساری عداوتوں کے باوجود مسلمان ایک لمحہ کے لیئے بھی قتل ناحق کے مسئلہ میں تذبذب میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ پوری عزیمت کے ساتھ اس سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتا ہے۔

ہادی دوجہاں اور داعی امن عالم نے امن قائم کرنے کیلئے مزید بہت

سے ارشادات فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک کا مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

☆ خدا کی رحمت انہی بندوں کیلئے ہے جو خدا کے بندوں کیلئے رحمت رکھتے ہیں۔

☆ زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

☆ جو شخص رحم کرے گا اگرچہ ایک چڑیا ہی کیلئے کیوں نہ ہو۔ خدا اس پر رحم کرے گا

☆ جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا:
"بدگمانی سے دور رہو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے"

☆ ایک دوسرے کے بھید نہ ٹٹولو۔

☆ عیب جوئی نہ کرو۔

☆ باہم بغض نہ رکھو اور بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (۷۸)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ ﷺ کا ارشاد ہے "آپس میں بغض نہ رکھو۔ آپس کے تعلقات نہ توڑو اور خدا کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔ کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین روز سے زیادہ قطع تعلق ہو۔ (۷۹)

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن پکے تو اسے چاہیے کہ شوربا زیادہ کرے پھر اس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔ (۸۰)

☆ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی محمد پر ایمان نہیں لایا (یعنی میری جماعت میں سے نہیں) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر سو جائے جب اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی

بھوکا ہو اور اسے علم ہو کہ پڑوسی بھوکا ہے۔(۸۱)

☆ ایک مرتبہ پڑوسیوں کے حقوق کی نشاندھی کرتے ہوئے فرمایا: اگر پڑوسی بیمار ہو تو اس کی خبر گیری کرو۔ اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کا ساتھ دو۔ یعنی تدفین میں ہاتھ بٹاؤ۔ اگر ضرورت مند ہو اور تم میں استطاعت ہو تو اسے قرض دو۔ اگر وہ برا کام کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔ اگر اسے نعمت مال ملے تو مبارک باد دو (جس سے دلی مسرت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔) اپنے گھر کی عمارت اس طرح بلند نہ کرو کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا رک جائے۔ جب تمہارے گھر میں کوئی اچھا کھانا پکے تو کوشش کرو کہ تمہاری ہنڈیا کی مہک پڑوسی اور اس کے بال بچوں تک نہ پہنچے یہ ان کے لئے باعث ایذا ہو گی یا اپنے اوپر لازم کر لو کہ اس کھانے کا کچھ حصہ پڑوس کے گھر بھی بھجو گے۔

تو مومنوں کو باہم رحم محبت اور مہربانی میں ایک جسم کے اعضاء کی طرح دیکھئے گا۔ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم بے خوابی اور بخار کی علامت بن جاتا ہے۔

اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لاتا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ایمان نہیں لاتا۔ اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لاتا۔ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کون؟ فرمایا جس کا ہمسایہ اس کی بد اعمالیوں سے امن میں نہ ہو۔(۸۲)

امن عالم کیلئے حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سیرت طیبہ سے جن تعلیمات۔ واقعات اور روایات کا تذکرہ کیا ہے گو بظاہر بعض اخلاقی ضابطے اور ترغیبات دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر امن واخوت کا مربوط نظام وضع کیا جائے۔ داخلی امن یعنی اسلامی ریاست کے شہریوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کی ضمانت دی جائے اور ان

تعلیمات کو "قانونی حیثیت" سے نافذ کیا جائے۔ اس کی خلاف ورزی پر تعزیر دی جائے۔ اسی طرح عالمی سطح پر اسلام کے "قوانین امن" کا اطلاق ہو زمانہ امن میں بھی اور زمانہ جنگ میں بھی۔

یوں حضور رسول اکرم ﷺ کی رحمتِ عامہ کا شاندار نمونہ آپ ﷺ کا پیغام امن و سلامتی اجڑے ہوئے گلشن انسانیت کیلئے نوید بہار ہے۔

امن کیلئے حضور اکرم ﷺ کے عملی اقدامات

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۸۳)

(بے شک تمہارے حضور ﷺ کی ذات ہی بہترین نمونہ ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

"لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۸۸)

(یہ حقیقت ہے کہ ہم نے اپنے رسول مدلل تعلیمات کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی اور ترازو حق و باطل معلوم کرنے کیلئے) تاکہ لوگ عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم رکھیں)

پھر ارشاد فرمایا:

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً (۸۵)

(اے ایمان والو! سب کے سب امن وسلامتی میں داخل ہو جاؤ)

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ (۸٦)

(قرآن مجید کے ذریعے اللہ انہیں جو اس کی خوشنودی کا اتباع کرتے ہیں، سلامتی

کی راہیں دکھاتا ہے۔)

"جس نے درگزر کیا اور معاملے کو بگاڑنے کی جگہ سنوار لیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے (۸۷)

"اور جو کوئی برائی پر صبر کرے اور بخش دے تو یقیناً یہ اولوالعزمی کی بات ہے۔" (۸۸)

"خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں اللہ کیلئے خرچ کرنے والے غصے کو پی جانے والے ہم جنسوں کے قصور بخش دینے والے۔ اللہ کی محبت انہی محسنین کیلئے ہے (۸۹)

"اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے (تلخی دنا خوشگواری) صابرانہ برداشت کرلی۔ نماز قائم رکھی۔ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے رہے اور برائی کا جواب برائی سے نہیں بلکہ نیکی سے دیا تو یقین کرو کہ یہی لوگ ہیں جن کیلئے آخرت کا بہتر ٹھکانہ ہے" (۹۰)

"اور اگر تم بدلا لو تو چاہئے کہ جتنی برائی تمہارے ساتھ کی گئی ٹھیک اسی کے مطابق بدلا لو اور اگر تم برداشت کر جاؤ تو صابروں کیلئے برداشت کر لینا ہی بہتر ہے (۹۱)

"ان کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔" (۹۲)

آقائے دوجہاں ساقی کوثر شافع محشر فخر موجودات مجسم امن عالم رحمت عالم سید المرسلین علیہ ﷺ کی ذاتِ اقدس مجسم خیر وبرکت اور رحمت وشفقت تھی۔ اس پر نہ کسی دیلا کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی ثبوت کی کیونکہ خود خالق کون ومکان کا ارشاد ہے :

"وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (ہم نے آپ کو دونوں جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا)

حضور پر نور ﷺ کی حیات طیبہ کے کسی بھی پہلو پر نظر ڈالیں اس میں خیر ہی خیر اور رحمت ہی رحمت نظر آئے گی۔ آپ ﷺ کی رحمت اور شفقت کسی طبقے کیلئے مخصوص نہ تھی بلکہ آپ ﷺ کا ابر رحمت دوست دشمن 'بوڑھے بچے جوان عورت آزاد' غلام 'انسان' حیوان کافر اور مسلمان ہر ایک پر جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔ آپ گہوارہ امن عالم تھے۔ کیوں نہ ہوں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نام ہی آمنہؓ یعنی امن والی اور آپ ﷺ کی دایہ اور رضائی ماں کا نام حلیمہؓ یعنی حلم والی ہے۔ پیغمبر امن و سلامتی کے رحمت بھرے چھینٹوں نے انسانیت کی بے آب و گیاہ کھیتی کو اس طرح سر سبز و شاداب کر دیا کہ اس کی طراوت سے آج بھی آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ قلم کو یارا نہیں کہ وہ حضور ﷺ کی رحمت و شفقت اور امن و سلامتی کے اقدامات کو معرض تحریر میں لانے کا حق ادا کر سکے۔ صرف چند واقعات یا جھلکیاں بطور تبرک پیش خدمت ہیں۔

قریش مکہ کو ہولناک جنگ سے بچا لینا :

ا۔ بعثت نبوی ﷺ سے پانچ سال پہلے کا ذکر ہے کہ قریش مکہ نے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا آغاز کیا کیونکہ اس کی پرانی عمارت بہت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ تمام اہل مکہ نے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب دیواریں کوئی ڈیڑھ گز اونچی ہو گئیں تو حجر اسود کو دیوار میں ایسی جگہ نصب کرنے کا سوال پیدا ہوا جہاں سے وہ طواف کرنے والوں کو نظر آئے اور وہ اسے بوسہ بھی دے سکیں۔ حجر اسود کی تنصیب ایک بہت بڑا اعزاز تھا اور قریش کا ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو۔ اس بات پر اتنا جھگڑا ہوا کہ سب قبائل مرنے مارنے پر تل گئے۔ بعض لوگوں نے تو خون

بھرا پیالہ سامنے رکھ کر حلف اٹھایا کہ وہ اس اعزاز سے کسی صورت میں دست بردار نہ ہوں گے۔ اس طرح تعمیر کا کام چار پانچ دن تک رو گیا۔ قریب تھا کہ تلواریں نیاموں سے باہر آجائیں۔ قریش کے ایک سن رسیدہ شخص ابو امیہ بن المغیرہ مخزومی نے اٹھ کر تجویز پیش کی کہ اے اہل قریش ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی بجائے اس بات پر اتفاق کر لو کہ اب جو شخص علی الصبح کعبۃ اللہ میں سب سے پہلے آئے اس کو ثالث بنالو۔ سب نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور سب سے پہلے آنے والی ہستی کیلئے چشم براہ ہو گئے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد یکایک ان کی نظر ایک پیکر نورانی پر پڑی۔ نہایت حسین و جمیل چہرہ' آفتاب سے بڑھ کر روشن میانہ قد گھنی داڑھی سیاہ بال' سرمگیں آنکھیں۔ تمام قبائل قریش بیک زبان پکار اٹھے۔

هذا الامین' رضينا' هذا محمد ﷺ

(یہ امین ہیں' ہم راضی ہو گئے' یہ تو محمد ہیں)

اب سب لوگ حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور یہ معاملہ آپ ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھادی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو چادر میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا کہ تمام قبیلوں کے نمائندے اس کپڑے کو پکڑ کر حجر اسود کو اوپر اٹھائیں۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ مقام تنصیب کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کو دیوار میں لگادیا۔ یوں قریش کی طویل اور خونریز خانہ جنگی سے بچ گئے۔ اگر اس موقع پر رحمت امن ﷺ ورود مسعود نہ ہوتا تو قریش ایک دوسرے سے لڑ کر صفحہ ہستی سے یکسر فنا ہو جاتے۔ حضور ﷺ چاہتے تو حجر اسود کے نصب کا شرف صرف اپنے خاندان (بنو ہاشم) کیلئے ہی مخصوص فرما سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی شان رحیمی نے یہ گوارا نہ کیا اور آپ ﷺ کے دریائے امن نے ہر قبیلے کو سیراب

کر دیا (۹۳)

حرب فجار کی شرکت۔ ناپسند : ۲۔ قبل از بعثت زندگی کے متعدد واقعات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عربوں کو امن و محبت کا درس دیا اور ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ قیام امن کے معاہدے فرمائے یا ان کی تحریک فرمائی۔ آپ حرب فجار میں شریک تو ہوئے مگر آپ ﷺ کو یہ شرکت ہرگز پسند نہ تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

"قد حضرته مع عمومی رمیت فیه باسهم وما احب انی لم اکن فعلت (۹۴)

۳۔ تاریخ یعقوبی کے مطابق حضرت ابو طالب جنگوں میں شریک ہوتے تو آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے جاتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ شریک ہوئے تو کنانہ نے قیس کو شکست دی۔ انہوں نے عرض کیا۔ ایسے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور پرندوں کو خوراک دینے والے کے بیٹے ہم آپ ﷺ کی موجودگی کو غلبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے ہم سے الگ نہ ہونا۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

"فاجتنبوا الظلم ولعدوان والقطعة والبهتان فانی لاغیب عنکم" (۹۵)

(ظلم، سرکشی، قطع رحمی اور بہتان تراشی سے باز آجاؤ تو میں الگ نہیں ہوں گا)

۴۔ **حلف الفضول میں بھرپور کردار** : حرب فجار میں ہونے والی خونریزی کے بعد آپ ﷺ نے قریش کے سرکردہ لوگوں سے گفتگو فرمائی اور اس بے چینی کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ان کوششوں کے نتیجہ میں حلف الفضول کا معاہدہ ہوا۔ شرکاء معاہدہ نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہوئے عہد کیا :

"جب تک دریا میں صوف کے بھگونے کی شان باقی ہے ہم مظلوم کا

ساتھ دیں گے تا آنکہ اس کا حق ادا کیا جائے"(۹۶)

حضور اکرم ﷺ کو اس معاہدہ میں شرکت اس قدر عزیز تھی کہ دور نبوت میں فرمایا کرتے :

ابن جدعان کے گھر جس معاہدے میں میں شریک ہوا تھا اگر اس کے مقابلے میں سرخ اونٹ بھی پیش کیئے جاتے میں نہ بدلتا"(۹۷)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے :

"لو دعیت به فی الاسلام الاجبب"(۹۸)

(اگر ظہور اسلام کے بعد بھی کوئی ایسے معاہدے کیلئے دعوت دے تو میں تیار ہوں)

جزیرہ عرب میں کوئی منظم حکومت نہ تھی نہ وہاں باقاعدہ عدالتیں تھیں تاکہ مظلوم دادرسی کیلئے ان کا دروازہ کھٹکھٹا سکے۔ سارا عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا اگر کسی قبیلہ کا کوئی فرد دوسرے قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے باز پرس نہ کرتا بلکہ قاتل کے سارے قبیلہ کو اپنے انتقام کا ہدف بناتا لیکن کمزور قبائل کیلئے ممکن نہ تھا کہ وہ طاقتور قبیلہ سے اپنے مقتول کا بدلہ لے سکیں۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر کسی شہر میں آجاتا اور اس شہر کا کوئی باشندہ اس پر ظلم وزیادتی کرتا تو اس کی فریاد سننے والا وہاں کوئی نہ ہوتا مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عربی قبائل کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اگر کوئی عربی قبیلہ کسی ایک قریشی قبیلہ پر حملہ کرتا تو سارے قریشی قبائل اس قبیلہ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو کر حملہ آور قبیلہ کا مقابلہ کرتے۔ یہ دریافت کرنے کی کوئی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

اس صورت حال سے مکہ کے وہ باشندے جن کو اللہ تعالی نے

درد مند دل عطا فرمایا تھا سخت نالاں تھے۔ انہیں یہ ہرگز پسند نہ تھا کہ کسی بے سہارا مسافر پر مکہ کا کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشائی بنے رہیں۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ پیش آیا کہ زبید (یمن) کا ایک تاجر اپنے سامان تجارت کے ساتھ مکہ آیا۔ عاص بن وائل جو یہاں کا ایک رئیس تھا اس نے اس تاجر سے سامان خریدا پھر اس کی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بے چارہ مسافر تھا۔ یہاں اس کی جان نہ پہچان۔ مسافر نے عاص بن وائل کے دوست قبائل عبدالدار' مخزوم سہم عدی بن کعب سے اس کی شکایت کی اور درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں اس کی مدد کریں۔ انہوں نے الٹا اسے جھڑک دیا۔ زبیدی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور حیلہ کیا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب قریش حرم کعبہ میں حسب معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ جبل ابی قیس کے اوپر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی۔

(اے فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو! جس کا مال و متاع مکہ شہر میں ظلماً چھین لیا گیا ہے۔ وہ غریب الدیار ہے اپنے وطن سے دور اپنے مددگاروں سے دور)

"وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔ اے مکہ کے رائیسو! میری فریاد سنو! مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔"

"عزت و حرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو۔ جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی حرمت نہیں۔"

حرم پاک میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی لیکن سب سے پہلے جس کو ایک مسافر اور بے یار و مددگار کی فریاد پر لبیک کہنے کا حوصلہ ہوا وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ آپ کو یہ سن کر یارائے ضبط نہ رہا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور

اعلان کیا :

مالھذا مترک

"اب اس فریاد کو نظر انداز کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں"

چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر بنو ہاشم' بنی زہرہ' بنی تیم بن مرہ قبائل جمع ہوئے۔ ابن جدعان نے پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ ان سب شرکاء نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد کیا کہ :

"وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے جہاں تک کہ ظالم' مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے۔ جب تک سمندر صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔"

اس معاہدہ کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہد قدیم میں بنو جرہم نے بھی اس قسم کا ایک معاہد کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہد کی تحریک کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا ان تینوں کا نام فضل تھا۔

۱۔ فضل بن فضالہ ۲۔ فضل بن وداعہ ۳۔ فضل بن حارث

جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال واپس کر دے۔ اب اسے مجال انکار نہ رہی اور اس نے مجبوراً اس کا مال اسے واپس کر دیا۔ اس موقع پر حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا ہے۔

"یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم کھائی ہے کہ سرزمین مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا"

"یہ ایسی بات ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ یا ہے۔ پردیسی اور

فقیر جوان کے ہاں ہو گا ہر قسم کے جور و ستم سے محفوظ ہو گا"

(الروض الانف ج:۱ ص:۵۶ او غیرہ من کتب السیرۃ)

رحمت امن عالم کی عمر مبارک اس وقت بیس سال تھی۔ حضور ﷺ نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ اس معاہدہ میں شرکت پر اظہار مسرت فرمایا کرتے تھے۔

یہ معاہدہ مدتوں نافذ العمل رہا۔ جب کسی مظلوم نے اس معاہدہ کا واسطہ دے کر فریاد کی تو لوگ بے تامل تلواریں بے نیام کیے۔ اس فریادی کی مدد کیلئے دوڑ کر آتے۔

مظلوموں کی مدد کے لئے مسلح دستہ کی تشکیل: رومانیہ کے وزیر خارجہ "کونستانس جیجورجیو" نے اپنی کتاب "نظرة جديدة في سيرة رسول الله" میں حلف الفضول کے بارے میں اپنی تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے اس حلف کو منظم اور طاقتور بنانے میں سرور امن عالم ﷺ کی مساعی جمیلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ حلف الفضول کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں:

"حلف الفضول عبارت نے اس منظم دستہ سے جو مسلح نوجوانوں پر مشتمل تھا اور جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی مظلوم کا حق ضائع نہ ہو"

(نظرة جديدة في سيرة رسول الله ص:۳۹)

وزیر موصوف لکھتے ہیں کہ:

ایک بدو جنوبی علاقہ سے فریضہ حج ادا کرنے کیلئے مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی بھی تھی جو بڑی خوبرو تھی مکہ کے ایک دولت مند تاجر اس نے بچی کو اغوا کر لیا۔ اب مسکین باپ کے کیسے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنے قبیلہ کے پاس جائے۔ انہیں اپنی داستان غم سنائے اور ان سے مدد کی

درخواست کرے۔ لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس کے قبیلہ میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے وہ مکہ کے دس قریشی قبیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ اسی پریشانی میں سرگرداں تھا۔ جب حضور ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے قریش کے نوجوانوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں کہا کہ قریشی نے تاجر کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی ہے اس پر انہیں خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ چنانچہ قریش کے چند نوجوان کعبہ شریف کے پاس جمع ہوئے اور سب نے بایں الفاظ حلف اٹھایا:

"ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ مظلوم کی مدد کریں گے جہاں تک کہ ظالم سے وہ اپنا حق واپس لے لے۔ اس حلف سے اس کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد نہیں ہوگا۔ اور ہم اس بات کی پرواہ نہیں کریں گے کہ مظلوم غنی ہے یا فقیر"

نظرة جديدة فى سيرة رسول الله'ص:۴۰)

پھر انہوں نے حجر اسود کو زمزم کے پانی سے دھویا اور اس دھوون کو پی لیا۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اپنی قسم پر پختہ رہیں گے۔ حلف برداری کی اس تقریب کے بعد سرور دو عالم ﷺ اپنے نوجوان ساتھیوں کے ہمراہ اس تاجر کے گھر گئے اور اس کے مکان کا گھیراؤ کر لیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بچی کو عزت وآبرو کے ساتھ واپس کر دے۔ تاجر نے کہا کہ ایک رات مجھے مہلت دو میں صبح وہ لڑکی اس کے والد کو لوٹا دوں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا۔ اس کو مجبور کیا کہ وہ بچی کو فوراً اس کے باپ کے سپرد کر دے۔ اسے بادل نخواستہ بچی کو واپس کرنا پڑا۔

اسی مصنف نے اس سلسلہ میں ایک اور روایت بھی لکھی ہے:

"ایک پردیسی تاجر مکہ آیا ابو جہل نے اس سے کچھ سامان خرید امگر اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پردیسی تاجر کو نوجوانوں کے اس جتھہ کے

بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ وہ فریاد کناں اپنے قبیلہ کے پاس آیا۔ انہیں برانگیختہ کیا کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن محدود افراد پر مشتمل قبیلہ قریش کے قبائل سے کیونکر ٹکر لے سکتا تھا۔ انہوں نے معذرت کر لی۔ وہ تاجر پھر مکہ لوٹ آیا۔ حضور اکرم ﷺ کو ابو جہل کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ ﷺ ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سامان کی قیمت تاجر کو ادا کرے چنانچہ مجبوراً اسے قیمت ادا کرنا پڑی۔

اس قسم کے واقعات سے حلف الفضول کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ مظلوم دبے آسرا لوگ جن پر اثر ورسوخ والے لوگ ظلم کیا کرتے تھے اور کسی کو انہیں ٹوکنے کی ہمت نہ تھی اب ان مظلوموں کو ایک سہارا مل گیا۔ جب بھی کسی پر کوئی شخص زیادتی کرتا تو حلف الفضول کے ارکان اور ان کے مسلح دستے کے نوجوان اس کی فریاد رسی کیلئے سامنے آجاتے۔ اس طرح حضور ﷺ کی ترغیب پر قریشی نوجوانوں کا ایک ایسا جتھہ تیار ہو گیا جو اس معاہدہ کے تحت کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ہر وقت سر دھڑ کی بازی لگانے کیلئے تیار رہتے تھے اور مکہ کے بڑے بڑے رئیسوں اور سرمایہ داروں کی مجال نہ تھی کہ ان کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ اسی لئے اس یورپین مورخ نے حلف الفضول کے نظریہ کو حضور ﷺ کی جانب منسوب کیا ہے۔

<u>اہل مکہ کے مظالم کا جواب نہ دینا</u> : ۵۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد از نبوت مکی زندگی میں آپ ﷺ نے اپنی ذات پر اور اپنے اصحاب پر ہونے والے تمام ظلم وستم برداشت کئے مگر کسی ظلم کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت بلالؓ حضرت یاسرؓ ، سمیہؓ زبیرؓ ، حضرت ابو بکرؓ حضرت عثمانؓ اور آنحضور ﷺ پر کئے جانے والے مظالم پر حضرات صحابہؓ اور آپ ﷺ کا صبر، ہجرت حبشہ، شعب ابی

طالب میں محصوری اور سفر طائف میں آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ امن پسند اور قیام امن کی کوششوں کی زندہ مثالیں ہیں۔(۹۹) اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ ﷺ نے ان کیلئے کبھی زبان اقدس سے بد عا تک بھی نہ کی بلکہ فرمایا:

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون"(۱۰۰)

۶۔ ان حوصلہ شکن اور نامساعد حالات میں آپ ﷺ امن کی نوید بھی سنایا کرتے اور فرماتے "ایک وقت آنے والا ہے جب ایک آدمی صفا یمن سے حضرت موت تک تنہا سفر کرے گا اور اُسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا(۱۰۱) اور یہ کہ "ایک عورت اکیلی حیرہ سے چلے گی اور بیت اللہ کا طواف کرے گی اور کوئی نہ ہوگا جو اسے تنگ کرے"(۱۰۲)

میثاق مدینہ۔قیام امن کی دستاویز: ۷۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے فوری طور پر جن امور کی طرف توجہ فرمائی ان میں "مواخات مدینہ" اور "میثاق مدینہ" خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ان اقدامات سے آپ ﷺ کا مقصود مہاجرین وانصار کو رشتہ اخوت میں منسلک کرنا' یہود اور مسلمانوں کو مدینہ کی شہریت میں امن وامان قائم رکھنے کیلئے تیار کرنا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ ہیں:

"مدینے میں رسول اکرم ﷺ نے مہاجرین کے معاشی مسائل حل کرنے کیلئے مواخات کا انتظام کیا اور اس کے بعد مملکت کے قیام کی طرف توجہ فرمائی اور وہ یوں کہ ایک مملکت میں حکمران اور رعایا کے جو حقوق و فرائض ہوں گے انہیں تحریری طور پر مرتب کیا گیا۔اس تاریخی دستاویز کو جو قابل ذکر اہمیت حاصل ہے وہ یہ کہ یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے"جو "نبی امی" کے ہاتھوں وجود میں آتا ہے"(۱۰۳)

ابن ہشام نے اس دستور کی ۵۳ (ترپن) دفعات کا پورا متن "السیرۃ النبویہ" میں درج کر دیا ہے۔ جن میں سے چند ایک اس طرح ہیں کہ :

i۔ یثرب کا شہر فریقین کیلئے مقدس و محترم ہو گا۔

ii۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو گا تو یہودی اور مسلمان مشترکہ طور پر اس کا دفاع کریں گے۔

iii۔ فریقین کے مابین پیدا ہونے والا ہر نزاع اور جھگڑا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔

iv۔ وانہ لا یحول ھذاالکتاب دون ظالم اولاتم وانہ من خرج امن ومن قعد امن بالمدینۃ الا من ظلم واثم(۱۰۴)

میثاق مدینہ کی شرائط سے یہ نقطہ عیاں ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ کی شہریت کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے اور گہوارہ امن بنانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔

اگرچہ ہجرت کے دوسرے ہی برس کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک خونی معرکہ "بدر" کے مقام پر رونما ہوا۔ مگر حضور ﷺ کا یہ اقدام حکم خداوندی کے تحت تھا اور پندرہ برس کے ظلم و ستم کے بعد جب اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے قتال کی اجازت ہو گئی تو اس کا سبب یہ بیان فرمایا :

"اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا۔۔۔۔۔۔ الخ"(۱۰۵)

"انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے جن پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے وہ جن کو ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر نکال دیا گیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار تو اللہ ہے۔"

۸۔ آنحضور ﷺ کی شان رحمت تو دیکھئے کہ عین میدان جنگ میں جب

مسلمانوں کے حوض پر قریش مکہ کے چند لوگ پانی لینے کیلئے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں پانی پینے دو (۱۰۶)

بدر کے قیدیوں سے حسن سلوک : ۹۔ جنگ کے نتیجہ میں جو لوگ قیدی بنائے گئے حضور ﷺ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی اور حکم فرمایا :

"استوصوابالسارى خيراً"

(قیدیوں سے نیک سلوک کرنے کی وصیت یاد رکھو)

قیدیوں میں سے ابو عزیز بن عمیر کہتا ہے کہ :

"میں انصار کے پاس قیدی تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی نصیحت کی وجہ سے وہ مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے۔ ان میں سے کسی کے ہاتھ میں روٹی کا کوئی ٹکڑا ایسا نہ تھا جو مجھے نہ دیا گیا ہو۔ مجھے شرم آتی تو میں وہ روٹی واپس کر دیتا مگر انصار وہ روٹی مجھے واپس کر دیتے اور اسے حضور ﷺ کے حکم کی وجہ سے چھوتے تک نہ تھے۔" (۱۰۷)

سازشی۔ یہودی قبائل کا مواخذہ نہ فرمانا : ۱۰۔ میثاق مدینہ کی صورت میں یہود کے ساتھ معاہدہ امن طے پا چکا تھا مگر در پردہ یہودی مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ۔ آنحضور ﷺ ہمیشہ اس معاہدے کی پاسداری فرماتے۔ مگر بنو قینقاع نے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا اور ایک انصاری کی بیوی کی بے حرمتی کی۔ مسلمان بے تاب ہوئے۔ ایک یہودی کو قتل کر ڈالا۔ انہوں نے جوابًا مسلمان کو شہید کر ڈالا۔ حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ :

"اللہ سے ڈرو کہیں بدر والوں کی طرح تم پر بھی عذاب نہ آئے" انہوں

نے جواب دیا۔ ہم قریش نہیں۔ ہم سے مقابلہ ہوا تو بتادیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے ؟ چونکہ انہوں نے خود دعوت جنگ دی تھی لہذا حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا اور پھر عبداللہ بن ابی کی سفارش اور تجویز پر بغیر مواخذہ کے انہیں جلاوطن ہونے کی اجازت فرمادی"(۱۰۸)

۱۱۔ اس طرح آپ ﷺ نے بنو نظیر کی بھی جان بخشی فرمائی اور انہیں مدینہ چھوڑنے اور اونٹوں پر مال واسباب لے جانے کی بھی اجازت عطا فرمادی۔(۱۰۹)

صلح حدیبیہ اور امن پسندی: ۱۲۔ ذیقعدہ ۶ ہجری میں حضور ﷺ ۱۴۰۰ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی نیت سے عازم مکہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ لیے اور ان کی گردنوں میں لوہے کے نعل قربانی کی علامت کے طور پر لگادیے۔ قریش کو اطلاع ہوئی تو تمام قبائل نے متفقہ فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے اور لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں۔ حضور ﷺ نے بدیل بن ورقا کے ذریعہ قریش مکہ کو پیغام بھجوایا کہ ہمارا مقصد جنگ نہیں بلکہ حرم کعبہ کی زیارت ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ لڑائی کی بجائے معاہدہ صلح کرلیں۔ سفارت کے بعد ایک صلح نامہ پر دستخط ہوئے جس کی شرائط میں یہ تھا کہ :

i۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں

ii۔ اگلے سال آئیں اور تین دن قیام کریں

iii۔ مکہ میں جو مسلمان موجود ہیں ان میں سے کسی کو نہ لے جائیں اور اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں

iv۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے اگر کوئی مدینہ جائے تو اسے واپس کردیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

حضور ﷺ ایک طویل مسافت کے بعد مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس

تشریف لے آئے اور بظاہر اپنے خلاف جانے والی شرائط پر صلح فرمائی مگر لڑنا پسند نہ فرمایا اور صلح کی شرائط کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے ایک مظلوم جانثار حضرت ابو جندلؓ کو پابہ زنجیر دوبارہ دشمنوں کے حوالے کر دیا۔(۱۱۰)

فتح مکہ اور جانی دشمنوں کی جان بخشی :۱۳۔فتح مکہ تاریخ انسانی کا ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر پیش کرنا ممکن نہیں۔۲۱ سال کے ظلم و جبر کے بعد آنحضور ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مکہ میں اس فاتحانہ شان سے داخل ہو رہے تھے کہ شکر کے جذبات سے سر اقدس جھکا جا رہا تھا۔یہاں پروفیسر حمید احمد خان کے مضمون ”اسوہ حسنہ“ سے ایک اقتباس پیش کرنا زیادہ مناسب ہے کہ اس تحریر میں محبت و عقیدت کا ایک سمندر موجزن ہے۔لکھتے ہیں :

”فتح مکہ کا دن عجیب تھا۔ آج خدا نے اپنے ہاتھ سے پیغمبر کے سر پر سطوت کبرائی کا تاج رکھ کر اسے دینی و دنیاوی کامرانی کی اعلیٰ ترین معراج پر فائز کر دیا۔اسی شہر نے جہاں اسے گالیاں دی جاتی تھیں۔سر پر نجاستیں ڈالی جاتی تھیں جہاں اس کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ آج اپنے دروازے کھول دیئے تھے۔دنیا کہے گی کہ آج ناز و غرور کے اظہار کا دن تھا۔ آج اسی کا سر جوش تفاخر میں ہفت افلاک سے بلند ہوتا تو بجا تھا اس کی پر جلال آنکھوں کو قدم قدم پر اپنے دشمنوں کی رسوائی و نگوں کاری کا منظر دیکھنا چاہئے تھا۔ہزارہا غلام جن کے قدموں کی دھمک سے زمین لرز رہی تھی اس وقت پیغمبر کے گرد حلقہ زن تھے مگر وہ عجز و فروتنی کی زندہ تصویر بنا اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا تھا۔اور جذبات تشکر سے سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ اونٹ کے کجاوے کے سامنے کے حصے سے جا رکا تھا۔کعبے کے اندر پہنچ کر بھی حضور ﷺ نے یہی شان نیاز پیش کی کہ اپنی عقل و تدبیر پر ناز کرنے کے بجائے خدائے قادر و توانا کے سامنے نہایت عجز

وانکسار سے اپنی پیشانی کو خاک میں رکھ دیا۔ رحمت عالم ﷺ نے سرکشوں کو بھی اپنے دامن رحمت میں چھپالیا اور شارع اسلام نے "الیوم یوم البر والوفا" کا اعلان عام فرمادیا۔

قریش جن کے تشدد و تعذیب کے باعث امت مسلمہ کو جلاوطن ہونا پڑا تھا۔ جب داعی امن عالم نے پوچھا کہ تم لوگ مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو تو انہوں نے عرض کی کہ نیک سلوک کی کیونکہ آپ مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں۔ طبری کے بقول قریش کے اس طرز کلام پر رسول اطہر ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ آج میں تم سے وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُاللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَاَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ "(111)

(آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے)

خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ کائنات میں "داعی امن واخوت" ہونے میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اور ہو سکتا ہے؟

مخالفین کے ساتھ کمال نرمی٬ امن اور بھلائی کے اقدامات

رسول اکرم ﷺ کے مخالفین کے تین گروہ تھے۔ پہلا گروہ ان لوگوں کا تھا جو کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے۔ دوسرا گروہ منافقین کا تھا جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اندر ہی اندر اس کی جڑیں کاٹنے پر تلے ہوئے تھے۔ تیسرا گروہ ان اقوام کا تھا جن سے حضور ﷺ نے معاہدات کئے ہوئے تھے۔ خصوصاً یہود مدینہ۔ یہ لوگ بظاہر مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتے تھے لیکن حقیقت میں یہ اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ رسول کریم ﷺ نے ان سے نرمی٬ امن اور بھلائی کا سلوک کیا۔ چند

اہم واقعات پیش خدمت ہیں:

دشمنوں سے سلوک

انسان کی امن پسندی اور عفو و درگزر کا صحیح پتہ اس وقت چلتا ہے جب اسے اپنے دشمنوں اور ایذا دینے والوں پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی غلطیاں معاف ہو سکتی ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب دشمن پر غلبہ حاصل ہو جائے تو پھر اسے معاف کرنا اخلاقی معیار اور امن پسندی کی معراج ہے۔

۱۴۔ آنحضور ﷺ کی ذات گرامی کا یہ پہلو بے مثال طور پر عیاں ہے۔ کتب احادیث میں متفقہ طور پر روایات ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے سلسلے میں کبھی انتقام نہیں لیا۔ (۱۱۲)

۱۵۔ قریش نے طے کر لیا تھا کہ محمد ﷺ کو ختم کر دیا جائے اور قتل کا یہ منصوبہ اسی شب تکمیل پذیر ہوتا جس رات آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ (۱۱۳)

۱۶۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حفاظت وہاں سے نکالا۔ پھر ایک وقت آیا جب آپ ﷺ ان سے انتقام لینے پر قادر تھے لیکن کسی شخص کو سزا نہ ملی (۱۱۴)

۱۷۔ ہجرت ہی کے موقعہ پر قریش مکہ نے آپ ﷺ کے سر مبارک کی قیمت لگائی تھی اور اس شخص کو سو (۱۰۰) اونٹ دینے کا اعلان کیا جو حضور ﷺ کو زندہ پکڑ لائے یا آپ ﷺ کا سر لے آئے۔ سراقہ بن مالک بن جعشم نے اپنے تیز رفتار گھوڑے کی مدد سے یہ کام انجام دینے کی ٹھانی۔ اس نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھ لیا۔ قریب پہنچنے کی کوشش کرتا تو گھوڑا زمین میں دھنس جاتا۔ وہ تین دفعہ کی کوشش کے بعد ارادہ ترک کر دیا اور آپ ﷺ سے سند امان حاصل کرنے کی درخواست دی۔ آپ ﷺ نے اسے سند امان لکھ دی۔ (۱۱۵) آٹھ سال بعد فتح

مکہ کے موقعہ پر جب سراقہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کی سابقہ جرم کا ذکر تک نہ ہوا (116)

۱۸۔ عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ ایک وقعہ آپ ﷺ ذات الرقاع غزوہ سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ کیا اور تیز دھوپ کی وجہ سے لوگ درختوں کے نیچے آرام کرنے لگے۔ ایک بدو نے غافل سمجھ کر تلوار پکڑ لی اور سونت کر بولا۔ محمد ﷺ آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ۔ اس آواز کی تاثیر تھی کہ وہ کانپنے لگا۔ تلوار نیام کر لی۔ اتنے میں صحابہ آ گئے۔ آپ نے سارا واقعہ بیان فرمایا لیکن اس شخص کو کسی قسم کی سزا نہ دی (117)

۱۹۔ صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسی آدمیوں کا دستہ تاریکی میں جبل تنعیم سے اتر کر آیا تاکہ چھپ کر حضور ﷺ کو قتل کر دیں۔ مسلمان ہوشیار تھے۔ انہوں نے گرفتار کر لیا لیکن آپ ﷺ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور انہیں چھوڑ دیا۔ مفسرین کے مطابق قرآن مجید کی مندرج آیت اس موقع پر اتری۔ (118)

"وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ (119) (وہی اللہ ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لئے)

۲۰۔ خیبر کی جس یہودیہ نے آپ ﷺ کو کھانے میں زہر دیا تھا (120) اور یہودیوں کے اقرار کے باوجود آپ ﷺ نے کوئی تعرض نہ کیا حالانکہ اس زہر کا اثر آپ ﷺ کو آخری دم تک محسوس ہوتا رہا (121) آپ ﷺ نے اپنی ذات کا خیال تو نہ کیا لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی فوت ہوا تو آپ ﷺ نے اسے قصاص کی سزا دی (122)

۲۱۔ مشرکین مکہ نے آپ سے جو سلوک کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ تکلیف

واذیت کی جو صورت بھی اختیار کر سکتے تھے کی گئی اور تحقیر و تذلیل کا جو حربہ بھی استعمال کر سکتے تھے کیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح عطا فرمائی اور آپ ﷺ سیاسی و عسکری طور پر غالب آئے تو آپ ﷺ نے جو رویہ اختیار فرمایا وہ بھی تاریخ انسان میں اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ ﷺ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ سراپا عفوو درگزر تھے۔ امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر انصار کے لشکر کا جھنڈا مشہور صحابی سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ ایک قائد کی حیثیت سے ایک جملہ کہہ بیٹھے (۱۲۳) "الیوم یکم الملحمة" یعنی آج جنگ و قتل کا دن ہے۔ یہ حضور ﷺ امن و سلامتی کی پالیسی عفوو درگزر کے خلاف تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جھنڈا ان سے لے لیا جائے۔

<u>عکرمہ بن ابو جہل پر کمال مہربانی</u> :۲۲۔ مکہ میں آپ ﷺ کی مخالفت و عناد میں سر فہرست ابو جہل اور ابو سفیان کا گھرانہ تھا۔ ابو جہل تو جنگ بدر میں مارا گیا لیکن اس کا بیٹا عکرمہ جو بعد کی جنگوں میں حصہ لے چکا تھا۔ اس خوف سے بھاگ گیا کہ فتح مکہ کے بعد اس کے لئے موت کے سوا کچھ نہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو حضور ﷺ کے امن ودرگزر اور اسلام کی عظمت کا احساس دلایا اور خاوند کو مسلمان کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں لائیں۔ (۱۲۴) حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں کو آتے دیکھا تو خوشی سے اٹھے اور اتنی تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسد اطہر پر چادر کا خیال بھی نہ کیا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

"مرحبا بالركب المهاجر" (۱۲۵)

(اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو)

۲۳۔ حضرت ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے حضور اکرم ﷺ کے محبوب چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا تھا اور جگر کے ٹکڑے کئے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اطاعت کے سوا چارہ نہ پاکر بارگاہ رسالت میں نقاب پہن کر بیعت کیلئے حاضر ہوئی تاکہ پہچانی نہ جاسکے۔ آپ ﷺ نے پہچان لیا لیکن عفو ورحم کے باعث محسوس نہ ہونے دیا۔ ہندہ نے آپ ﷺ کے اخلاق سے متاثر ہوکر کہا :

"یارسول اللہ میری نگاہ میں آپ ﷺ کے خیمے سے زیادہ مبغوض کوئی خیمہ نہ تھا لیکن آج آپ ﷺ کے خیمے سے زیادہ محبوب تر کوئی خیمہ نظر نہیں آتا۔(۱۲۶)

۲۴۔ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر وہ طائف چلا گیا۔ جب طائف بھی آپ ﷺ کے زیر نگیں ہو گیا تو حضور ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور امان پائی۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا :

"ھل تستطیع ان تغیب وجھا عنی"(۱۲۷)

(ہوسکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو)

ابوسفیانؓ کا اکرام : ۲۵۔ ابوسفیان ہی کو لے لیجئے۔ حضور اکرم ﷺ اور اسلام کا بدترین دشمن۔ بدر سے فتح مکہ تک تمام جنگوں اور تصادم کی سرگرمیوں میں وہ کسی نہ کسی طور پر شریک رہا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت عباسؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ قتل کے برعکس نہ صرف معاف کیا بلکہ اس کے گھر کو امان کی جگہ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

"من دخل دار ابی سفیان فھو امن"(۱۲۸)

(جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے اس کا قصور معاف ہوگا)

۲۶۔ فتح مکہ کے موقع پر جو بڑے مجرم مطلوب تھے ان میں ہبار بن الاسود بھی تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ہجرت کے وقت اونٹ سے گرایا تھا جس سے سخت چوٹ بھی آئی تھی اور حمل بھی ساقط ہوا۔ وہ ایران کی طرف بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن حضور ﷺ کے حلم وعفو کے باعث بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو دامن رحمت دامن نے پناہ دے دی۔(۱۲۹)

۲۷۔ حضور اکرم ﷺ جس زمانہ میں فتح مکہ کی تیاریاں کر رہے تھے اور حسب معمول حربی حکمت عملی کے تحت ہر بات کو مخفی رکھ رہے تھے تاکہ کفار کو پتہ نہ چلے۔ حاطب بن بلتعہ نے قریش کو ان تیاریوں کی اطلاع دینا چاہی۔ انہوں نے ایک خط لکھ کر اپنی عورت کے ذریعہ مکہ روانہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ کو اس کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو پیچھے بھیجا جو عورت کو خط سمیت گرفتار کر لیا۔ جب حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے قصور کا بر ملا اعتراف کیا۔ وجوہ بتائیں اور غلطی کی معافی چاہی۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی کو بھی معاف فرمایا اور اس عورت سے بھی کوئی تعرض نہ کیا۔(۱۳۰)

یہ کوئی معمولی خطا نہ تھی۔ اپنی قوم کے خلاف ایک طرح کی مخبری تھی اور مسلمانوں کو اس سے شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ کوئی اور حکمران ہوتا تو سزا کچھ اور ہوتی۔ حضرت عمرؓ کے شدید رد عمل کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں معاف فرمادیا۔(۱۳۱)

۲۸۔ غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا:

"ما اراد بهذه القسمة وجه الله"(۱۳۲)
(یہ قسم اللہ کی رضامندی کیلئے نہیں)

آپ ﷺ اس الزام پر سزا بھی دے سکتے تھے۔ سخت رویہ بھی اختیار کر سکتے تھے لیکن اس پر سخت رد عمل کے اظہار کی بجائے صرف اتنا فرمایا:

"رحم الله موسى لقد اوذى باكثر من هذا فصبر"(۱۳۳)
(اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا اور انہوں نے صبر کیا)

اہل طائف کیلئے دعاء :۲۹۔رسول کریم ﷺ تبلیغ اسلام کیلئے طائف تشریف لے گئے تو اہل طائف نے آپ ﷺ سے استہزاء کیا۔بازاری لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگادیا۔جو آپ ﷺ کی ہنسی اڑاتے رہے۔شہر کے اوباش جمع ہو گئے جب آنحضرت ﷺ ان کے درمیان سے گزرے تو انہوں نے دونوں طرف سے پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ آپ ﷺ کے پائے مبارک زخمی ہو گئے۔دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں۔اگر آپ ﷺ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شیطان لوگ آپ ﷺ کا بازو پکڑ کر کھڑے کر دیتے۔جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے۔آپ ﷺ کو اس دن بہت سخت تکلیف پہنچی تھی۔نو برس بعد جب حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک دن دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ تمام عمر میں آپ ﷺ پر سب سے زیادہ سخت دن کونسا آیا تو آپ ﷺ نے اسی طائف کا حوالہ دیا(۱۳۴)

۸ھ میں مسلمانوں کی فوج نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔یہ محاصرہ کئی دن تک جاری رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔بہت مسلمان شہید ہو گئے۔آپ ﷺ نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن پرجوش مسلمان نہ مانے۔انہوں نے آنحضرت ﷺ سے

عرض کی کہ طائف والوں کیلئے بددعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

"اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔"

یہ دعا اس شہر کے حق میں فرمائی جا رہی تھی جہاں سے آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے۔ زخمی کیا گیا اور پناہ دینے سے انکار کیا گیا۔

طائف میں تبلیغ کے دوران وہاں کے انیس عبدیالیل کے خاندان نے آپ ﷺ کی سخت مخالفت کی تھی اور طرح طرح کے مظالم ڈھائے تھے۔ یہی لئن عبدیالیل جب طائف کا وفد مدینہ لے کر آیا تو رحمت للعالمین نے بڑی فراخدلی سے اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اتارا۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہر روز نماز عشاء کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے۔ ایسے عفو و درگزر کے واقعات تاریخ عالم میں شاذ ہی ملیں گے۔ (۱۳۵)

<u>قحط میں اہل مکہ کی امداد</u> : ۳۰۔ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر رونق افروز مدینہ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فرمان:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّ (اللہ ایسا نہیں کرے گا کہ انہیں عذاب دے

بَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (۱۳۶) اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہوں)

مفہوم ظاہر فرمایا اور اہل مکہ پر قحط شدید کی آفت کو اتارا۔ قحط اس شدت کا تھا کہ اہل مکہ کی آنکھوں کی روشنی بھی کم ہو گئی۔

ابو سفیان اموی مسلمانوں سے ہمیشہ برسر پرخاش رہا کرتا تھا وہ دربار مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے گستر ہوا کہ حضور ﷺ ہمیشہ احسان اور صلہ رحم کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے قرابتی ہیں اور

رحم کے مستحق' احسان فرمایئے اور دعا کیجئے کہ اس قحط شدید سے ہم کو نجات ملے۔ والی امن عالمین ﷺ نے ثمامہ بن اثال سردار نجد کو جو دولت ایمان سے مالا مال ہو چکا تھا حکم بھیج دیا کہ مکہ میں فوراً غلہ پہنچانے کا بندوبست کرے۔ ان کے علاقے میں اناج بکثرت تھا۔ انہوں نے غلہ صرف اس لئے روک رکھا تھا اور منفعت تجارت کو بھی نظر انداز کر دیا تھا کہ اہل مکہ دشمنان رسول ہیں۔ اب حکم نبوی ﷺ کی تعمیل ہوئی تو اہل مکہ کی جان میں جان آئی۔ (۱۳۷)

۳۱۔ غزوہ احد میں دشمنوں نے حملہ کیا اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو آپ ﷺ دشمنوں کے نرغے میں آگئے۔ آپ ﷺ پر پتھر۔ تیر اور تلوار کے وار ہونے شروع ہو گئے۔ داندان مبارک شہید ہو گئے خود کی کڑی سر مبارک میں دھنس گئی۔ چہرہ مبارک خون سے رنگین ہو گیا۔ اس حالت میں بھی رسولِ رحمت نے کفار کے حق میں بد دعا نہیں فرمائی بلکہ فرمایا :

"کیف یفلح قوم شجوانبیھم ـــــ الخ"

(وہ قوم کیسے نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے۔ خداوندا۔ میری قوم کو ہدایت فرما کہ وہ جانتی نہیں ہے۔)

قاتل کی جان بخشی : ۳۲۔ جنگ بدر میں کفار کو شکست ہوئی تھی ان کا جانی ومالی نقصان بھی کافی ہوا تھا۔ عمیر بن واہب اور صفوان بن امیہ ایک دن اکٹھے بیٹھے اس نقصان کا ماتم کر رہے تھے کہ صفوان نے کہا کہ اب جینے کا لطف نہیں رہا۔ عمیر نے جواب دیا اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں محمد ﷺ کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید میں پڑا ہے۔ صفوان نے اس کے بچوں اور قرض کی ذمہ داری لی۔ عمیر نے فوراً گھر آکر تلوار زہر میں بجھائی اور مدینہ روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے اس کے مخفی جذبے کو اس کی پیشانی

سے پڑھ لیا اور گلے سے پکڑ کر حضور ﷺ کے سامنے لائے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اب اسے چھوڑ دو۔ قریب بلایا۔ پوچھا کس ارادے سے آئے ہو۔ عمیر نے کہا بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ پوچھا کہ یہ تلوار کیوں لٹکائے رکھی ہے۔ عمیر نے کہا۔ آخر تلواریں بدر میں کیا کام دے سکیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اس کے سینے کا راز کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا فرمایا کہ تم نے اور صفوان نے حجرے میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش کی ہے لیکن اللہ تمہارے اور تمہارے ارادے کے بیچ میں حائل ہے۔

عمیر نے سنا تو مبہوت ہو گیا اور بولا۔ خدا آپ ﷺ سچے پیغمبر ہیں۔ میرے اور صفوان کے علاوہ اس معاملے کی اور کسی کو خبر نہ تھی۔ اس کا جرم ثابت ہونے پر بھی رسول اکرم ﷺ امن و رحمت نے اسے معاف کر دیا۔ عمیرؓ مسلمان ہو گئے۔ واپس مکہ پہنچ کر جرات کے ساتھ اسلام کی دعوت دی اور بہت بڑی تعداد کو اسلامی جھنڈے تلے لے آیا۔

<u>صفوان بن امیہ کیلئے امان</u> : ۳۴۔ صفوان بن امیہ وہ رئیس تھا جس نے حضرت عمیرؓ کو رسول کریم ﷺ کے قتل پر مامور کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ بھاگ گیا۔ عمیرؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ صفوان جو اپنے قبیلہ کا سردار ہے ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دے۔ رسول مرحمت نے فرمایا اس کو امان ہے عمیرؓ نے دوبارہ عرض کی کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمائیں تاکہ اس کو یقین آجائے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنا عمامہ اتار کر دے دیا۔ صفوان آستانہ نبوی ﷺ پر حاضر ہوا اور کہا :

"مجھے یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے امان دے دی ہے کیا یہ سچ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمای "سچ ہے" اس نے کہا میں آپ ﷺ کا دین ابھی قبول

نہیں کروں گا۔ مجھے دو مہینے کی مہلت دے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تمہیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے" لیکن وہ مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔"

۳۴۔ ایک قبیلہ مسلمان ہوتے ہی قحط سالی کا شکار ہو گیا۔ وسائل کی کمی کے پیش نظر آپ ﷺ نے ایک یہودی سے اسی دینار قرض لے کر انہیں خوراک مہیا کر دی۔ ابھی اس کی ادائیگی کا وقت نہیں آیا تھا کہ زید بن میہ یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور نہایت درشتی کر ختگی سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا "خدا تم ہو عبدالمطلب بڑے ہی نادہندہ ہو" حضرت عمرؓ اس کی گستاخی پر سخت ناراض ہوئے اور اس کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر! تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھے حسن ادائیگی کی تلقین کرتے اور اسے حسن طلب کی۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اس کے قرض کی فوری واپسی کا حکم دیا بلکہ بیس صاع زیادہ کھجوریں دینے کا حکم بھی دیا۔ یہ سلوک دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ (ابن جوزی خفاجی شرح شفا ص : ۴۲۵)

۳۵۔ عیسائیوں کو قتل نہ کیا جائے : میشو اپنی کتاب "جنگ صلیبی" میں لکھتا ہے :

"آنحضرت ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو راہبوں کے قتل سے روکنے کی خصوصیت کے ساتھ ممانعت فرمائی کہ وہ لوگ نماز پڑھنے والے تھے"

۳۶۔ عیسائیوں کو مسجد میں ٹھہرایا گیا : ایک بار نجران کے چند عیسائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں مسجد میں ٹھہرایا گیا اور انہیں مسجد ہی میں مسیحی مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی۔ اس طرح ایک دفعہ قوم ثقیف کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ

نے اس کیلئے مسجد میں خیمہ نصب کرا لیا۔ مقالات سیرت' ص: ۱۵۶)
اس پر صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول: ان لوگوں کو مسجد میں جگہ دی گئی حالانکہ یہ لوگ نجس ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"روئے زمین پر کوئی انسان نجس نہیں ہے۔ البتہ انسان خود اپنے کو نجس بنالیتا ہے۔"

اس ضمن میں حدیث شریف ہے:
"اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے مجمع کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان مشرک بت پرست۔ یہودی اور ہر قسم کے آدمی تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا۔ (بخاری شریف)

۳۔ مکے والوں کیلئے چندہ کیا: غزوہ احد کے بعد سخت قحط پڑا۔ وہاں کے لوگ سخت پریشان تھے۔ رحمت دو عالم کو جب اس قحط اور مکہ والوں کی پریشانی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار سے مکہ والوں کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ اس پر چندے جمع کیلئے گئے او جب ایک خاصی رقم جمع ہو گئی تو اہل مکہ کے پاس بھجوا دی۔ چندہ ان لوگوں کیلئے اکٹھا کیا گیا جن کے مظالم سے تنگ آکر رسول خدا اور آپ ﷺ کے پیروکار اپنا وطن عزیز چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔

منافقین سے سلوک

مدینہ میں آکر جہاں ایک طرف مصیبتوں میں کمی ہوئی وہاں دوسری طرف ان میں کچھ اضافہ بھی ہو گیا۔ مکہ میں صرف قریش مخالف تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے علاوہ ایک تیسری قسم کے مخالفین کا گروہ پیدا ہو گیا۔ یہ منافقوں کا گروہ تھا جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے مگر در پردہ اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ مار آستین ہونے کی وجہ سے یہ گروہ قریش اور یہود سے

بھی زیادہ خطرناک تھا لیکن آنحضور ﷺ نے اس گروہ سے بھی رحم' شفقت' امن اور نرمی کا سلوک کیا جس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں کہیں اور نہیں ملتی۔

۳۹۔ ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا "السام علیکم" یعنی تم کو موت آئے" حضرت عائشہ صدیقہؓ سمجھ گئیں۔ انہوں کہا: "د علیکم السام واللعنۃ" (یعنی تم کو موت آئے اور تم پر لعنت ہو) رسول کریم ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ "عائشہ ٹھہر جاؤ۔ خدا تمام کاموں میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ بولیں یا رسول اللہ! انہوں نے جو کچھ کہا آپ ﷺ نے نہیں سنا۔ فرمایا میں نے بھی تو کہہ دیا کہ علیکم" یعنی تم پر۔ آنخضرت ﷺ کے جواب میں یہ خوبی ہے کہ بات وہی ہوئی مگر اس میں سختی کا نشان نہیں اور پھر اس طرح سے مخاطب ذرا سوچے تو خود بخود اس کا دل شرمندہ ہو۔ ۱۴۸)

۳۹۔ جب غزوہ تبوک سے آپ ﷺ کی واپسی ہوئی تو منافقین کے دل اس مہم کی کامیابی سے بھنے جا رہے تھے کیونکہ ان جیسے دشمنوں کے ارمان کچھ اور تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش باندھی اور اس سازش میں بارہ آدمی شریک ہوئے۔

طے یہ پایا کہ حضور ﷺ جب عقبہ (ایک تنگ راستہ یعنی گھاٹی) سے گزریں تو انہیں گرا دیا جائے تاکہ رات کی تاریکی میں پتہ نہ چل سکے کہ کسی نے عمداً گرایا ہے یا خود بخود ٹھوکر سے گرے ہیں۔ جب عقبہ کا خاص مقام آگیا تو سازشی گروہ آیا۔ رات کی تاریکی بھی تھی اور انہوں نے چہرہ پر نقابیں ڈال رکھی تھیں۔ حضور ﷺ کی آہٹ ہوئی تو ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو پیچھے لوٹا دیں اور اس مقام سے اونٹ کو تیزی سے نکال لے جانے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ کے قتل کی سازش ناکام ہوئی وہ پکڑے گئے اور انہوں نے

اپنے جرم کا اقبال بھی کر لیا۔ لیکن حضور امن ورحمت نے اتنے بڑے جرم پر بھی عفوودرگزر سے کام لیا۔ آپ ﷺ سے درخواست بھی کی گئی کہ ان میں سے ہر ایک کے اہل قبیلہ کو حکم دیں کہ وہ اپنے اپنے آدمی کا سر آپ ﷺ کے سامنے لائیں۔ جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا:

میں پسند نہیں کرتا کہ عربوں میں یہ چرچا ہو کہ محمد ﷺ نے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کا مقابلہ کیا اور پھر جب غلبہ پالیا تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرنے لگا۔ (۱۳۹)

اس طرح گویا حضور ﷺ اپنے بے وفا ساتھیوں اور منافقوں کو بھی "اپنا ساتھی" کہہ کر نفسیاتی طور پر اپنے ساتھ ہی رہنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ تسخیر قلوب کا یہ وہ اخلاقی حربہ تھا جو حضور عالم ﷺ کا امتیازی نشان ہے۔

۰۴۔ مریسیع ۵ھ کی مہم سے واپسی پر ایک مہاجر اور انصاری میں پانی لینے پر جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر الانصار کا نعرہ مارا۔ مہاجر نے بھی یا معشر المھاجرین کے نعرہ سے جواب دیا۔ نعرے سن کر قریش وانصار نے تلواریں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگوں نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا اس نے اس واقعہ کو خوب ہوا دی اور انصار سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم نے یہ بلا خود مول لی۔ مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اب بھی موقعہ ہے کہ تم ان کی دستگیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے"

آنحضرت ﷺ کو یہ ساری باتیں پہنچیں مگر آپ ﷺ نے درگزر سے کام لیا۔

۱۳۹۔ یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن ابی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا اس کے صاحب زادے عبداللہ اس قدر اسلام کے جانثار تھے۔ آنحضور ﷺ کی ناراضگی کی بناء پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ ﷺ عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا جانتی ہے کہ میں آپ ﷺ کا کس قدر خدمت گزار ہوں اگر آپ ﷺ کی ایسی مرضی ہے تو مجھ ہی کو حکم دیں میں ابھی باپ کا سر کاٹ کر لاتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آکر قاتل کو قتل کر دوں۔ رحمتِ امن و سلامتی نے اطمینان دلایا کہ "قتل کی جائے میں اس پر مہربانی کروں گا"

یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو کفن کیلئے سر آپ ﷺ نے خود پیرائے مبارک سے عنایت فرمایا۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ آپ ﷺ منافق کی نماز پڑھتے ہیں (۱۴۰) لیکن رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز جنازہ ضرور پڑھاؤں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ قرآن کریم میں ہے کہ اگر تم ان کیلئے ستر (۷۰) دفعہ بھی عفو و درگزر کیلئے دعا مانگو تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تب تو میں ستر (۷۰) دفعہ سے زیادہ ان کیلئے دعا مانگوں گا۔ (۱۴۱)

اسیرانِ جنگ سے سلوک

جاہلی نظام میں اسیران جنگ فاتح کے رحم و کرم پر ہوتے اور ان پر ظلم توڑے جاتے۔ ان سے بد سلوکی کی جاتی اور ان کو غلامی میں ڈال دیا جاتا اور آج کے مہذب دور میں بھی جنگی قیدیوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ سب پر واضح ہے۔ تورات میں دشمنوں کی جان تو کجا ان کے حیوانوں اور

عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الٰہی بتایا گیا تھا۔

لیکن ان سب کے مقابلے میں قرآن کریم میں یوں مذکور ہے کہ جب کافروں سے بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو۔ اور جب ان کو چور چور کر دو تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کرو۔ ان سے فدیہ لو۔

حملہ آور دشمن پر مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان نمائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلد رہی ہیں اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی۔ سرورِ امن عالم ﷺ نے ہر موقع پر اسیرانِ جنگ دشمنانِ دین، قاتلان مومنین اور محاربین رسول ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔ بدترین دشمن جان گرفتار ہو کر آتا ہے اور بدترین سلوک کا مستحق ہوتا ہے لیکن سرورِ دوعالم کی رحمت انہیں سزا دینا گوارا نہیں کرتی بلکہ معاف فرما دیتی ہے۔

۴۲۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے کل چودہ (۱۴) آدمی شہید ہوئے اور قریش کے بہت سے نامور سردار مارے گئے اور گرفتار ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے تمام قیدیوں کو صحابہؓ میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا اس پر صحابہؓ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجوریں کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے جن کے پاس کپڑے نہ تھے انہیں کپڑے دیتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اسیران جنگ کے بارہ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ قتل کر دیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا گیا جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے ان میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم

ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں اور وہ رہا کردیئے جائیں گے۔(۱۴۲)

۴۳۔ بدر کے قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا وہ حضرت عمرؓ کا چچازاد بھائی تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا۔ وہ عام مجمعوں میں آپ ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوادیجیے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ حضور ﷺ نے اسے معاف کردی۔ نہ صرف سزا نہ دی بلکہ پیشین گوئی بھی کہ کہ خدا سہیل کی زبان سے ایک دن دین کی خدمت لے گا۔ حدیبیہ کے موقع پر یہی سہیل قریش کا سفیر تھا اور اسی نے "محمد رسول اللہ" لکھے جانے پر اعتراض تھا۔ حضور ﷺ کی وفات پر جب قریش مکہ ڈانواں ڈول ہو رہے تھے تو اسی سہیل کے زبردست خطبے نے انہیں گمراہی سے بچالیا اور وہ مرتدین کا ساتھ دینے کی بجائے ان کے خلاف لڑے۔

۴۴۔ واقعات بدر میں مذکور ہے کہ جب حملہ آوران مکہ قید کر لئے گئے تو رات کو نبی اکرم ﷺ کو نیند نہ آئی۔ حضور ﷺ ادھر سے ادھر کروٹیں لیتے تھے اور کرب واضطراب نمایاں تھا۔ ایک انصاری نے عرض کی کہ حضور ﷺ کو کچھ تکلیف ہے۔ فرمایا نہیں۔ مگر عباس کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آرہی ہے اس لئے مجھے چین نہیں پڑتا۔ انصاری چپکے سے اٹھا اس نے جاکر عباس کی مشک بندی کھول دی' انہیں آرام مل گیا تو وہ فوراً سو گئے۔ انصاری پھر حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ عباس کی آواز کیوں نہیں آتی۔ انصاری بولا کہ میں نے ان کے بند کھول دیئے ہیں۔ فرمایا جاؤ سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرو۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں۔ تب حضور ﷺ کا اضطراب دور ہوا اور حضور ﷺ خواب شیریں سے

استراحت گزیں ہوئے۔

یہ وہ قیدی تھے جنہوں نے تیرہ سال تک متواتر اہل ایمان اور آپ ﷺ کو ستایا تھا۔ کسی کو آگ پر لٹایا۔ کسی کو خون میں نہلایا۔ کسی کو پتھروں کے نیچے دبایا۔ تو کسی کو سخت اذیتوں کے بعد خاک و خون میں سلا دیا تھا اور پھر ان پر یہ نرمی اور سلوک!

•

عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے چچا تھے اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے وہ بادل نخواستہ صرف قوم کے اکراہ و احیاء سے بدر میں آئے تھے۔ بااین ہمہ حضور ﷺ کے عدل و انصاف اور امن و سلامتی سے ان میں اور دوسرے قیدیوں میں کوئی امتیازی فرق قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔ (۱۴۳)

مفتوحین کے ساتھ سلوک

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو حرم پاک کے صحن میں اس حرم میں جہاں آپ ﷺ کو گالیاں دی گئیں۔ آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں۔ آپ ﷺ کو قتل کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔ قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کو جھٹلایا کرتے اور وہ بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے وہ بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کی ہجویں کیا کرتے تھے وہ بھی تھے جو اس پیکر اقدس کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ آپ پر تلواریں چلائی تھیں اور آپ ﷺ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا ان کے سینے چاک کئے تھے ان کے دل و جگر کے ٹکرے کیلئے تھے۔ وہ بھی تھے جو غریب دبے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگاتے تھے ان کو جلتی ریت پر لٹاتے تھے۔ دھکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے۔ نیزوں کی انی

سے ان کے بدن چھیدتے تھے۔ آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے۔ پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد ﷺ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں۔

دفعتاً آپ نے فرمایا "قریش بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں" جواب دیا۔ محمد ﷺ تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے۔ ارشاد ہوا' آج میں وہی کرتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو" (۱۴۴)

ابوسفیان جو بدر' احد' خندق وغیرہ کا سرغنہ تھا' جس نے کتنے مسلمانوں کو تہ تیغ کرایا تھا۔ جس نے کئی دفعہ خود سرور کائنات رحمت دو عالم ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا اور ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے حضرت عباسؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے سامنے آیا۔ اگرچہ اس کا جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا تھا اور ایسے مجرم کو تو مار ہی دینا چاہیے تھا مگر نہیں! رحمت عالم ﷺ کے عفو عام نے ابوسفیان سے کہا "ڈر کا مقام نہیں محمد ﷺ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اس کو معاف فرمادیا بلکہ اعلان فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے بھی امن ہے۔"

ہندہ ابوسفیان کی بیوی جو احد کے معرکہ میں دیگر عورتوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی تھی۔ جس نے آنحضرت ﷺ کی والدہ کی قبر اکھاڑ کر لاش کی بے حرمتی کرنے کا پروگرام بنایا تھا وہ ہندہ جس نے حضور ﷺ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کی۔ ان کے سینہ کو چاک کیا۔ ان کے کان' ناک کاٹ کر ہار بنایا۔ کلیجہ نکال کر چبایا۔ لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ بے تاب ہو گئے تھے۔ وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آئی اور گستاخی سے پیش آئی لیکن رحمت

امن عالم نے پھر بھی کچھ تعرض نہیں کیا اور یہاں تک بھی نہیں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ عفو عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر اس نے پکارا۔

"اے محمد ﷺ آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے نفرت نہ تھی مگر آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں" (۱۴۵

فتح مکہ کے روز قریش مکہ میں دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ ان کو جانوں کے لالے پڑ گئے لیکن رحمت عالم نے مکہ میں داخلہ کے وقت مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ آور نہ ہو وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں اور مکہ کے داخلہ کے وقت اعلان عام کر دیا کہ جو شخص حرم میں چلا جائے' دروازہ بند کر لے یا ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے' ہتھیار پھینک دے اپنے قریب بیٹھ رہے' جو بھاگ جائے' تعاقب نہ کیا جائے' زخمیوں اور قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ وہ مامون ہے۔

۴۵۔ محاصرہ اٹھا لیا گیا: طائف اور حنین کے لوگ اوطاس کے مقام پر اسلامی فوج میں محصور ہو گئے۔ محصورین بھوک اور پیاس سے بے چین ہونے لگے تو رحمۃ اللعالمین نے فرمایا:

"میں اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتا کہ خدا کی مخلوق خواہ وہ ہماری دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح بھوکی اور پیاسی تڑپے۔ لہذا محاصرہ اٹھا لیا جائے"

چنانچہ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ محاصرہ اٹھا لینے کے بعد ان کیلئے سامان رسد فراہم کیا گیا۔

۴۶۔ چھ ہزار قیدی آزاد کر دیئے گئے: فتح مکہ کے کچھ ہی دنوں بعد طائف کے قبائل ثقیف و ہوازن مسلمانوں سے جنگ کیلئے تیار ہوئے۔ فریقین

میں مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور دشمن کے چھ ہزار مرد و عورت قید ہوئے۔ دشمنان اسلام اس بات کو بطور خاص یاد رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں کے سامنے دونوں چیزیں "تلوار یا اسلام" پیش نہیں کیں بلکہ وہ سلوک کیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ یعنی دوسرے ہی دن تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

اس واقعہ کو مہاشہ پرکاش دیو جی اپنی کتاب "سوانح عمری حضرت محمدؐ" میں لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں :

"چند منٹوں میں چھ ہزار غیر مسلم مرد و عورت غلامی سے آزاد کر دیئے گئے اور کسی نے یہ وہم و گمان تک نہیں کیا کہ یہ مسلمان نہیں ہم ان پر کیوں مہربانی کریں"

امن عالم کے حوالے سے حضور رحمتِ عالم ﷺ کے چند مزید اقدامات پیش خدمت ہیں :

۴۷۔ سنن ابی داود میں امن عالم اور انسانی حقوق کے حوالہ سے اس قدر زور دار الفاظ میں شرف انسانی کو اجاگر کیا گیا اور احترام آدمیت و تکریم انسانیت کو ایک مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ جس کی مثال اقوام عالم کے کسی قانون و آئین میں تلاش کرنا ممکن نہیں۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ بھیجا ہم کو حرقات (چند قبیلوں کا نام ہے) کی طرف بھیجا انہوں نے ہماری خبر سن لی اور بھاگ گئے۔ ایک آدمی کو ہم نے پکڑ لیا تو وہ لاالہ الا اللہ کہنے لگا مگر ہم نے اسے مار مار کر قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

"روز قیامت کلمہ گو کے مد مقابل تیری مدد کون کرے گا؟ آنحضور مسلسل یہ فرماتے رہے کہ "روز قیامت ایک کلمہ گو کے مقابلے میں تیری مدد کون کرے گا؟" میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس نے اسلحہ کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"کیا تو نے اس کا دل چیر کر یقین حاصل کر لیا تھا کہ اس نے اسلحہ کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا؟"

آنحضرت ﷺ مسلسل یہی فرماتے رہے کہ ایک کلمہ گو کے مقابلے میں کون تیری مدد کرے گا۔ یہاں تک کہ میں نے ہی آرزو کی کہ کاش میں نے آپ ہی اسلام قبول کیا ہوتا تو ایک کلمہ گو کے قتل کے گناہ سے محفوظ رہتا کیونکہ اسلام' حالت کفر کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے۔(۱۴۶)

۴۹۔ سیرت النبی ﷺ میں حوالہ صحیح بخاری مرقوم ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں اور اپنے بیٹے کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہتی تھی۔ جہالت سے آنحضور ﷺ کو گالیاں دیتی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں شکایت کی تو آپ ﷺ نے بجائے غضب کے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے (۱۴۷)

۵۹۔ انسانی نفسیات کی تاریخ میں مذہبی رواداری اور عفو کے حوالہ سے درج ذیل واقعہ اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ ہے۔ جسے علامہ یوسف النبہانیؒ نے تحریر فرمایا اور ڈاکٹر آصف قدوائی نے اس کی توثیق فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ ایک عرب دیہاتی بدو نے مسجد نبوی ﷺ میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مارنے کیلئے دوڑے آپ ﷺ نے فرمایا:

"ابھی اسے کچھ مت کہو! پہلے اسے پیشاب کرنے دو" جب وہ پیشاب کر چکا تب نرمی سے آپ ﷺ نے اسے فرمایا: یہ جگہ خدا کی عبادت کیلئے ہے۔

یہاں یہاں پیشاب' پاخانہ اور گندگی نہیں ہونی چاہیے۔(۱۴۸)

۵۰۔ آنحضرت ﷺ نے انسانی مساوات اور احترام آدمیت پر مبنی ایسا معاشرہ تشکیل فرمایا جس میں اگر کسی غیر مسلم شہری کے ساتھ کوئی مسلمان زیادتی کرتا تو خود محسن انسانیت مظلوم غیر مسلم کی طرف سے ولی بن کر مسلمان کے خلاف فیصلہ صادر فرماتے نظر آتے۔

"آنحضرت ﷺ نے ایک غیر مسلم ذمی مقتول کے قاتل مسلمان کا سر قلم کرنے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا: نوع انسانی میں حقوق کی ادائیگی اور پاسداری سب سے زیادہ مجھ پر عائد ہوتی ہے۔"(۱۴۹)

۵۱۔ اوائل بعثت کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک نہایت خستہ حال یتیم لڑکا سرور دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"اے ابن عبدالمطلب میرے باپ کے مرنے کے بعد ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) نے اس کے مال پر قبضہ کر لیا اور اب وہ اس میں سے مجھے کچھ نہیں دیتا۔ جہاں تک کہ میں بدن ڈھانپنے کیلئے بھی کپڑوں کا محتاج ہوں۔"

حضور امن عالم ﷺ اس یتیم بچے کا حال سن کر اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور بچے کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے بڑے دبدبے کے ساتھ فرمایا "اس بچے کا حق اس کو دے دو" ابو جہل کو حضور ﷺ کی بات رد کرنے کی جرات نہ ہوئی اور اس نے اسی وقت یتیم بچے کا مال لاکر اسے دے دیا۔ بعد میں قریش کے سرداروں نے ابو جہل سے پوچھا کیا تم نے اپنا دین چھوڑ دیا جو محمد ﷺ کے حکم کی اس طرح تعمیل کی۔ اس نے کہا: خدا کی قسم میں اپنے دین پر قائم ہوں مگر جب محمد ﷺ مجھ سے یتیم کے حق کا مطالبہ کر رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے

دائیں لور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے جسم میں پیوست ہو جائے گا۔اگر میں نے اس کی بات نہ مانی۔

۵۲۔ بعثت کے ابتدائی زمانے میں ایک مرتبہ سرورِ کونین ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ بنی زبید کے ایک شخص نے آکر فریاد کی کہ اے اہل قریش تم باہر سے آنے والے مسافروں کو لوٹ لیتے ہو۔

حضور ﷺ نے اس سے پوچھا! تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟

اس نے کہا" میں تین نہایت عمدہ قسم کے لونٹ بیچنے کیلئے لایا تھا ابوالحکم (ابو جہل) ان کو بہت کم قیمت پر خریدنا چاہتا ہے لور کسی دوسرے کو اس سے زیادہ قیمت نہیں لگانے دیتا" حضور ﷺ نے پوچھا!" تم ان لونٹوں کو کتنی قیمت پر فروخت کرنا چاہتے ہو؟ اس نے قیمت بتائی تو حضور ﷺ نے اتنی رقم دے کر اس سے خود اونٹ خرید لئے۔ابو جہل وہیں موجود تھے۔آپ ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا" تم نے اس غریب بدو کے ساتھ جو حرکت کی ہے اگر آئندہ اس کا اعادہ ہوا تو تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔" اس نے کہا" نہیں۔ نہیں آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" اس پر دوسرے مشرکین نے ابو جہل کو بزدلی کا طعنہ دیا تو اس نے کہا" میں کیا کرتا مجھے محمد ﷺ کے دائیں بائیں کچھ نیزہ بردار کھڑے نظر آرہے تھے۔اگر میں چون وچرا کرتا تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑتے"

۵۳۔ ایک مرتبہ ایک عورت مکہ کی ایک گلی سے گزر رہی تھی۔اس کے سر پر اتنا بھاری بوجھ تھا کہ وہ بمشکل قدم اٹھا سکتی تھی۔لوگ اس کا تمسخر اڑانے لگے۔ حضور ﷺ کہیں قریب ہی تھے۔آپ ﷺ اس عورت کو مشکل میں دیکھ کر فوراً آگے بڑھے لور اس کا بوجھ خود اٹھا کر اس کی منزل پر پہنچا دیا۔

۵۴۔ ایک دن حضور پر نور ﷺ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک اندھی

عورت ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ لوگ اسے گرتے دیکھ کر ہنسنے لگے لیکن آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ ﷺ نے اس عورت کو اٹھایا اور اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ روزانہ اس عورت کے گھر کھانا لے جاتے تھے۔

۵۵۔ ایک دن سرورِ کائنات ﷺ نے دیکھا کہ ایک غلام آٹا پیس رہا ہے۔ اور ساتھ ہی درد سے کراہ رہا ہے۔ آپ ﷺ اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے لیکن اس کا ظالم آقا اسے چھٹی نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے اسے آرام سے لٹا دیا اور سارا آٹا خود پیس دیا۔ پھر فرمایا "جب تمہیں آٹا پیسنا ہو تو مجھے بلا لیا کرو۔"

۵۶۔ مکہ میں ایک بوڑھے غلام کو اس کے آقا نے باغ میں پانی دینے کا کام سونپ رکھا تھا۔ باغ سے ندی کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ ایک دن حضور ﷺ نے دیکھا کہ بوڑھا غلام مشکل سے پانی لا رہا ہے اور اس کے پاؤں کانپ رہے ہیں۔ آپ کا دل درد سے بھر آیا۔ بوڑھے کو آرام سے بٹھایا اور اس کا سارا کام خود کر دیا۔ پھر فرمایا:

"بھائی جب کبھی تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے تو بلا لیا کرو"

۵۷۔ ایک دفعہ ایک بدو رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا!

"اے محمد ﷺ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں مجھ کو دے دو۔ سرورِ عالم ﷺ نے بلا تامل وہ سب اس کو دے دیئے۔ اس شخص پر حضور ﷺ کی اس عدیم النظیر شفقت کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے اپنے قبیلہ سے جا کر کہا "بھائیو! اسلام قبول کر لو۔ محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ کسی کو فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں رہتا۔"

۵۸۔ ایک دفعہ ایک بدو آیا اور حضور ﷺ کی چادر کے گوشے کو اس زور سے کھینچا کہ چادر کا کنارہ آپ ﷺ کی گردن مبارک میں گھس گیا۔ پھر کہا "محمد میرے

یہ دو لونٹ ہیں ان پر لادنے کیلئے مجھے سامان دو۔ کیونکہ تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے۔"

حضور امنِ عالم ﷺ نے کمال تحمل کے ساتھ فرمایا "مال تو اللہ کا ہے لور میں اس کا بندہ ہوں" پھر حضور ﷺ نے پوچھا "تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے کیا تم اس پر ڈرتے نہیں؟ بدو نے کہا! نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں؟

بدو نے بے ساختہ کہا "مجھے یقین ہے کہ تم بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے" حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور اس کے ایک لونٹ پر کھجوریں لور دوسرے پر جو لدوا دیئے۔

۵۹۔ ایک دفعہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے ہڈیاں لور مردار بھی کھانے شروع کر دیئے۔ ابو سفیان جو اس زمانے میں مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا "محمد! تم لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے اپنے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے "گو مشرکین قریش کی ایذا رسانی اور شرارتیں انسانیت کی حدود کو بھی پھلانگ گئی تھیں لیکن ابو سفیان کی بات سن کر آپ ﷺ کے دست مبارک فوراً دعا کیلئے اٹھ گئے۔ اپنے محبوب ﷺ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اس قدر مینہ برسا کہ جل تھل ایک ہو گئے اور قحط دور ہو گیا۔

۶۰۔ یمن کے قبیلہ دوس کے رئیس حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی کو اللہ تعالیٰ نے ابتداہی میں قبول اسلام کی سعادت سے بہریاب کر دیا تھا۔ البتہ ان کا قبیلہ نہایت سختی سے کفر و شرک پر جما رہا۔ حضرت طفیلؓ کی تمام کوششیں انہیں راہ راست پر لانے میں ناکام ہو گئیں تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لور

عرض کی "یارسول اللہ ﷺ ان بدبختوں کیلئے دعافرمایئے"

"حضور رحمتِ عالم ﷺ نے فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ الہٰی میں عرض کی۔

"اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو راہ راست پر لا"

رحمتِ عالم ﷺ کے یہ الفاظ سن کر سب لوگ حیران رہ گئے کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ حضور ﷺ اب بددعا فرمائیں گے اور قبیلہ دوس کے لوگ تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔"

۶۱۔ مدینہ منورہ میں ایک پاگل عورت تھی۔ ایک دن حضور ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر کہا "محمد مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ میرے ساتھ چلو" حضور ﷺ نے فرمایا: جہاں کہو جاؤں گا" وہ آپ ﷺ کو ایک گلی میں لے گئی اور وہیں بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ بھی اسی جگہ بیٹھ گئے اور اس کا جو کام تھا وہ کر دیا۔

۶۲۔ ایک مرتبہ ایک کافر حضور ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ رات کو سوتے ہوئے اس کے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہو گئی اور بستر پر ہی پاخانہ نکل گیا۔ صبح کو شرمندگی کے باعث حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی اٹھ کر چلا گیا۔ راستے میں یاد آیا کہ جلدی میں تلوار وہیں بھول آیا ہوں۔ تلوار لینے کیلئے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ خود بستر کو دھو رہے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم یہ کام کئے دیتے ہیں لیکن آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"نہیں۔ نہیں وہ شخص میرا مہمان تھا اور مجھے ہی یہ کام کرنا چاہیے" پھر حضور ﷺ کی نظر اس شخص پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا "بھائی تم اپنی تلوار یہیں بھول گئے تھے اسے لے جاؤ۔"

حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر اس شخص کے دل سے کفر و شرک کا زنگ دور ہو گیا اور وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

۶۳۔ ایک مرتبہ سرورِ عالم ﷺ عید کے دن کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بچے کو دیکھا جو دوسرے بچوں سے الگ تھلگ سخت مغموم وافسردہ بیٹھا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس بچے سے پوچھا "بیٹے کیا بات ہے تم مغموم کیوں بیٹھے ہو حالانکہ تمہارے ساتھی کھیل کود رہے ہیں۔

بچے نے جواب دیا "میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور ماں نے دوسری شادی کرلی ہے اب میرا سرپرست کوئی نہیں ہے"

حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ محمد ﷺ تمہارا باپ ہو' عائشہؓ تمہاری ماں ہو اور فاطمہ تمہاری بہن"

۶۴۔ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی بچیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے۔ رحمتِ دو عالم ﷺ نے اس ظالمانہ اور قبیح رواج کا یکسر خاتمہ کر دیا۔ پھر بھی بعض لوگ بیٹیوں کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ ﷺ اگر کسی شخص کی تین بیٹیاں اور بیٹا کوئی نہ ہو تو پھر؟" حضور ﷺ نے فرمایا:

"دو یا تین تو کیا اگر کوئی شخص اپنی ایک ہی بیٹی کے ساتھ بھلا برتاؤ کرے اور اسے اچھی تربیت دے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ سے بچالے گا۔ یعنی دو یا تین بیٹیوں سے حسن سلوک تو اور بھی زیادہ اجر و ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

۶۵۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک اونٹ پر نظر پڑی جو بھوک کی وجہ سے لاغر ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے بے تاب ہو کر فرمایا:

"ان بے زبانوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو"

ایک اور موقع پر حضور ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ بھوک سے مر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس کے مالک کو بلا کر فرمایا "اس جانور کے بارے میں تم خدا سے نہیں ڈرتے؟"

۶۶۔ ایک دفعہ دوران سفر حضور ﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ وہاں ایک پرندے نے انڈا دیا تھا۔ ایک صحابی نے وہ انڈا اٹھالیا۔ پرندہ بے قرار ہو کر ان کے سر پر منڈلانے لگا۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ "کس نے اس پرندے کا انڈا اٹھا کر اسے تکلیف پہنچائی؟"

"ان صاحب نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ مجھ سے یہ غلطی ہوئی۔"

فرمایا "یہ انڈا وہیں رکھ دو"

۶۷۔ ایک اور موقع پر ایک صحابیؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں کسی پرندے کے بچے تھے اور وہ چیں چیں کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا "یہ بچے کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کی۔ یارسول اللہؐ میں ایک جھاڑی کے قریب سے گزرا تو ان بچوں کی آواز آرہی تھی میں ان کو نکال لایا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"فوراً جاؤ اور ان بچوں کو وہیں رکھ آؤ جہاں سے لائے ہو"

۶۸۔ ایک مرتبہ حضرت مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو کسی قصور کی بنا پر پیٹ رہے تھے اتفاق سے سرورِ عالم ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ یہ منظر دیکھا تو رنجیدہ ہو کر فرمایا:

"ابو مسعود اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس

سے زیادہ اختیار ہے" حضرت ابو مسعودؓ حضور ﷺ کا یہ ارشاد مبارک سن کر تھرا اٹھے اور عرض کی۔

"یارسول اللہ ﷺ میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں"

فرمایا"اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تم کو چھو لیتی"

۶۹۔ ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا لوگوں نے حضور ﷺ کو اطلاع نہ دی اور اسے چپکے سے دفن کر دیا۔ جب متواتر کئی روز حضور ﷺ نے اسے مسجد میں نہ دیکھا تو اس کا حال دریافت فرمایا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

لوگوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ وہ اس قابل نہ تھا کہ حضور کو اس کے مرنے کی اطلاع دی جاتی (یعنی بالکل معمولی آدمی تھا) رحمتِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کے اس خیال کو ناپسند فرمایا۔ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔

پیغمبر امن ﷺ نے پوری دنیا کے انسانوں کو عالمی امن کے قیام کی دعوت دی۔ امن قائم کرنے کیلئے وہ بنیادی اصول دیا جو انسانی برادری کو عدل وانصاف اور مساوات کی بنیاد پر باہم پر امن زندگی گزارنے میں راہنما ہے۔ آپ ﷺ نے معاشرہ کو علم حاصل کرنے اور پرامن رہ کر امن کیلئے جدوجہد کرتے رہنے کا عملی نمونہ پیش کیا اور امن کو انسانی معاشرہ کی ترقی کے لئے سب سے قیمتی چیز قرار دیا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا تمام جہاد برائے امن وسلامتی تھا۔ سلامتی میں داخل ہونے کیلئے آپ ﷺ نے امن کو برقرار رکھنے اور امن کو حاصل کرنے کیلئے ہر قسم کی طاقتیں اور قوتیں تیار رکھیں تاکہ مفسدوں کو امن

میں خلل ڈالنے سے روکتے رہیں۔ آپ ﷺ نے کوئی جارحانہ جنگ نہیں کی اور مدافعانہ جنگ کرنے والا ہمیشہ محافظ امن ہوتا ہے۔

لوگوں نے آپ ﷺ کو جنگوں کی تیاری میں مصروف۔ میدان جنگ میں موجود یا جارحیت کے جواب میں جارحیت پر عمل کرتے دیکھا تو انہیں غلط فہمی ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ جنگجو تھے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ کے مخالف کس قدر بے اصول، ظالم و جابر، خود غرض اور انسانیت دشمن تھے وہ اپنی قوتیں دعوت امن کو دبانے میں صرف کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنے بلند اصولوں کو بچانے، آزادی دین و عقیدہ دلانے اور امن قائم کرنے کیلئے اپنی تمام قوتیں وقف رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ:

"خدا کی قسم آپ ﷺ نے اپنی ذات کیلئے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا۔ جب خدا کے احکام کی نافرمانی ہوتی۔ اس وقت صرف اللہ کیلئے آپ انتقامی کارروائی کرتے۔ (۱۵۰)

اللھم صل وسلم علی نبیناالرؤف الرحیم الحامل لواء الامن والسلام

عہد نبوی ﷺ میں حالتِ امن کی ایک جھلک

سیرت طیبہ کی روشنی میں امن عالم کی ایک جھلک دیکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ اسوۂ انبیاء علیہ السلام، عالمگیر اور الٰہی نمونے کی شرائط اور اسوۂ محمدی ﷺ کا فلسفہ حیات اور اس کے تاریخی پہلو کا کامل زندگی اور جامعیت کے بارے میں ایک جھلک دیکھ لی جائے۔

اسوۂ انبیاء: تاریخ کی دنیا میں ایسے ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں جنہوں نے آنے والوں کیلئے اپنی اپنی زندگیاں نمونے کے طور پر پیش کی ہیں۔ ایک طرف شاہان عالم کے بالشان دشکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کی جنگی داستانیں۔ ایک طری حکما اور فلاسفروں کا متوگردہ ہے۔ ایک طرف فاتحین عالم کی پر جلال صفیں ہیں۔ ایک طرف شعراء کی بزم رنگینیاں ہیں۔ ایک طرف دولت مندوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدیاں اور کھنکھناتی تجوریاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی زندگی آدمؑ کے بیٹوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہے۔

قرطاجنہ کا ھنیبال' مقدونیہ کا سکندر' روم کا قیصر' ایران کا دارا' یورپ کا نپولین ۔ ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے۔ سقراط ' افلاطون' ارسطو' دیو جانس' ریونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپرسر تک تمام حکماء اور فلاسفروں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے۔ نمرود' فرعون' ابوجہل اور ابولہب کی دوسری شخصیتیں ہیں قارون' ہامان اور شداد کی ایک الگ زندگی ہے۔ عرض دینا کے اسٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں جو بنی آدم کی عملی زندگی کیلئے سامنے ہیں لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ان مختلف اصناف انسانی میں سے کس کی زندگی نوع انسانی کی سعادت' فلاح اور ہدایت کی ضامن اور کفیل ہے اور قابل تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالار ہیں جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے نقشے بدل ڈالے ہیں۔ لیکن کیا انسانیت کی فلاح وہدایت کیلئے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا؟ کیا ان کی تلوار کی کاٹ میدانِ جنگ سے آگے بڑھ کر انسانی ادھام وخیالات فاسدہ کی بیڑیوں کو کاٹ سکی؟ اور کیا انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی سلجھا سکی؟ انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی؟

ہماری روحانی مایوسیوں اور نا امیدیوں کا کوئی علاج بن سکی؟ ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ ہٹا سکی؟ دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن خیالی دنیا کے یہ شہنشاہ عملی دنیا میں بالکل بے کار ثابت ہوئے کیونکہ ان کی شیریں بیانیوں کے پیچھے ان کے حسن عمل کا کوئی خوشنما نمونہ نہ تھا۔ حکماء اور فلاسفر جنہوں نے بارہا اپنی عقل رسا سے نظام عالم کے نقشے بدلے ہیں۔ انسانیت کے نظام ہدایت کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے۔ پھر دنیا کے اسٹیج پر بڑے بڑے بادشاہ اور حکمران بھی رونما ہوئے۔ ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں سے تو مجرموں کو روپوش کر دیا لیکن تنہائیوں اور خلوت خانوں کے روپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکی۔ انہوں نے بازاروں اور راستوں میں تو امن وامان قائم کیا لیکن دلوں کی بستی میں وہ امن وامان قائم نہ رکھ سکے۔ انہوں نے ملک کا نظم ونسق درست کیا لیکن روحوں کی مملکت کا نظم ونسق ان سے درست نہ ہو سکا۔ بڑے بڑے مقنن پیدا ہوئے لیکن ان کے قانون کی عمر بڑی مختصر رہی۔ دوسرے دور کے حاکموں اور عدالتوں نے خود اس کو حرف غلط سمجھ کر مٹا دیا۔

غرضیکہ مذہب اور اعتقاد سے ہٹ کر عملی تاریخ کی روشنی میں دیکھیں تو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی' اعمال کی نیکی' اخلاق کی بہتری دلوں کی صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال و میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں اگر کسی طبقہ انسانی نے انجام دیں ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے۔ وہ خدا کے فرستادہ ہو کر اس دنیا میں آئے اور انسانیت کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی صحیح چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے۔ ان کی تعلیم وعمل کے سرچشمے سے بادشاہ ورعایا' امیر وغریب جاہل عالم سب برابر کا فیض

پا رہے ہیں۔

چنانچہ پاٹلی پتر کے راجہ اشوکا کے احکام صرف پتھر کی لاٹوں پر کندہ ہیں مگر بدھا کا حکم دلوں کی تختیوں پر منقوش ہے۔ اجین' ہستناپور (دہلی) اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں۔ لیکن منوجی کا دھرم شاستر اب تک نافذ اور جاری ہے۔ بابل کے سب سے پہلے قانون ساز بادشاہ حمورابی کی قانونی دفعات مدت ہوئی کہ مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو گئیں مگر حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم آج بھی موجود ہے۔ فرعون کی ندائے "انا ربکم اعلی" کتنے دن قائم رہی مگر موسیٰؑ کے اعجاز کا آج بھی زمانہ معترف ہے۔ سولن کے بنائے ہوئے قانون کتنے دن چل سکے؟ مگر تورات کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل کا ترازو ہے۔ وہ رومن قانون جس نے حضرت عیسیٰؑ کو عدالت میں گنہگار ٹھہرایا تھا صدیاں گزریں کہ معدوم ہو چکا مگر حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم و ہدایت آج بھی گنہگاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح مصروف ہے۔ مکہ کے ابو جہل' ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں مگر شہنشاہ مدینہ ﷺ کی فرمانروائی بدستور قائم اور مسلم ہے۔

عالمگیر و دائمی ہونے کی شرائط اور اسوۂ محمدی ﷺ

انبیائے کرام علیہ السلام کے یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے سا زمانے کے مطابق اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا اور انسان کی پر پیچ زندگی کے راستے میں روشنی کا ایک ایسا مینار قائم کر دیا جس سے صراط مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر اب ضرورت ایک ایسے رہنما اور رہبر کی تھی جو اس سرے سے لے کر آخری سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایات

اور عملی مثالوں سے روشن کر دے اور ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا وہ مکمل ہدایت نامہ دے دے جسے لے کر اس کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر اپنی منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ راہنما سلسلہ انبیاء کے آخری فرد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ جنہیں بہ یک وقت شاہد و مبشر' نذیر و داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ دینا کے آخری پیغمبر اور رسول تھے۔ اس لئے ایسی شریعت دے کر بھیجے گئے جس کی تکمیل کیلئے پھر کسی دوسرے کو نہ آنا تھا۔ آپ ﷺ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی۔ اس لئے کہ اسے قیامت تک زندہ رہنا تھا۔ لہذا آپ ﷺ کو مجموعہ کمالات اور دولتِ بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

اس سیرت یا نمونہ حیات کو انسانیت کیلئے مثالی نمونہ بنانے کیلئے متعدد شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ محض تخمینی وظنی یا مذہبی عقیدہ نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔ ان میں سب سے پہلی اور اہم شرط "تاریخیت" ہے یعنی ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کئے جائیں ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو کیونکہ فرضی انسانوں پر انسانی زندگی کی بنیاد نہیں ڈالی جا سکتی۔ ضروری ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے اور اسے جھٹلایا نہ جا سکے۔

مقام غور ہے کہ ہر ملک' قوم' زمانہ اور ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔ ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دینا میں تشریف لائے مگر آج ہم ان میں سے کتنوں کے نام جانتے ہیں اور جن کے نام جانتے ہیں ان کے احوال کہاں تک جانتے ہیں۔ دنیا کی قدیم اقوام میں سب سے زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعوی ہندوؤں کو ہے گو یہ دعوی

مسلم نہیں لیکن پھر بھی بغور دیکھیں کہ ان کے مذہب میں سینکڑوں راہنماؤں کے نام ہیں مگر ان میں سے کسی کو "تاریخی" ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہت ساروں کے صرف نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر نہیں ملتا اور انسانوں سے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گزر بھی نہیں۔ ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں انسانوں کی عقیدت کا مرکز ہے مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے۔ قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بدھ ہے جو کبھی ہندوستان، چین اور تمام ایشیائے وسطی، افغانستان اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا لیکن ایک مورخ اور سوانح نگار کیلئے اس میں کوئی روشنی نہیں۔ چینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے ایک مذہب کے بانی کنفیوشس کے بارے میں ہمیں بدھ جتنی بھی واقفیت نہیں۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ سے ان کا اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت زکریا، حضرت یحیٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک حصے کے علاوہ کیا ہمیں کوئی مزید بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزا تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا حال ہمیں تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر تورات کے بارے میں اہل تحقیق اور مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا تسلیم کرتے ہیں کہ یہ موسیٰؑ کے صدہا سال کے بعد عالم وجود میں آئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں لیکن ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے۔ باقی غیر مستند قرار دی جاتی ہیں۔ ان چار انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل کے لکھنے

والے نے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خود نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے کسی سے سن کر حالات کا یہ مجموعہ لکھا ہوگا۔ یقین سے یہ بھی معلوم نہیں اور نہ ہی واضح طور پر ثابت ہے کہ وہ کن زبانوں میں لکھی گئیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی تاریخی حیثیت کمزور معلوم ہوتی ہے۔

ان ہزاروں' لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحین میں سے صرف تین چار' ہستیاں ایسی ہیں جنہیں "تاریخی" کہا جاسکتا ہے۔ مگر "کاملیت" کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔ انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰؑ کی ہے مگر غور سے دیکھیں تو ان کی طویل عمر کے چند اجزاء ہاتھ میں آتے ہیں۔ پیدائش جوانی میں ہجرت' شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں۔ پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر ہوئی ہے۔ یہ وہ حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں۔ جبکہ انسان کو اپنی سوسائٹی میں عملی نمونہ بننے کیلئے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق وعادات اور زندگی کے طور طریق ہیں اور یہی اجزاء' حضرت موسیٰؑ کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں۔ اسلام سے سب سے زیادہ قریب زمانے کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ ہیں لیکن آخری تین برس کے کچھ حالات یعنی معجزے' مواعظ اور سولی کے علاوہ کچھ حالات کا علم نہیں۔

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کیلئے تیسری ضروری شرط "جامعیت" ہے یعنی مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کیلئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا فرد اور انسان کو اپنے مختلف تعلقات وروابط اور فرائض وواجبات کو ادا کرنے کیلئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس مثالی زندگی میں موجود ہوں۔

اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سوائے خاتم

الانبیاء ﷺ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ خدا اور بندوں اور خود انسانوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں جو فرائض وواجبات ہیں انہیں تسلیم کرنا اور ادا کرنا مذہب کہلاتا ہے۔ بالفاظ دیگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا نام مذہب ہے۔ اس لئے ہر مذہب کے پیروکاروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق وفرائض وغیرہ کی تفصیلات تلاش کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔

اس لحاظ سے ایک طرف تو وہ مذاہب جو جن میں خدا کا وجود تسلیم ہی نہیں کیا گیا جیسا کہ بدھ اور جین مذہب جن میں خدا اس کی ذات' صفات اور دیگر حقوق الٰہی کا پتہ نہیں۔ دوسری طرف وہ مذاہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے۔ ان مذاہب کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں۔ پوری تورات پڑھ جائیں اس میں خدا کی توحید' اس کے احکام اور قربانی کی شرائط کے علاوہ تورات کی یہ پانچوں کتب حقوق اللہ کی تفصیل سے خالی ہیں۔ انجیل میں بھی اس ایک مسئلے کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ کا باپ تھا ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات در وابط تھے۔ اب حقوق العباد لیجئے اس سے بھی حضرت خاتم النبین ﷺ کے سوا دیگر تمام انبیاء اور بانیان مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں:

بدھ نے اپنے تمام اہل وعیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا حکومت' اور سلطنت کے بارگراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نروان یا نجات کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا۔ ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کیلئے جن میں حکومت ورعیت' شاہ وگدا' آقا ونوکر' باپ بیٹے' بھائی بہن اور دوست احباب کے تعلقات ہیں بدھ کی سیرت

کبھی کار آمد ہو سکتی ہے؟ حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک ہی پہلو' جنگ اور سپہ سالاری نہایت واضح ہے۔ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کیلئے دنیاوی حقوق' واجبات' فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ کا اسوہ کیونکر کر قابل تقلید ہوگا۔ جب کہ انہوں نے "گھربار' اہل وعیال' مال ودولت' صلح وجنگ' دوست ودشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو۔ وہ اس دینا کے لئے جو انہی تعلقات سے معمور ہے کیونکر مثال ہو سکتا ہے۔

معیاری زندگی کا سب سے آخری معیار "عملیت" ہے یعنی شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو جو اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو۔ خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو قابل عمل ثابت کیا ہو۔ کیونکہ خوش کن فلسفہ اور دلچسپ نظریہ ہر شخص بر وقت پیش کر سکتا ہے۔ البتہ جو چیز بر وقت پیش نہیں کی جاسکتی وہ عمل ہے۔ اس لئے انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اس کے نیک اور معصوم اقوال وخیالات اور اخلاق وفلسفیانہ نظریے نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف باتیں بنانے والوں کا مسکن بن کر رہ جائے۔

نیکیاں صرف سلبی پہلو ہی نہیں رکھتیں کہ بدیوں اور برائیوں سے بچنے کیلئے آپ پہاڑ کی کھوہ میں جا کر بیٹھ گئے بلکہ ان کا زیادہ تر مدار ایجابی اور عملی پہلوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً غریبوں کی مدد' کمزوروں کی حمایت' حق گوئی' عفو' کرم' سخاوت' مہمان نوازی' حق کی نصرت کیلئے جوش وجہاد وغیرہ۔ گویا جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو "معیاری زندگی" اور قابل تقلید نمونے کا خطاب نہیں دیا جاسکتا کہ انسان اس کی کسی چیز کی نقل کرے؟ اور کس عمل سے سبق

حاصل کرے گا؟ ہمیں تو صلح و جنگ ' فقر و دولت ' ازدواج و تجرد ' تعلقات خداوندی و تعلقات عباد حاکمیت و محکومیت ' سکون و غضب ' جلوت و خلوت ' غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیے۔ دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے۔ اس لئے لوگوں کو ان کے حل اور بوجہ احسن انجام دینے کیلئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے۔ قولی نہیں عملی لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس معیار پر بھی سیرتِ محمدی ﷺ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔

آیئے اب ان چاروں معیارات کے مطابق پیغمبر امن و سلامتی کی سیرت مبارکہ پر نظر ڈالتے ہیں :

اسوۂ محمدی ﷺ کا تاریخی پہلو : اس امر پر تمام دنیا متفق ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی ہر چیز اور ان سے متعلقہ ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ کی بھی حفاظت کی ہے اور جس طرح حفاظت سے محفوظ کیا ہے وہ سارے عالم کیلئے مایہ حیرت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال اور متعلقات زندگی کی روایات تحریر و تدوین کا فرض انجام دینے والے راویان حدیث روایات محدثین اور ارباب سیر کہلوائے۔ اس مقدس گروہ میں صحابہ کرامؓ ' تابعینؒ ' تبع تابعین اور چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص شامل ہیں۔ جب تم سرمایہ روایت تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام و نشان تاریخ زندگی اور اخلاق و عادت کو بھی قید تحریر میں لایا گیا۔ ان مقدس نفوس کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام "اسماء الرجال' ہے۔

اس مجموعہ کے متعلق جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کا قول ہے :

"نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے

مسلمانوں کی طرح "اسماء الرجال" کا عظیم فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

یہی وہ مقدس لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت النبی ﷺ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ ان کی وفات کی تاریخوں پر نظر ڈالیئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کو وفات کے سال اس قدر متاخر ہیں کہ ان سے فیض اٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ و تدوین کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہو گی۔ انہیں باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانے میں علم تھا اور یہ دین و دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھا۔ اس لئے ہزاروں صحابہ کرامؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا تھا حضور ﷺ کے حکم "بلغوا عنی" "مجھ سے جو کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو" یا "فلیبلغ الشاھد الغائب" (جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کر دیں جو اس سے محروم رہے ہیں)

کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولاد' عزیزوں' دوستوں اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے شب و روز کا مشغلہ تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ان معلومات کی حفاظت کیلئے کھڑی ہو گئی۔ ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعے کا لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا۔ ان کو دہرانا پڑتا تھا اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ حضور ﷺ نے جہاں اپنے اقوال و افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی۔ وہاں یہ بھی تہدید کر دی تھی کہ :

"جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کریگا اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا"

اس اعلان کا اثر یہ تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کبار روایت کرتے وقت کانپنے

لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کی کوئی بات نقل کی تو چہرے کا رنگ بدل گیا۔ تھرا گئے پھر کہا" حضور اکرم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا تھایااس کے قریب قریب فرمایا تھا"

حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں ہر ملک میں اور ہر زبان میں حضور ﷺ کے واقعات' حالات اور ارشادات پر جو کتب لکھی گئیں ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کے دشمنوں اور غیر مسلموں نے بھی آپ ﷺ کی سیرتیں لکھ کر فخر محسوس کیا ہے۔

چنانچہ مارگولس کے الفاظ میں :

"The biograpperd of proppet Mohammad from a long series that is impassible tc end best which it would be honourable to find a place"

"نبی محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا بھی باعثِ عزت ہے"

جان ڈیون پوٹ نے اپنی کتاب کو شروع کرتے ہوئے لکھا ہے :

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مصنفین اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کے وقائع عمری محمد ﷺ کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں"

حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی سیرت مبارکہ کا سب سے مستند' سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے جس کی صحت اور اعتبار میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی' یتیمی' غربت' تلاش حق' نبوت' وحی' اعلان و تبلیغ' معراج' مخالفین کی دشمنی' ہجرت' لڑائیاں' وقائع' اخلاق' اس میں موجود

ہیں۔ اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں۔ جن میں زیادہ تر حضور ﷺ کی غزوات اور لڑائیوں کا حال اور ضمناً دوسرے واقعات بھی موجود ہیں۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں جن کا پہلا حصہ خاص طور پر حضور ﷺ کی سوانح پر ہے۔ پانچواں حضور ﷺ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے جن کو کتب دلائل کہتے ہیں۔ چھٹا ماخذ کتب شمائل ہیں جن میں حضور ﷺ کے صرف اخلاق وعبادات اور فضائل و معمولات زندگی کا بیان ہے۔ اس سے الگ پھر وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات کے بارے میں ہیں جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ حضور ﷺ کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام ونشان ہیں جن کو حضور ﷺ سے کوئی تعلق ہے۔

اس پورے تذکرے سے موافق و مخالف ہر ایک کو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیرتِ محمدی ﷺ کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور اس کی ترتیب میں کس قدر احتیاط استناد اور اہتمام برتا گیا ہے جو کسی بھی شارع یا بانی دین کی سیرت واحوال کے مجمعہ کی ترتیب میں نظر نہیں آتی۔ یہ تاریخیت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا امتیاز ہے۔

کامل زندگی: کوئی زندگی خواہ مکمل طور پر تاریخی ہو جب تک وہ کامل نہ ہو ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی۔ کسی زندگی کا کامل اور ہر نقص میں بری ہونا اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس زندگی کا تمام اجزاء ہمارے سامنے نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات ان کے زمانے کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اپنے

اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔

پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمدورفت، شادی، احباب، قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور معاہدے میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہا پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، سفر طائف، معراج، ہجرت۔ غزوات، صلح حدیبیہ، دعوتِ اسلام کا نامہ پیام، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجۃ الوداع اور وفات ان میں سے کون سا زمانہ ہے جو انسانوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپ ﷺ کی کونسی حالت ہے جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں۔ اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق بول چال، خلوت جلوت، ملنا جلنا، طور طریق، رنگ و بو، خدوخال، قدو قامت جہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور نجی معاملات بھی پوری طرح مذکور معلوم اور محفوظ ہیں۔

بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے۔ اس لئے والیٹر نے کہا تھا کہ :

"کوئی شخص اپنے گھر میں ہیرو نہیں بن سکتا"

لیکن باسورتھ اسمتھ کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر امن و سلامتی ﷺ کے متعلق صحیح نہیں۔ گبن نے لکھا ہے کہ :

"تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروکاروں کا اس قدر سخت امتحان نہیں لیا جس قدر محمد ﷺ نے لیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر پیش کیا جو انہیں بحیثیت انسان بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اپنی بیوی، غلام، اپنے

بھائی' اپنے سب سے واقف کار دوست کے سامنے' اور انہوں نے بلا پس و پیش آپ ﷺ کے دعوے کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔"

بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا یہ واقعہ نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی صداقت پر سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی بیوی ؓ ایمان لائیں جو نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپ ﷺ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں۔ اور آپ ﷺ کے ہر حال اور ہر کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں۔ بایں ہمہ جب حضور ﷺ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے انہی نے آپ ﷺ کی سچائی کو تسلیم کیا۔

بڑے سے بڑا انسان جو خواہ ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اس بیوی کو یہ اذن دے کہ تم میری ہر بات' ہر حالت اور ہر واقعے کو برملا بیان کر دو اور جو کچھ چھپا ہے سب پر ظاہر کر دو۔ مگر حضور اکرم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو یہ اذن عام تھا کہ خلوت میں آپ ﷺ سے جو کچھ دیکھیں وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کر دیں' جو رات کی تاریکی میں دیکھیں اسے کھلے چھتوں پر پکار کر کہہ دیں۔ اس اخلاقی وثوق و اعتماد کی مثال اور کہاں مل سکتی ہے؟

آپ ﷺ جلوت میں ہوں یا خلوت میں' مسجد میں ہوں یا میدان جہاد میں' نماز شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں' منبر پر ہوں یا گوشہ تنہائی میں' ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ آپ ﷺ کی حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے۔ ایک طرف ازواج مطہرات آپ ﷺ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں اور دوسری طرف اصحاب صفہ مشتاق جاسوسوں کی طرح شب و روز ذوق و شوق کے ساتھ آپ ﷺ کے

حالات دیکھنے اور دوسرے سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ مدینہ منورہ رہنے والی آبادی دس برس تک مستقل آپ ﷺ کی ایک ایک حرکت و سکون اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی۔ غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزارہا صحابہ کو شب و روز آپ ﷺ کو دیکھنے اور حالاتِ مبارکہ سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا کونسا پہلو ہوگا جو زیر پردہ رہا ہوگا۔

حضور ﷺ ہمیشہ صرف اپنے معتقدوں ہی کے حلقے میں نہیں رہے بلکہ مکہ مکرمہ میں قریش کے مجمع میں رہے۔ نبوت سے قبل چالیس برس آپ ﷺ کی مبارک زندگی انہیں کے ساتھ گزری پھر تاجرانہ زندگی، لین دین کی زندگی، معاملہ اور کاروبار کی زندگی جس میں قدم قدم پر بد معاملگی، بد نیتی، خلاف وعدگی اور خیانت کاری کے عمیق غار تھے۔ مگر آپ ﷺ اس طرح بے خطر اس راستے سے گزر گئے کہ آپ ﷺ کو ان کی طرف سے امین کا خطاب حاصل ہوا۔ نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ ﷺ پر یہ اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھواتے تھے۔ آپ ﷺ کے دعوی نبوت پر تمام قریش نے برہمی ظاہر کی۔ مقاطعہ کیا۔ دشمنیاں ظاہر کیں گالیاں دیں، راستے روکے۔ نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں، آپ ﷺ کو ساحر و مجنوں کہا مگر کسی نے یہ جرات نہ کی کہ آپ ﷺ کے اخلاق و اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے۔ حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعوی ہی کے یہ معنی ہیں کہ مدعی اپنی بے گناہی اور معصومیت کررہا ہے۔ اس دعوے کے ابطال کیلئے آپ ﷺ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں۔ تاہم اس دعی کے توڑنے کیلئے انہوں نے اپنی دولت لگائی۔ اپنی اولاد کو قربان کیا۔ اپنی جانیں دیں لیکن یہ

ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ جو کچھ دوستوں کی نگاہ میں تھے دشمنوں کی نگاہ میں بھی وہی تھے اور کوئی چیز پوشیدہ اور نا معلوم نہ تھی۔

ایک بات پر اور غور فرمائیں کہ آپ ﷺ پر جو لوگ ابتدا میں ایمان لائے وہ ماہی گیر نہ تھے اور وہ مصر کے محکوم اور غلام قوم کے افراد تھے۔ بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنے جذبہ حریت کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ اور جس نے ابتدائے افرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی جن کے تجارتی کاروبار دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور جو اسلام لانے کے بعد ساری عظمتوں اور رفعتوں کے مالک بن گئے۔ کیا ایک لمحے کیلئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پر زور' قوی بازو اور دانایان روزگار سے حضور ﷺ کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا رہ سکتا تھا اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے؟ بلکہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے آپ ﷺ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپ ﷺ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ ایسی ہی زندگی' جس کے تمام پہلو روشن ہوں۔ انسان کیلئے نمونے کا کام دے سکتی ہے۔

اسوۂ محمدی ﷺ کی جامعیت: اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے۔ باہمی تعاون' مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری نہیں اور محکوم بھی۔ مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی' امن امان کے قیام کیلئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور سپہ سالاروں کا بھی' غریبوں' دولت مندوں عابد و زاہد' سپاہی و مجاہد' اہل و عیال' دوست احباب' تاجر و سوداگر' امام و پیشوا' سب ہی کا ہونا ضروری ہے۔

غرضیکہ اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام پر ہی موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی زندگی کیلئے عملی مجسمے اور نمونے کی ضرورت ہے۔

اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی ﷺ کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کیلئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ ہو ہدایت کا چراغ بن سکتی ہیں۔ اسلام کے صرف اسی نظریے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں جامعیت ہے یعنی انسانوں کے ہر طبقے اور صنف کیلئے اس سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کیلئے درس اور سبق موجود ہیں۔

اصنافِ انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے۔ ہم چلتے پھرتے بھی ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے بھی ہیں کھاتے پیتے بھی ہیں۔ سوتے جاگتے بھی ہیں۔ لین دین بھی کرتے ہیں۔ ہنستے بھی ہیں روتے بھی ہیں۔ پہنتے بھی ہیں اور اتارتے بھی ہیں۔ سیکھتے بھی ہیں سکھاتے بھی ہیں۔ مرتے بھی ہیں مارتے بھی ہیں۔ کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی ہیں۔ عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی۔ مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی۔ ہمیں ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہمیں ہر نئی حالت کے پیش آنے پر ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی راہنمائی کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد' جن کا تعلق اعضاء سے ہے۔ وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں۔ ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل' جذبہ اور احساس سے متاثر ہوتے ہیں۔ کبھی راضی' کبھی خوش ہیں۔ کبھی غم زدہ کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی

نعمتوں سے مالامال، کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب۔ ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار ان ہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے۔ ان سب کیلئے ہمیں ایک عملی سیرت اور نمونے کی حاجت ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضابہ تقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغناء، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، غرض نشیب وفراز، بلند وپست تمام اخلاقی پہلوؤں کیلئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں۔ ہمیں عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے۔ مگر ایسی مثال کہاں مل سکتی ہے؟ صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ کے پاس!

ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر میں ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول ﷺ کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکے کے تاجر بحرین کے خزانہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینے کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر وحنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم مقدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکے کے بے یار ومددگار نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ

تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارا کرو' اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد جہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر' خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو۔ اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہؓ کے جگر گوشے کو نہ بھولو۔ اگر بچہ ہو تو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے لاڈلے بچے کو دیکھو۔ اگر تم جوان ہو تو مکے کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصرے کے کارواں سالار کی مثالیں ڈھونڈو۔ اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالت ہو تو کعبے میں نور آفات سے پہلے آنے والے ثالث کو دیکھو' جو حجر اسود کو کعبے کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینے کی کچھ مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے مصنف کو دیکھو جس کی نظر میں شاہ وگدا' امیر وغریب برابر تھے۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو حضرت فاطمہؓ کے باپ حضرت حسن وحسینؓ کے نانا ﷺ کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کیلئے نمونہ' تمہاری سیرت کی درستی واصلاح کیلئے سامان' تمہارے ظلمت خانہ کیلئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کیلئے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

ایسی کامل وجامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم' ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کیلئے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو' وہی اس کا لائق ہے جو غیظ وغضب اور رحم وکرم' جود وسخا اور فقر وفاقہ' شجاعت وبہادری اور رحم دلی

ورقیق القلبی، خانہ داری اور خدادانی، دنیا اور دین دونوں کیلئے ہمیں اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کردے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف عفو و درگزر، معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں بلکہ فقط یہی ذریعے ہیں۔ اس لئے جس ہستی میں صرف ایک ہی پہلو ہو وہی انسانیت کی سب سے بڑی مصلح اور محسن ہے۔ لیکن ایک انسان میں صرف یہی قوتیں ودیعت نہیں ہوتیں بلکہ دیگر قوتیں اور فطرتی جذبات مثلاً غصہ و کرم، محبت و عداوت، خواہش و قناعت، انتقام و عفو وغیرہ موجود ہیں۔ اس لئے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو انسانیت کے ان تمام قویٰ اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف کو متعین کرے۔

حضرت نوحؑ کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنوں کا منظر دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قانون کی مثال پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی صرف خاکساری، تواضع عفو و درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے۔ حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے۔ حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت وانابت اور اعتراف کی مثال ہے۔ حضرت یوسفؑ کی زندگی قید وبند میں بھی دعوتِ حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے۔ حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ و بکا، حمد و ستائش اور دعا وزاری کا صحیفہ ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ میں حضرت نوح اور ابراہیم، حضرت موسیٰ و عیسیٰ، حضرت سلیمان و داؤد، حضرت ایوب و یونس، حضرت یوسف و یعقوب علیہم السلام سب کی

زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر آگئی ہیں۔

دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں۔ ایک وہ جہاں صرف فن سکھایا جاتا ہے۔ جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے۔ کوئی انجیئرنگ کالج' ایک آرٹ سکول' ایک تجارت کا مدرسہ ہے۔ ان میں ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کا انتظام کر سکتی ہے۔ میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے۔ قانون کے مدرسے سے قانون دان تیار ہوں گے۔ تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے۔ علم و فن کے مدرسے کی خاک سے صرف اہل علم اور اہل فن اٹھیں گے۔ بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور دوسری تعلیم گاہیں ہیں جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں۔ ان کے احاطہ میں طب' صنعت و تجارت اور دیگر علوم و فنون ہوتے ہیں۔ طلبہ مختلف دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق' مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ایک کالج' مدرسہ یا جامعہ کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ پھر وہاں فوجوں کے سپاہی' جنرل' عدالتوں کے قاضی' قانون دان اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔

یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ صرف ایک ہی تعلیم' ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں کر سکتے بلکہ معاشرہ ان تمام کے مجموعہ سے کمال کو پہنچتا ہے اور پہنچ سکتا ہے جہاں تک کہ اگر دنیا صرف زاہد پیشہ' خلوت نشینوں سے بھر جائے تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجے کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس معیار کے پیش نظر اگر مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں اور تعلیم انسانی کی ان درس گاہوں کا جائزہ لیں جن کے اساتذہ انبیاء رہے ہیں تو پہلے تو کہیں دس' بیس' کہیں ساٹھ ستر' کہیں سو دوسو' کہیں ہزار دو ہزار' کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم ہوں گے لیکن جب مدرسہ نبوت کی آخری

تعلیم گاہ کو دیکھیں گے تو آپ کو ایک لاکھ سے زائد طلبہ بہ یک وقت نظر آئیں گے۔ پھر ان دوسری نبوی تربیت گاہوں کے طلبہ کو اگر جاننا چاہیں کہ وہ کہاں کے تھے؟ کون تھے؟ کیسے تیار ہوئے؟ اور عملی تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے؟ تو آپ کو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا۔ مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی درسگاہ میں آپ کو ہر چیز معلوم ہو سکتی ہے اس کے ہر طالب علم کا نام و نشان' حالات و سوانح' نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس درس گاہ کو آفاقی اور عالم گیری کہیں کہ ہر ملک ہر قوم' ہر وطن اور ہر خانوادے کا باشندہ عملاً اس میں داخل ہے۔ اس لئے کہ اس میں داخلے کیلئے رنگ و روپ' ملک و وطن' نسل و قوم اور زبان و لہجے کا سوال نہ تھا بلکہ وہ تمام اقوام اور زبانوں کیلئے عام تھی۔ پھر اس درس گاہ کی حیثیت و درجہ ملاحظہ کیجئے کہ اس جامع اور عمومی درس گاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی میں ذوق' مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ تعلیم ملتی ہے۔ ایک طرف عقلائے روزگار' اسرار فطرت کے محرم' دنیا کے جہانیان اور ملکوں کے فرمانروا اس درس گاہ سے تعلیم پا کر نکلتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی زمانے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ تیسری طرف وہ بیسیوں صحابہ ہیں جنھوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی۔ چوتھی طرف علما اور فقہا کی صف ہے۔ پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے جس میں سینکڑوں صحابہ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں۔ چھٹی جماعت اہل صفہ کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کیلئے مسجد نبوی ﷺ کے چبوترے کے سوا کوئی جگہ نہ تھی۔ بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی۔ وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے' ان کو بیچ کر

خود کھاتے۔ کچھ راہ خدا میں دیتے اور رات طاعت و عبادت میں بسر کرتے۔ یہاں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جن کی مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہ ہوا۔ ایک اور طرف بہادر کار پردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے تو ایک جماعت حق کے ان شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔

مقام غور ہے! یہ وہی وحشی عرب' وہی بت پرست عرب' وہی بد اخلاق عرب ہیں۔ یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک امی کی تعلیم جاہل عربوں کو عاقل' روشن دل' روشن دماغ اور مقنن کیوں کر بنا گئی۔ ایک نہتے پیغمبر کا ولولہ' تبلیغ کسمپرس عربوں کو بہادر بنا کر زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا ہے؟ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے شب زندہ دار' عابد متقی اور طاعت گزار کیونکر ہو گئے؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات انسانی کمالات اور صفات حسنہ ﷺ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک آفتاب عالم تھا' جس سے اونچے پہاڑ' رتیلے میدان' بہتی نہریں سر سبز کھیت' اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابر باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل' میدان اور کھیت' ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت' رنگا رنگ پھول اور پتے اگ رہے تھے۔ (۱۵۱)

جامع کمالات ہستی: آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جملہ انبیاء کی شان نظر آتی ہے۔

آپ ﷺ مسیح علیہ السلام کی طرح جھٹلائے اور ستائے گئے پھر بھی صابر

وشاکر ہی پائے گئے۔

آپ ﷺ نے یحیٰ علیہ السلام کی طرح بیابانوں اور بستیوں میں خدا کی آواز کو پہنچایا۔

آپ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کے گھر کی عظمت وحرمت کو ازسر نوزندہ فرمایا۔ آپ نے ایوب علیہ السلام کی طرح صبر وشکیبائی کے ساتھ گھاٹی میں تین سال تک محصوری کے دن کاٹے اور پھر بھی آپ ﷺ کا دل خدا کی ثنا گزاری سے لبریز اور زبان ستائش گوئی سے زمزمہ سنج رہی۔

آپ ﷺ نے نوح علیہ السلام کی طرح قوم کے برگشتہ بخت لوگوں کو خفیہ اور اعلانیہ' خلوت اور جلوت میں میلوں اور جلسوں' گزرگاہوں اور راہوں پر' پہاڑوں اور میدانوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ اور لوگوں کو ان کے افعال بد سے نفرت دلائی۔

آپ ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کی۔ مادر وطن شجرہ طیبہ اسلام کے لگانے کیلئے پاک زمین کی تلاش میں رہ نورد ہوئے۔

آپ ﷺ نے یونس علیہ السلام کی طرح (جنہوں نے تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینویٰ میں منادی کو جاری کیا۔ قیام غارِ ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ منورہ میں کلمۃ اللہ کی آواز کو بلند فرمایا۔

آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح جنہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون مصر کی غلامی سے آزاد کرادیا تھا۔ شمالی عرب کو شاہ قسطنطنیہ کی بند ملوکیت سے اور شرقی عرب کو کسریٰ ایران کے حلقہ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہ حبش کے طوق بندگی سے نجات دلائی۔

آپ ﷺ نے سلیمان علیہ السلام کی طرح مدینہ میں خدا کیلئے ایک گھر بنایا جو ہمیشہ کیلئے خدا کو یاد کرنے والوں سے معمور اور ضیاء توحید سے پر نور رہا ہے جسے کوئی بخت نصر جیسا سیاہ بخت ویران نہ کر سکا۔

آپ ﷺ نے یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے ایذا رساں و ستم پیشہ برادران مکہ کیلئے نجد سے (بتوسط ثمامہ بن اثال) غلہ بہم پہنچایا اور بالآخر فتح مکہ کے دن لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا مژدہ سنا کر انہیں پابند منت و احسان بنایا۔

وقت واحد میں آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب حکومت تھے اور ہارون علیہ السلام کی طرح صاحب امامت بھی۔

ذات مبارکہ میں نوح علیہ السلام کی سی سرگرمی' ابراہیم علیہ السلام جیسی نرمی' یوسف علیہ السلام کی سی درگزر' داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات 'یعقوب علیہ السلام کا سا اجر' سلیمان علیہ السلام کی سی سطوت' عیسیٰ علیہ السلام کی سی خاکساری' یحییٰ علیہ السلام کا سا زہد' اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روحی کامل ظہور بخش تھی۔

اے کہ بر تختِ سیادت زازل جا داری
آن چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

خورشید رسالت ﷺ میں اگرچہ تمام مقدس رنگ موجود تھے لیکن رحمۃ اللعالمین کا وہ نور تھا جس نے تمام رنگوں کو اپنے اندر لے کر دنیا کو ایک برگزیدہ و چیدہ (بیضاو نعتیہ) روشنی سے منور کر دیا ہے۔

انقلاب نبوی ﷺ

قرآن حکیم نے حضور نبی امن و سلامتی کی بعثت اور ظہور قدسی کی اللہ تعالیٰ کے احسان عظیم سے تعبیر فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ (سورہ آل عمران : ۱۶۴)	(یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان کے درمیان خود ان انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا)

سید قطب شہید نے محسن حقیقی کے اس احسان عظیم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

لَقَدْ كَانَتْ المنة الالهية على هذه الامة بهذا الرسول وبهذه الرسالة عظيمة	(بے شک خداوند قدوس کا احسان 'اس امت پر' اس رسول مکرم اور اس رسالت کی بنا پر انتہائی عظیم ہے۔)

یہاں ذہنوں میں فطری طور پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ داعی امن وسلامتی کا ظہور اقدس کس طرح احسان عظیم تھا۔

حضور اکرم ﷺ کا عظیم احسان انسانیت کا ذہنی انقلاب تھا۔ وہ انقلاب جو ہمہ پہلو اور ہمہ گیر تھا۔ یہ عقائد وافکار میں انقلاب تھا۔ اخلاق وعبادات میں انقلاب تھا۔ معاشرت ومعیشت میں انقلاب تھا۔ تعلیم وتربیت میں انقلاب تھا۔ قانون وسیاست میں انقلاب تھا۔ اس انقلاب کے ذریعے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کیلئے نبی مکرم ﷺ نے رہنما اور زریں اصول نہ دیئے ہوں۔ تاریخ اس امر پر شاید ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے سرزمین عرب کی کایا پلٹ دی۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو سلطنت اسلامی کی تشکیل وتاسیس فرمائی اس کا رقبہ صرف دس برس کی قلیل مدت میں دس لاکھ مربع میل وسیع ہو گیا۔

اس تاریخی انقلاب برپا کرنے کا اسلوب اور منہاج کیا ہے؟ وہ کونسے اساسی اور بنیادی زریں اصول تھے جو حضور اکرم ﷺ نے اختیار فرمائے؟ قرآن عزیز اس بارے میں واضح طور پر ہماری راہنمائی کرتا ہے اور ان زریں اصولوں

کا ذکر کرتا ہے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِه وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (سورہ آل عمران: ۱۶۴)

(وہ رسول اللہ کی آیات کی تلاوت کر کے انہیں سناتے' ان کا تزکیہ فرماتے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے حالانکہ اس سے پہلے لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے)

اس آیت کریمہ میں جہاں تعمیر شخصیت' کردار سازی اور معاشرہ اسلامی کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے نبوت کے چہارگانہ فرائض اور راہنما اصول ذکر کئے گئے ہیں وہاں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی پایا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں سلطنتِ اسلامی کی تشکیل سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں نعمتِ اسلامی سے مشرف ہونے والوں کی سیرت سازی' تشکیل' کردار اور تعمیر شخصیت کا عظیم کام انجام دیا تھا۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہے کہ کوئی بھی انسان معاشرہ افراد سے بنتا ہے اگر افراد صالح اور باکردار ہوں تو معاشرہ بھی صالح اور باکردار ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں اذیتوں کے امڈتے ہوئے سیلاب میں فرزندانِ توحید' حرارتِ ایمانی سے سرشار' نعمتِ یقین سے معمور ہمیں چٹان کی طرح مضبوط و مستحکم اور ثابت قدم نظر آتے تھے۔

خطرات وحوادث کا مسلسل مقابلہ کر کے تلخیوں کے خوگر ہو کر ان کے اعصاب مضبوط ہو چکے ہیں۔ اسی طرح جس طرح سونا آگ میں پڑ کر کندن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تعلیم وتربیت نبوی ﷺ سے قومِ رسول ہاشمی ایک خاص ترکیب میں ڈھل جاتی ہے۔

یہ مصطفوی انقلاب ایک ہمہ پہلو اور آفاقی انقلاب کن اثرات کا حامل تھا

اور کیونکر آیا اس پر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ نے ضیاء القرآن میں بڑی عمدہ بات کہی ہے:

"درندہ صفت انسان کیونکر فرشتہ سیرت بن گئے۔ جنہیں کوئی اپنا غلام بنانا بھی پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ آئین جہانبانی میں دنیا بھر کے استاد ہو گئے۔ جن کی گھٹی میں شراب تھی، ظلم وستم جن کا شعار تھا، کفر وشرک اور فسق وفجور کے گھٹا توپ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے صدیاں گزر چکی تھیں۔ ان میں یہ مکمل تبدیلی اور ہمہ گیر انقلاب کیونکر آیا جنہوں نے کبھی ان حقائق پر غور وخوض کیا وہی اس نبی معظمؐ کی شان رفیع کو جان سکتے ہیں۔ تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت کے علاوہ تزکیہ نفس اور تربیت صالحہ سے یہ مبارک انقلاب رونپذیر ہوا"

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں امن ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت ہر دور اور ہر ملت میں تسلیم کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے سنجیدہ انسان خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک ومذہب سے ہو، بقائے امن کی جدوجہد میں برابر کے شریک رہے ہیں اور انہوں نے ہر دور میں عالمی پیمانہ پر کوشش کی ہے کہ انسانوں میں باہم اعتماد واتحاد کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر رہے۔ چنانچہ اس کیلئے انہوں نے مختلف ادارے قائم کئے۔ کبھی "تحریک امن خواہی" کبھی "ورلڈ پیس موومنٹ" یعنی "عالمی تحریک امن" قائم کی۔ اور کبھی کسی اور نام سے عالمی امن کے ادارے کی داغ بیل ڈالی۔ ان ساری عالمی امن انجمنوں کا منشا گو محدود تھا کہ کوئی دو یا زیادہ ممالک آپس میں نہ ٹکرائیں اور ان میں جنگ کے شعلے بھڑکنے نہ پائیں۔

مگر دنیا نے دیکھا کہ ان تمام تحریکوں اور اداروں کی موجودگی میں

انسانوں کو دو عالمی تباہ کن لڑائیوں سے دوچار ہونا پڑا جو "گریٹ وار" یعنی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء اور "سیکنڈ ورلڈ وار" یعنی دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء کے نام سے مشہور ہیں۔ جن میں کروڑوں انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور کھربوں کا سرمایہ برباد ہوا۔

امن و راحت کے نام پر آج بھی دنیا میں مختلف نظریوں کا ہجوم ہے۔ گاندھی ازم، شوشلزم، نیشلزم، سیکولرازم، کمیونزم، کیپٹل ازم اور کئی دوسرے "ازم" کارفرما ہیں۔ پھر کبھی سلامتی کونسل کی خدمات کا شور اٹھتا ہے اور کبھی یو۔ این انٹرنیشنل آرمی پلان' کے سنہرے کارناموں کا، کبھی "ورلڈ پیس کونسل" کا اجلاس ہوتا ہے اور کبھی عالمی امن کانگریس کا۔ پھر اسی کے ساتھ روس کی "امن مہم" اور "امریکہ امن بریگیڈ" کے نعروں سے دنیا چیخ رہی ہے مگر بااین ہمہ "امن و سلامتی" دنیا سے ناپید اور انسانی جان و مال اور عزت و آبرو اپنی صحیح قدروقیمت سے محروم ہیں۔ نہ عالمی تنازعات اور تناؤ میں کوئی کمی ہے اور نہ عام انسان ہی موت و حیات کی کشمکش سے محفوظ ہیں۔

یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ دو عالمی جنگوں کی ماری ہوئی دنیا اور امن و عافیت سے محروم عوام و خواص کو اس وقت ایک ایسے پاکیزہ اور ٹھوس "نظام امن" کی تلاش ہے جو ملکی اور نسلی منافرت" کو مٹا کر "عالمی اخوت" اور "انسانی امن و مساوات" کا سبق دے اور روئے زمین پر عدل و انصاف، حق و صداقت اور انسانی بقاو شرف کا جھنڈا بلند کر سکے۔

اس لئے اس وقت اس "محمدیؐ نظام امن" کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت تھی جو ہر انسان کو امن و عافیت کی مضبوط ضمانت دیتا ہے۔ اندرون ملک بھی اور خارجی تعلقات میں بھی۔ جس میں انسانی وحدت و مساوات، باہمی تعاون، شرافت انسانی، عفوودرگزر، حریت فکر، عدل و انصاف، ایفائے عہد اور

اخوت و محبت کو جزو لازم کی حیثیت دی گئی ہے اور جس میں کبر و غرور' دولت و ثروت ملکی و نسلی عصبیت اور حب جاہ و اقتدار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے جو صرف جسموں پر ہی حکمرانی کا قائل نہیں بلکہ وہ سب سے پہلے دلوں میں خوف خدا فکر آخرت اور انجام بخیر کا عقیدہ راسخ کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ ایک ایسا ہمہ گیر جمالیاتی انقلاب لائے جس کی حریف نہ تو عرب کی جنگجویانہ خصلت' حریت پسند طبیعت اور قبائلی عصبیت ہی ہو سکی اور نہ قیصر و کسریٰ کی قوت و سطوت اور عجمی ثقافت ہی۔ ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟ آپ ﷺ امی یا ناخواندہ تھے۔ اس کا راز کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حیات انسانی کے دامن کو علم و حکمت کے سچے موتیوں سے بھر دیا اور مکارم اخلاق کی تکمیل کر دی جس میں فرعونیت' ہامانیت اور قارونیت کے داخل ہونے کی تمام امکانی راہیں مسدود کر دی گئی تھیں۔

نیا انسان : بے شمار اصلاحی 'تعمیری اور انقلابی تحریکیں ہمارے سامنے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک نے انسان کو جوں کا توں رکھ کر خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کی ہیں۔ لیکن ہر وہ تبدیلی حقیقی مسائل حیات کو حل کرنے کے لحاظ سے بالکل رائگاں رہی جو انسان کو اندر سے نہیں بدل سکی۔ محسن انسانیت کے کارنامہ کا مربوط کر دینے والا یہ پہلو بڑا ہی اہم ہے کہ انسان اندرون سے بدل گیا اور یکسر بدل گیا۔ انسانی روپ میں جو خواہش پرست حیوان پایا جاتا تھا کلمۂ حق کے اثر سے وہ بالکل مٹ گیا اور معاً اس کی راکھ سے خدا پرست اور با اصول انسان ابھر آیا۔ اس نئے انسان کے کردار کی درخشانی دیکھئے تو آنکھوں میں چکاچوند آجاتی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ جیسا مکہ کا ایک میخوار نوجوان بدلا تو کہاں پہنچا۔ فضالہؓ میں تبدیلی آئی تو کس شان سے آئی۔ ذوالبجادینؓ کو دیکھئے کہ کس طرح دولت

و آسائش کو لات مار کر درویشانہ زندگی اختیار کرتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو لیجئے کہ کیا انقلابی جذبہ ہے کہ کعبہ میں کھڑے ہو کر جاہلیت کو چیلنج کیا۔ اور خوب مار کھائی۔ کعبؓ بن مالک کا کردار دیکھئے ابو خیثمہؓ کا رنگ ملاحظہ فرمائیے۔ لبینہؓ اور سمیہؓ جیسی کنیزوں کی انقلابی شجاعت و عزیمت پر نگاہ ڈالئے' ماعز بن مالک اسلمیؓ اور غامدیہؓ پر توجہ کیجئے۔ نجاشی کے دربار میں جعفرؓ طیار کی جرات سے سبق لیجئے۔ ایرانی سپہ سالار کے دربار میں ربعیؓ بن عامر کی شان استغنا سے روح اخذ کیجئے۔ اور تاروں کے اس جھرمٹ میں سے کون ہے جس کا ایمان لمعہ افگن نہیں ہے۔ (۱۵۲)

نبی کریم ﷺ اور ہادی امن عالم کے عظیم الشان کام کا اندازہ کرنے کیلئے دیکھیں کہ آپ ﷺ نے اسلام کا بیج کیسے پاک قلوب میں بویا تھا اور اس سے دیکھئے نیک پھل لائے تھے۔

نجاشی ملک حبشہ' جیفر ملک عمان' اکیدر شاہ دومت الجندل' نجد کے وحشی' تہامہ کے بدو اور یمن کے مسکین دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہو رہے ہیں۔ عبداللہ بن سلام یہودیت اور ورقہ بن نوفل عیسائیت اور عثمان بن طلحہ ابراہمیت کی مسند ہائے امام چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کئے جانے پر متفکر ہیں۔

یہودیوں کے زرخرید غلام سلمان فارسیؓ اہل بیت کے درجہ پر فائز ہو جاتے ہیں اور بت پرستوں کے زرخرید غلام بلال حبشیؓ کو' فاروق اعظمؓ بھی جس کی سطوت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے اندام پر لرزہ تھا۔ سید سید (آقا۔ آقا) کہہ کر پکار رہے ہیں۔ رنگتوں کا اختلاف' زبانوں کا امتیاز' قومیت کا فرق اور ملکی خصوصیات کی تمیز سب کچھ جاتا رہا ہے۔ حسب نسب کے گھمنڈ کا زبان پر لانا' کمینگی کی دلیل بن گیا ہے۔ دین واحد نے سب کو ملتِ واحد بنا کر پر ولولہ دلوں میں ایک ہی جوش طبیعتوں میں' ایک ہی خیال دماغوں میں' ایک ہی آوازۂ توحید زبانوں

پر جاری کر دیا ہے۔

دشمنوں کا دوست بن جانا: دشمن دوست بن گئے اور جان ستان، جانثار ثابت ہوئے ہیں۔ وہ عمرو بن عاصؓ جو حبش میں نجاشی کے پاس قریش کا سفیر بن کر گیا تھا کہ مسلمانوں کو بطور مجرم واپس حاصل کرے۔ چند سال بعد عمان کے بادشاہ کے پاس داعی اسلام بن کر جاتا ہے اور ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہونے کی بشارت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لاتا ہے۔

وہی خالد بن ولیدؓ جو جنگ احد میں بت پرستوں کے رسالہ کی کمانڈ کرتا ہوا مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد حاضر ہوتا ہے۔ لات و عزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھوں سے گراتا۔ اور اسلامی فتوحات میں گرم جوش جنرل کا درجہ پاتا ہے۔ وہی عروہ بن مسعودؓ جو حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے قریش کا سفیر بن کر آیا تھا خود بخود مدینہ میں حاضر ہوتا اور اپنی قوم میں دعوتِ اسلام کی اجازت حاصل کر کے اسی خدمت میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہی سہیل بن عمروؓ معاہدہ حدیبیہ میں بت پرستوں کی جانب سے کمشنر معاہدہ تھا اور جس نے عہدنامہ میں اسم پاک محمدؐ کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھے جانے پر انکار کیا تھا۔ وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت اور دین الٰہی کی تائید میں ایسی زبردست تقریر (خطبہ) کرتے ہیں جو سینکڑوں دلوں میں سکینہ اور ایمان بھر دیتی ہے۔ وہی عمرؓ جو تلوار لے کر آنحضرت ﷺ کا سر قلم کرنے کیلئے نکلے تھے۔ وفات نبوی کے وقت شمشیر برہنہ لے کر کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ وہی وحشی جس نے حضرت امیر حمزہؓ کو مارا، کلیجہ نکالا، اعضاء کاٹے اور جنازہ کو بے حرمت کیا تھا۔ کچھ

دنوں بعد مسلمان ہو جاتا۔ شرم و خجالت سے منہ سامنے نہیں کرتا اور بالآخر مسیلمہ جیسے کذاب کے قتل کو اپنی حرکتِ سابقہ کی تلافی سمجھتا ہے۔

وہی ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو حقیقی چچا کا بیٹا ہو کر بھی نبیؐ کی ہجو میں متواتر اشعار کہا کرتا تھا۔ جذبۂ توفیق سے خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جنگ حنین کے میدان میں اکیلا رکاب نبوی تھامے نظر آتا ہے۔

وہی ابو سفیان بن حرب جو سات برس تک برابر آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں فوجیں لاتا رہا اور مسلمانوں کے خلاف سارے ملک میں آتش فساد بھڑکاتا رہا۔ اسلام لاتا اور نجران کے عیسائی علاقہ پر حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ وہ طفیل دوسیؓ جو مکہ میں روئی کے ڈاٹ کانوں میں لگا کر پھرتا تھا کہ محمد ﷺ کی آواز کانوں میں نہ پہنچے' بالآخر اپنے وطن میں گھر گھر پھرتا اور محمد ﷺ کی آواز کو پہنچاتا تھا۔

وہ عبدیالیل ثقفی جس نے طائف میں غلاموں اور بچوں کو پتھراؤ کرنے کیلئے حضور ﷺ کے پیچھے لگا دیا تھا۔ آخر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور وہاں سے اپنی قوم کے پاس جواہر ایمان و ایقان لایا تھا۔ وہی بریدہ بن الحصیب اسلمی جو قریش کیلئے شتر سواروں کا دستہ لے کر گیا تھا۔ چند گھنٹوں بعد نبی ﷺ کا علم بردار بن گیا۔ الغرض ایسی مثالوں کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔

یہ سب کرشمے اس پاک تعلیم کے تھے جو آہستہ آہستہ دلوں کو فتح کرتی جاتی تھی۔ اکثر انبیاء علیہم السلام نے معجزے دکھائے' لاٹھی' سانپ پتھر' دریا' آگ کی قلب یا ہیئت یا سلب خاصیت کا نظارہ دیکھنے والوں کو نظر آیا۔

لیکن حضور امن عالم ﷺ نے یہ عظیم الشان معجزہ دکھایا کہ دلوں کو تبدیل کر کے رکھ دیا اور روح کو پاکیزہ بنا دیا۔ انسان اور لاٹھی' انسان اور سانپ'

انسان اور پتھر میں جتنا تفاوت ہے وہی تفاوت اس معجزہ اور دیگر معجزات میں بھی ہے۔

ان ہستیوں سے وہ معاشرہ بنا اور ایسے قائدین اور کارکنوں کے ہاتھوں وہ نظام حق چلا جس نے اگر بندش شراب کی منادی کی تو ہونٹوں سے لگے ہوئے پیالے فوراً الگ ہو گئے اور بہترین شرابوں کے مٹکے گلیوں میں انڈھا دیئے گئے۔ جس نے اگر عورتوں کو سر اور سینہ ڈھانپنے کا حکم دیا تو حکم ملتے ہی کسی تاخیر کے بغیر دوپٹے اور اوڑھنیاں بنائی گئیں۔ جس نے اگر جہاد کے لئے پکارا تو نوعمر لڑکے تک ایڑیوں پر کھڑے ہو کر یہ کوشش کرتے دکھائی دیئے کہ وہ لوٹائے جانے سے بچ جائیں۔ جس نے اگر چندہ طلب کیا تو جہاں حضرت عثمانؓ جیسے دولتمند تاجروں نے سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں لا لا کر کھڑی کر دیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے فدائیوں نے گھر کی ساری متاع تحریک کے قدموں میں ڈال دی۔ وہاں ایسے مزدور بھی تھے جنہوں نے دن بھر کی مزدوری سے حاصل شدہ کھجوریں جنگی فنڈ میں دے کر دامن چھڑا دیا۔

جس نے اگر مہاجرین کی بحالی کیلئے انصار کو پکارا تو انہوں نے اپنے مکان، کھیت اور باغ آدھوں آدھ بانٹ دیئے اور اخوت کا ایک بے مثل سماں پیدا کر دیا۔ جس نے اگر عہدوں کی خدمت کی روح سے بالاتر کر کے سول سروس کیلئے کارکن طلب کیے تو ایک درہم روز کے قلیل معاوضے پر گورنری کے فرائض انجام دینے والے حکام دنیا کے سامنے نمودار ہوئے۔ جس نے اگر مالِ غنیمت کو سپہ سالار کے پاس جمع کرانے کا حکم دیا تو اس شان سے تعمیل کی گئی کہ فوج ایک ایک سوئی اپنے افسر کو پیش کر دیتی تھی اور یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں درخشاں رہے گا کہ مدائن کے اموال کا ایک قیمتی حصہ عامر نامی سپاہی کے ہاتھ آتا ہے اور بغیر اس کے کہ کسی کو بھی اس خزانہ زر و جواہر کا علم ہو۔ وہ رات کی تاریکی میں چپکے سے

اپنے سردار تک پہنچا دیتا ہے۔

یہ ہستیاں تھیں جنہوں نے نیکی کا ایسا ماحول تیار کیا کہ جس میں شاذ و نادر ہی جرائم ہوئے۔ حضور ﷺ کے پورے دس سالہ دور میں گنتی کے چند مقدمات عدالتوں میں آئے۔ یہ نیکی کا ایسا ماحول تھا جس میں کوئی سی آئی ڈی نہیں رکھی گئی بلکہ لوگوں کے ضمیر ہی ان کے پاسبان اور نگران بن گئے۔

قبل از اسلام اہل عرب کے رذیل و فضائل پر ایک نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی دینی حالت تو گفتہ بہ تھی ہی ان کی اخلاقی حالت بھی سخت دگر گوں تھی اور سیرت نگاروں نے بجا طور پر اسے "شب ظلمت" "عرب کا تاریک دور" اور "فساد بر و بحر" وغیرہ عنوانات کے تحت اس کی کیفیت بیان کی ہے۔

یہ لوگ بغض و انتقام، سنگدلی و سفاکی، چوری و راہزنی قتل و غارت، بے حیائی و بد تمیزی، زنا و فواحشی نسبی تعصب و غرور قمار بازی، شراب نوشی اور دختر کشی و سود خوری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن سب معائب اور ساری خرابیوں کے باوجود مختلف عوامل نے ان کے اندر بنیادی اور اصولی اخلاق کے احساس کو مردہ نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ محاسن اخلاق سے یکسر مصری نہ تھے بلکہ اخلاقی تعلیمات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے نظام اخلاق کے بدترین اجزاء میں بھی اخلاق حسنہ کی ایک جھلک موجود تھی۔

اہل عرب کی مثال ایک ایسی زرخیز زمین کی تھی جو کاشت و نگہداشت کے نہ ہونے کے باعث خودرو خاردار جھاڑیوں کا جنگل بن گئی تھی۔ ان میں خیر کے سوتے اٹ ضرور گئے تھے مگر بالکل خشک نہیں ہوتے تھے وہ ایک ایسا بیج تھے جو قوتِ نمو سے محروم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہادی برحق حضور ﷺ نے اس

قوم کے ان اخلاقی محاسن کو ترتیب دے کر مکارم اخلاق کی بلندیوں تک پہنچادیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام سے قبل عربوں میں وہ خانہ جنگیاں ہوئیں کہ اللہ کی پناہ۔ چنانچہ اوس و خزرج کی لڑائی تقریباً تین سو برس تک قائم رہی مگر آنحضرت ﷺ کی ذات نے ان سب جھگڑوں کو ملیامیٹ کر کے سب کو باہم شیر و شکر کر دیا۔ مولانا حالی نے اس کی کیا خوب تصویر کشی کی ہے ؎

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیرو زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

انقلاب کی روح: رسول امن عالم ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کی روح تشدد کی روح نہ تھی بلکہ محبت و خیر خواہی کی روح تھی۔ آپ ﷺ انسانیت کیلئے حد درجہ رحم دل تھے۔ اور ابنائے آدم کے ساتھ آپ ﷺ کو سچا پیار تھا۔ اپنی دعوت کی نوعیت کو آپ ﷺ نے مثال دے کر سمجھایا کہ تم لوگ پروانوں کی طرح آگ کے گڑھے کی طرف لپکتے ہو اور میں تم کو کمر سے پکڑ پکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ قرآن پاک نے اسی لئے آپ ﷺ کو پیغمبر رحمت قرار دیا ہے۔

ذرا اس حقیقت پر غور فرمایئے کہ وہ ہستی اتنا عظیم انقلاب لاتی ہے مگر تشدد سے کام لینے کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ مدینہ حضور ﷺ کی دس سالہ زندگی میں سنگین درجے کی ایمر جنسی کے زیر سایہ بر رہا ہے۔ ہر آن حملے کا خطرہ

رہتا۔ قریش نے تین بار بڑے بڑے حملے گئے۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپوں اور سرحدی آویزشوں کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ متفرق قبائل مدینہ پر دھاوا بولنے کیلئے کبھی ادھر سے سر اٹھاتے کبھی ادھر سے۔ باربار شرارتیں کرنے اور فتنوں کی سرکوبی کیلئے مدینہ سے فوجی دستوں کی ترسیل ہوتی۔ راتوں کو فوجی پہرہ لگایا جاتا۔ غرضیکہ یہ ایک جنگی کیمپ کی سی زندگی تھی۔ اس پر مستبد یہود اور منافقین کی سازشیں تھیں جنگ کی سازشیں اسلامی معاشرہ کو پھاڑ دینے اور مختلف عناصر کو ٹکرا دینے کی سازشیں ۔ حضور ﷺ کی قیادت کو ناکام کرنے کی سازشیں۔ اور پھر اس زندگی بخش ہستی کو قتل کرنے کی سازشیں۔ ایمرجنسی کا اس سے بڑھ کر اور کیا عالم ہو سکتا ہے۔

مگر حضور ﷺ نے نہ کبھی اپنے لئے کوئی مستبدانہ اختیار حاصل کیا' نہ کوئی ہنگامی آرڈیننس جاری کیا۔ نہ کوئی جابرانہ ایکٹ نافذ کیا' نہ کسی فرد کو نظربندی میں ڈالا' نہ کوئی ہنگامی عدالتیں بٹھائیں' نہ تازیانے برسا کر لوگوں کی کھال ادھیڑی' نہ جرمانے اور تاوان ڈالے' نہ کسی شہری پر کوئی بار خدائی قانون سے تجاوز کر کے ڈالا۔ نہ اختلاف اور تنقید کا حق سلب کیا' نہ کسی کی زبان بندی کی اور نہ کسی پر پابندی عائد کی' حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی جیسے فتنہ پرداز تک سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ سارا دارومدار اپنی دعوت کی صداقت اور اپنے کردار کی پاکیزگی پر رکھا۔ کبھی کسی پر دھونس نہیں جمائی۔ کبھی رعونت نہیں دکھائی۔ کبھی کسی انسان کی تحقیر نہیں کی۔ کبھی اکڑفوں سے کام نہیں لیا۔ بلکہ دوسروں کی جو در حقیقت کمزور اور بے بس تھے۔ رعونتوں کو صبر سے برداشت کیا۔ یہی وجہ تھی کہ دشمنوں کے دل مسخر ہو جاتے تھے۔ ساتھ آنے والے دیدہ و دل فرش راہ کرتے تھے۔ مخالفت کرنے والے اپنے آپ کو پست اور ذلیل محسوس کرتے تھے۔ اور پھر جب

حضور ﷺ کی صداقت و شرافت کے آگے سر جھکادیتے تھے تو ان میں ایسی تبدیلی آتی تھی کہ گویا کایا کلپ ہو گئی۔

محسن انسانیت کا عظیم ایثار

مصطفوی انقلاب اس لحاظ سے بھی لاجواب ہے کہ اسے برپا کرنے والے نے اگرچہ بے انتہا قربانیوں سے اس کی تکمیل کی۔ لیکن اس نے کوئی صلہ اور عوضانہ نہیں لیا۔ اپنا سب کچھ انسانیت کو بھلائی کیلئے دے دیا۔ اس نے اتنا کچھ بھی نہیں لیا جتنا اگر لیا جاتا تو عقلاً شرعاً' عرفاً ہر طرح جائز اور روا ہوتا۔ اتنے بڑے کارنامے پر ہر ذاتی غرض ولوث کا خفیف سا دھبہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ہے کوئی اس کی مثال ؟

معاشی : معاشی لحاظ سے دیکھئے کہ حضور ﷺ نے اپنی کامیاب تجارت قربان کی۔ اس سے حاصل شدہ سرمایہ اپنے مشن پر نچھاور کیا اور جب کامیابی کا دور آیا تو دولت کے ڈھیر اپنے ہاتھوں سے صرف اور تقسیم کئے مگر اپنے گھر کیلئے فقر و فاقہ اور سادہ سی گزران کا عالم پسند کیا۔ اپنے گھر والوں کیلئے کوئی اندوختہ نہیں چھوڑا۔ کوئی جائیداد نہیں بنائی اور ان کے کوئی بالاتر مالی حقوق قائم نہیں کئے۔ ان کیلئے کسی عہدے کی مستقل موروثی گدی نہیں چھوڑی۔ دربان اور خادم بھرتی نہیں کئے۔ سواریاں جمع نہیں کیں۔ کوئی سامانِ آرائش گھر میں پسند نہیں کیا۔

سیاسی : سیاسی لحاظ سے دیکھیں تو آپ ﷺ نے اپنے لئے کوئی ترجیحی حقوق حاصل نہیں کئے۔ کسی کے خلاف خدا کے احکام و حدود سے تجاوز کر کے کوئی اختیار استعمال نہیں کیا۔ اپنا سیاسی مقام اونچا کرنے کیلئے کوئی من مانا قانون جاری نہیں کیا۔ مدینہ منورہ میں شدید ایمر جنسی موجود رہی اور یہود و منافقین کی نت نئی

شرارتوں سے سابقہ رہا۔ مگر کسی کو نظر بند نہیں کیا۔ کسی پر پابندیاں نہیں لگائیں۔ کوئی ضمیر کش احکام نافذ نہیں کئے۔ ہنگامی عدالتیں نہیں بٹھائیں۔ اور لوگوں کی چمڑی تازیانوں سے نہیں ادھیڑی۔ بخلاف اس کے لوگوں کو تنقید اور رائے زنی کا حق دیا۔ اختلاف کرنے کی آزادی دی۔ اپنے اعلیٰ مشوروں کو قبول نہ کرنے کا حق بھی دیا۔ یہ حقوق محض کاغذ پر لکھے ہوئے نظری حقوق نہ تھے۔ بلکہ لوگوں نے ان حقوق کو عملاً استعمال کیا۔ بسااوقات حضور ﷺ نے اپنی قیمتی رائے ترک کر کے اختلافی رائے قبول فرمائی۔ اگر کسی کو کوئی رعایت دینا چاہی تو جماعت سے اجازت طلب کی مثلاً اپنے داماد حضرت ابو العاص قیدی بن کر آئے تو ان کے فدیہ میں حضرت زینبؓ نے وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ کی یادگار تھا۔ اس ہار کی واپسی کیلئے حضور ﷺ نے مجلس عام میں اپیل کی۔ اسی طرح ان کا مال بطور غنیمت لایا گیا تو وہ جماعت کی اجازت سے واپس آیا۔

جعرانہ کے مقام پر معرکہ حنین کے قیدیوں کو چھوڑانے کیلئے ایک وفد آیا۔ جس نے حضور ﷺ کی رضاعی قرابت کا واسطہ دلا کر اپنی درخواست پیش کی۔ قیدی تقسیم ہو چکے تھے۔ حضور ﷺ نے بنو ہاشم کے حصے کے قیدی چھوڑنا تو بطور خود منظور کیا لیکن بقیہ کیلئے فرمایا کہ مجمع عام میں مسلمانوں سے درخواست کرو۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے خاندان کے حصے کے قیدی چھوڑ دیئے ہیں تو سب نے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ایسے معاملات میں حضور ﷺ نے کبھی بھی دباؤ اور جبر سے کام نہیں لیا۔

سماجی: سماجی اور مجلسی لحاظ سے دیکھئے تو اپنے لئے مساوات پسند کی۔ امتیاز پسند نہیں کیا۔ نہ کھانے پینے، رہن سہن، لباس اور وضع قطع میں کوئی غیر معمولی پن رکھا۔ نہ مجالس میں نمایاں مقام پر نشست پسند کی۔ نہ یہ مرغوب تھا کہ لوگ تعظیم

کیلئے کھڑے ہوں اور نہ آقا اور سردار اور اسی طرح کے القاب احترام استعمال کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ جنگ اور سفر میں بھی' خندق کی کھدائی میں بھی اور مساجد کی تعمیر میں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر مٹی ڈھونے گارا اٹھانے' پتھر توڑنے اور لکڑیاں چننے کے کام اپنے دستِ مبارک سے سرانجام دیئے۔ قرض خواہوں کو عالم واقعہ میں اپنے خلاف درشتی سے تقاضا کرنے کا اذن دیا۔ اپنے آپ کو مجلس عام میں انتقام کیلئے پیش کیا کہ جس کسی کے خلاف مجھ سے کوئی زیادتی کی ہوئی ہو تو وہ مجھ سے اپنا بدلہ لے لے۔

ہر سو عدل واحسان کا نفاذ

حضور اکرم ﷺ نے جو معاشرہ قائم فرمایا اس کی بیادیں عدل واحسان پر قائم تھیں۔ اس میں ظلم وعدوان اور استیصال وزیادتی کی مکمل بیخ کنی کردی گئی تھی۔ آج جاہلی سرمایہ داری اور اشتمالی جاہلیت کے زیر اثر انسانی معاشروں میں باہمی ظلم وزیادتی کی جتنی صورتیں موجود ہیں ان سب کا چن چن کر اول قدم پر تدارک کردیا گیا تھا۔ عرض ہر قسم کے استیصال سے معاشرہ کو پاک کردیا گیا تھا۔ چاہے وہ انسان کے بنیادی شرعی حقوق کا استحصال ہو یا معاشی وسائل کا ہو۔ معاشرتی درجہ بندی کا ہو یا سیاسی اختیار واقتدار کا ہو۔ اسلام نے انسان پر سے انسان کی ہر نوعیت کی خدائی کا خاتمہ کرکے اُسے خالص اللہ کا بندہ بنادیا اور ظلم وزیادتی کے عادی دوسرے انسانوں نے اپنے مختلف اثرات سے جتنے پھندوں میں مظلوم انسانوں کو جکڑ رکھا تھا ان میں سے ایک ایک پھندے کو توڑ کر اسلام نے انہیں آزاد کردیا۔

عدل وانصاف کی روش پورے معاشرے میں فرد کی مثالی روش قرار دی گئی۔ آپ ﷺ نے معاشرے کے اندر اخلاقی ضوابط اور قانون اصلاحات

کے ذریعے عدل وانصاف کا حصول ہر شہری کیلئے نہ صرف ممکن بلکہ یقینی بنا دیا۔
قرآن نے دنیا کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو باہمی عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے)
(سورہ نحل : ۱۴)

گویا انفرادی رویے کے ساتھ پورے معاشرے کا رویہ بھی عدل واحسان پر مبنی قائم کیا گیا۔ اسلامی حکومت پر اس کی ذمہ داری ٹھہرائی گئی کہ اسلامی معاشرے میں عدل واحسان کا دور دورہ قائم رکھے۔ عدل کو جاری اور احسان کو ہر فرد کا طرز عمل بنانے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ قانونی اصلاحات اور اخلاقی تعلیمات ۔ نبی ﷺ نے ان دونوں پہلوؤں سے اسلامی معاشرے میں عدل واحسان کا اہتمام کیا۔ جرائم کی سزا اور اخلاق رذیلہ پر گرفت۔ اخلاف فاضلہ کی حوصلہ افزائی اور اخلاقی تعلیمات کا ہر سطح پر اہتمام کیا گیا۔ ساتھ ہی افراد کو باہمی ایک دوسرے کو معاف کرنے 'عفو ودر گزر کرنے اور برداشت اور صبر کرنے کی بھی تلقین کی گئی۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (اور البتہ جس نے صبر سے برداشت کیا اور معاف کیا تو وہ بے شک ہمت کے کام ہیں۔) سورہ شوریٰ : ۴۳)

سورہ مائدہ میں مسلمانوں کو یہ اخلاقی تعلیم دی گئی۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کرے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے'

(سورہ مائدہ : ۸)

مسلمانوں کو ہر بات میں عدل وانصاف سے سچی گواہی دینے کا حکم دیا گیا۔

وَاِذَاقُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْكَانَ ذَاقُرْبٰی (سورہ انعام :۱۱) (اور جب گواہی دو تو انصاف کی بات کہو چاہے وہ قرابت مند ہی کیوں نہ ہو)

سورہ النساء میں مسلمانوں کو اجتماعی زندگی میں عدل وانصاف اور حق گوئی وراست روی کا یہ سبق سکھایا گیا:

"اے ایمان وال! انصاف کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ کیلئے گواہ ہو اگر چہ تمہارا یا تمہارے والدین کا یا رشتہ داروں کا اس میں نقصان ہی ہو۔ وہ دولتمند ہو یا محتاج۔ اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ بس تم انصاف کی بات کہنے میں اپنے نفس کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم پہلو تہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔"

گویا معاملات لین دین کاروبار امور مملکت انفرادی اور اجتماعی زندگی ہر ہر مقام اور ہر ہر موقعہ پر عدل وانصاف اور راست گوئی اور راست روی کا رویہ اختیار کرنا مومن پر لازم کیا گیا ہے اور سچا مومن صرف اسی کو بتایا گیا جو عدل وانصاف کا یہ رویہ اپنوں اور بیگانوں کے درمیان ہمیشہ قائم رکھتا ہے۔ چاہے اس کی حق گوئی اور انصاف پسندی کی زد میں اس کے اپنے دوست احباب عزیز واقرباء والدین اور خود اس کی اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ کسی حالت میں بھی ایک مومن عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ نہ وہ دولت کے رعب سے دولت مندوں کی طرفداری کرتا ہے اور نہ غریبوں کو حقیر جان کر دیدہ دلیری سے ان کی حق ماری کرتا ہے اور ان کے خلاف ظلم وزیادتی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا تیار کردہ انسان جو مومن ہے وہ کسی قسم کی بے انصافی اور استحصالی طرز عمل کو بھی پسند نہیں کرتا۔ اس کا رویہ مومنانہ شرافت اور

دیانتدارانہ انصاف پسندی کا ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے دو لڑنے والے فریقوں میں باہمی صلح کرا دینے کا حکم دیا ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک فریق زیادتی کر رہا ہو تو پھر اسلام نے کمزور اور مظلوم کی حمایت کا حکم دیا ہے۔ یہاں تک کہ زیادتی کرنے والا فریق برابری کے ساتھ منصفانہ صلح پسندی کا رویہ اختیار کرے۔ قرآن کریم میں حکم دیا گیا:

"اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا'

کیونکہ اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔" (سورہ المائدہ: ۶)

احسان کا حکم : عدل وانصاف سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ نے احسان کے رویے کو معاشرے میں مثالی رویہ قرار دیا۔ وہ مومن جو محسن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ قرب رکھتا ہے۔ احسان کا طرز عمل دشمنوں کو بھی دوست بنا لینے والا ہوتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا ہی طرز عمل ہے اور وہ اپنے بندوں میں احسان کرنے والوں کو زیادہ پسند کرتا ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور اللہ احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور ترغیب دی گئی کہ:

وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (سورہ القصص: ۸) (اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی دوسروں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کر)

بھلائی کرنے اور معاشرے میں نیکی کو پھیلانے کا حکم دیا گیا:

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورہ الاعراف: ۲۴)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

کل معروف صدقة۔ (ہر نیکی صدقہ ہے)

اور یہ صدقہ ہر مسلمان پر لازم کیا گیا ہے۔ اس میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص

نہیں کی گئی ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ہر مسلمان پر صدقہ فرض ہے"

صحابہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو تو وہ کیا کرے"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"وہ کمائے' خود فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی دے"

صحابہؓ نے عرض کیا:

"اگر اس میں کمانے کی قدرت نہ ہو یا وہ نہ کمائے"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"غریب حاجت مند کی اعانت کرے"

صحابہؓ نے کہا:

"اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو پھر نیکی کے کرنے کا حکم دے"

صحابہؓ نے عرض کیا:

"اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے"

تو ارشاد ہوا کہ:

"پھر برائی سے باز رہے کیونکہ یہی اس کیلئے صدقہ ہے'

اس رویے کو باہمی اس درجہ عام کیا گیا کہ اسے اصول بنا کر جاری کر دیا گیا۔

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلاَّ الاِحْسَانِ (سورہ :الرحمٰن :٦٠) (بھلائی کا بدلہ کیا ہے مگر یہ بھلائی کی جائے۔)

یہ اصول پوری انسانیت پر محیط ہے اس میں مسلم و غیر مسلم اور اپنے بیگانے کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرض داروں کا قرض معاف کر دینے کی ترغیب دی۔ قیدیوں کو چھڑانے اور ناداروں کی دست گیری کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ خدا قیامت کی تکلیف سے اس کا نجات دے وہ تنگدست کو مہلت دے یا اسے معاف کر دے۔ غرض اسلامی معاشرے میں دوسروں کے ساتھ بھلائی اور احسان کا رویہ اختیار کرنے کی ترغیب زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو میں دی گئی ہے۔ پھر احسان کا یہ معاملہ بدلے کی نوعیت ہے بلکہ یہ فرد کے انفرادی اخلاق کا جزو ہے جو کسی دوسرے کے منفی طرز عمل سے ساقط یا مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔

حضورؐ سے ایک شخص نے احسان کے حکم کی وضاحت کیلئے سوال کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ میں کسی شخص کے گھر کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمانداری نہیں کرتا تو کیا اس کا گزر جب میری طرف سے ہو تو میں بھی وہی کج خلقی کروں" آپ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں تم اس کی مہمانداری کرو"

دوسری موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایسے نہ ہو کہ خود تمہاری اپنی کوئی عقل ہی نہ ہو اور تم صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی میں کام کرو۔ لوگ احسان کریں تو تم بھی احسان کرو اور لوگ ظلم کریں تو تم بھی بدلے میں ظلم کرو۔ نہیں تم اپنے آپ کو اس بات پر مطمئن کر لو کہ اگر دوسرے احسان کریں تو تم بھی احسان کرو لیکن اگر دوسرے برائی کریں تو تم بدلے میں ہرگز برائی اور ظلم نہ کرو۔" (جامع ترمذی شریف)

حقیقت یہ ہے کہ احسان اور نیکی کرنے کیلئے دولت کی نہیں دل کی

ضرورت ہوتی ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لباس اور تمہارے چہرے نہیں دیکھتا وہ تمہارے دل دیکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے تو ظالم رشتہ دار کے ساتھ بھی نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے آپ سے پوچھا:

"یارسول اللہ ﷺ مجھے ایمان کے ساتھ کوئی عمل بھی بتایئے۔"

آپ نے فرمایا:

"جو روزی خدا نے تمہیں دی ہے اس میں سے دوسروں کو بھی دو"

اللہ تعالیٰ نے اسلامی طرز عمل میں مسلمانوں کی یہ رہنمائی فرمائی:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ (سورہ مومنون: ۹۶)	اگر کوئی تمہارے ساتھ بدی کرے تو بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت ہی اچھا ہو)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو غیظ و غضب اور عیش کی حالت میں صبر کا اور نادانوں اور جاہلوں کی بدتمیزی کے مقابلے میں علم و بربادی کا اور برائی کے مقابلے میں عفوودرگزر کا حکم دیا ہے بلاہ عفوودرگزر سے بھی آگے بڑھ کر برائی کا بدلہ نیکی کے ذریعے دے کر دشمن کے نفس کی اصلاح کا طریقہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص باہمی عفوودرگزر کا رویہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیاو آخرت میں اس کی عزت افزائی فرماتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی خصوصیات

چنانچہ سورہ النحل میں مسلمانوں کے متوازن اور پاکیزہ معاشرے کی اخلاقی بنیادوں کو اللہ تعالیٰ اس طرح استوار فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ	اللہ تمہیں عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور ظلم وزیادتی

الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔)

اس آیت کے ذریعے اسلامی معاشرے کی چند خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس میں عدل و احسان اور باہمی صلہ رحمی کو اولیت کا مقام دیا گیا ہے۔ ظاہر کہ ان تین چیزوں کے اہتمام سے پورے انسانی معاشرے میں خوشگوار ترین فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر عدل کا رویہ ہر شخص کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ احسان کی روش ہر دل میں خوشگواری اور ہر حاجت مند کی دست گیری کرے اور باہمی صلہ رحمی کا طرز عمل محبت و الفت کے چشمے جاری کر دے تو اس معاشرے میں نیکیوں کے پھیلنے اور برائیوں کے دب جانے سے ایسی نیکی اور بھلائی کی فصل تیار ہوتی ہے کہ وہ معاشرہ زمین پر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ دورِ حاضر کے ایک مشہور اسلامی مفکر نے عدل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ ہمارے ہاں عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری، بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افرادِ معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی اور اخلاقی مساوات بالکل خلافِ عدل ہے۔ اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ

حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی معاشرتی' معاشی' قانونی' سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کیئے جائیں"

(تفہیم القرآن' ج: ۲' ص: ۵٦۵۔۵٦٦' از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ۔ فیاضانہ معاملہ ہمدردانہ رویہ' رواداری' خوش خلقی' درگزر باہمی مراعات' ایک دوسرے کا پاس و لحاظ' دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا۔ یہ انصاف سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔ ایسے ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہو گی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار و اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم ہی رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشوونما دینے والی قدریں ہیں"

(تفہیم القرآن' ج: ۲' ص: ۵٦۵۔۵٦٦' از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

پھر اس آیت میں دیئے گئے تیسرے حکم صلہ رحمی پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ہے:

"تیسری چیز جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے وہ صلہ رحمی ہے۔ جو رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی

ہے۔اس کا مطلب صرف یہی نہیں کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی اور مددگار بنے بلکہ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔شریعتِ الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں۔وہ خاندان کو معاشرے کا ایک اہم عنصر ترکیبی قرار دیتی ہے اور یہ اصول پیش کرتی ہے کہ ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوشحال افراد پر پہلا حق ان کے غریب رشتہ داروں کا ہے پھر دوسروں کے حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین' اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں۔پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں۔اسی اصول کی بنا پر حضرت عمرؓ نے ایک یتیم بچے کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس کا بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرے کا ہر واحدہ (UNIT) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی معاشرتی حیثیت

سے کتنی حلاوت' اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی وبلندی پیدا ہو جائے گی۔"

(تفہیم القرآن'ج: ۲'ص: ۵٦۵-۵٦٦'از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زبان سے کہلوایا ہے:

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں (سورہ الشوریٰ: ۱۵)۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے واسطے سے یہ حکم تمام مومنین کو بھی دیا ہے گویا حضور ﷺ اور آپ کے واسطے سے تمام مسلمان اس امر پر مامور ہیں کہ وہ تمام قسم کی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر بے لاگ انصاف پسندی کا رویہ اختیار کریں۔ کسی کے خلاف قطعاً کوئی تعصب نہ برتیں۔ سب انسانوں سے برادرانہ تعلق رکھیں جو سراسر عدل وانصاف پر مبنی تعلق ہو۔ حق بات کی حمایت کریں۔ چاہے وہ مخالفین کی طرف سے ہو اور خلافِ حق بات کی مخالفت کریں خواہ وہ اپنے قریبی احباب کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ حق گوئی اور انصاف پسندی میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ اپنے اور غیر' چھوٹے اور بڑے 'قریب اور دور' غریب اور امیر کسی کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جو گناہ ہے وہ سب کیلئے گناہ ہے اور جو حرام ہے وہ سب کیلئے حرام ہے۔ اور بے اعتدالی اور بے انصافی کی روش سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ یہی عدل وانصاف کا رویہ ہے اور یہی انسانی اور معاشرتی مساوات کا طرز عمل ہے۔

انسانی معاشرے میں عدلِ اجتماعی کا بہترین ذریعہ اسلام کی تعلیمات کا نفاذ ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسلامی تعلیمات کے نفاذ کے ذریعے ہی ایسا عدلِ اجتماعی قائم فرمایا جس کی مثال دنیا کی کسی دوسری اجتماعیت میں زمان ومکان کے فرق کے باوجود آپ تک کہیں نظر نہیں آئی۔ کہیں سرمایہ دارانہ طرز زندگی

نے عدلِ اجتماعی کا ڈھونگ رچایا۔ اور فرد کو بے انتہا آزادی حریت فکر اور لبرل ازم وغیرہ کے نام سے دی گئی لیکن جب وہ اپنے نفس کے زور سے حدود و قیود کو پھاند کر معاشرے کے کمزور افراد کیلئے درندہ بن گیا تو اس درندے کے بنائے ہوئے شیطانی نظام نے زمین کو ظلم و ستم سے بھر دیا۔ سیاہ غلاموں کی آبادیاں اور علاقے آباد کیے گئے تاکہ وہ سفید آقاؤں کی خدمت سر انجام دیں۔ افریقہ میں بنی آدم کا لاکھوں کی تعداد میں اس طرح شکار کیا گیا جس طرح درندے ہرنوں اور خرگوشوں کا شکار کرتے ہیں۔ تہذیب جدید کے دعویداروں نے قومیت کی جنگیں، رنگ و نسل کے امتیاز اور زبان کے فسادات سے دنیا کو پہلی بار آشنا کیا اور جھونپڑیوں کو گرا کر اپنے محلات تعمیر کرنے اور انسانوں کو بھوکا مار کر اپنے کتوں کو مرغن غذائیں کھلانے کی تہذیب پرورش پا گئی۔ مجرموں کے سامنے انسانی معاشرے بے بس ہو گئے اور ان کی منہ زور بے لگام نئی نسلوں کے سامنے اس تہذیب و تمدن کے بوڑھے معمار جن کے دم قدم سے اس تہذیب نے عالمگیر ترقی کی تھی خود غرض بن گئے اور سرمایہ دارانہ تہذیب بدکاری و عریانی، فحاشی، ظلم و جور، تباہ کن جنگیں اور اخلاقی تباہی کے سوا انسانیت کے سرمائے میں اور کوئی قابل ذکر اضافہ نہ کر سکی۔

اسی طرح اشتراکیت مساوات انسانی کا نعرہ لے کر انسانیت کے روگ مٹانے کیلئے اٹھی لیکن فرد کی بے بسی، معاشرے کی قید و بند، انسانی بنیادی حقوق کے اختلاف، چند افراد کی ملوکیت و جبریت، افسر شاہی، بے گار کیمپ اور جاسوسوں کی فوجوں کو تیار کر کے انسانیت کو زندہ دفن کر گئی۔ ابن آدم اس کی تباہ کاریوں اور سنگدلیوں سے لاچار اور بے حد پریشان ہے اور اب اسے سر چھپانے کی جگہ اور ٹھنڈا سایہ کہیں میسر نہیں آرہا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے انسانیت کو بتایا کہ اس کے لئے عدل وانصاف صرف اسلام کی پیروی اور اپنے حقیقی مالک کی اطاعت میں ہے۔ اسلام نے ہی بتایا کہ عدل کیا چیز ہے اور اسے کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ انسانوں کا خالق ہی ان کیلئے عدل کا معیار منتشر کر سکتا ہے ورنہ انسان اپنی پیدائش کے ماحول میں اس طرح جکڑا ہوا ہوتا ہے کہ اس کا معیار عدل ضرور ہی کسی نہ کسی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔ صرف تمام انسانوں کا مالک جو سب کے لئے مساوی ربوبیت اور خالقیت کا مظہر ہے۔ وہی عدل وانصاف پر مبنی نظام دے سکتا ہے اور اس کا دیا ہوا نظام وہی ہے جسے نبی ﷺ نے جاری وساری اور قائم کیا تھا۔ یہ پوری حقیقت نہیں ہے کہ اسلام میں عدل وانصاف ہے بلکہ پوری حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی عدلِ اجتماعی کا بہترین معیار قائم کرتا ہے۔ عدل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا اور کہیں سے میسر نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ تمام انسانوں کے درمیان عدل کا مقام صرف ان کے واحد مالک کو ہی حاصل ہے۔ عدل قائم کرنے کیلئے اسلام کا قیام ضروری ہے اور حضور ﷺ نے اسلام کو قائم کر کے حقیقتاً عدل کو ہی قام کر دیا تھا اس لئے کہ اسلام ہی نظامِ عدل ہے۔

اسلام فرد کی شخصیت کی نشوونما کرتا ہے۔ اسے توحید' رسالت اور آخرت کے عقائد دے کر بے لاگ موحد اطاعت گزار بناتا ہے۔ اسے آخرت کا عقیدہ دے کر مسئولیت کا زبردست احساس اس میں پیدا کرتا ہے۔ اسے حقوق وفرائض کی ایک طویل فہرست دے کر اس کے ضمیر میں میزانِ عدل نصب کرتا ہے اور اسے معروف ومنکر کا شعور دے کر اسے بتاتا ہے کہ جو ایک شخص کے فرائض ہیں۔ اس طرح حقوق وفرائض کا سلسلہ باہمی تسبیح کے دانوں کی طرح پرو دیا ہوا ہے اور اگر ہر شخص اپنے اپنے فرائض ادا کرتا ہے تو معاشرے میں ہر

ایک کے حقوق ادا ہوتے رہتے ہیں اور فرض ادا کرنے کا حق بھی پورا پورا ادا ہو جاتا ہے۔ یہی عدلِ اجتماعی کا ایک درخشاں پہلو ہے۔ اس کیلئے ہر فرد کو متوازن اور معتدل آزادی اور حریتِ فکر و عمل درکار ہے تاکہ ہر فرد اپنی نیکی اور اپنی برائی کا خود ذمہ دار ہو۔ لیکن نہ اتنا بے لگام کہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح فرد بے لگام اور شہ زور گھوڑے کی مانند ہو کہ جس کو چاہے روند دے اور جس کھیت میں چاہے منہ مارے۔ اسے عدلِ اجتماعی نہیں 'اجتماعی بے لگامی دبے مہاری کہا جائے گا اور نہ اشتمالی نظام کی طرح ایسی جبریت ہو کہ انسان پنجرے میں بند پنچھی کی مانند بن کر رہ جائے جسے صیاد کی طرف سے تڑپنے اور پھڑ کنے کی بھی اجازت نہ ہو چاہے پنجرے میں دانہ دنکا ہی ڈالا جا رہا ہو۔ اسے عدلِ اجتماعی نہیں بلکہ ظلم اجتماعی بلکہ جبر اجتماعی کہا جائے گا۔

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی تعلیمات کے نفاذ سے ظلم و عدوان اور استحصال کی تمام صورتوں کا اسلامی معاشرے میں سے استیصال کر دیا تھا۔ ان بنیادوں پر آپ نے معاشرے کو قائم کیا اور چلایا اس میں کسی فرد کیلئے کسی دوسرے فرد کا یا کسی اجتماعی ادارے کو کسی فرد کا استحصال کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہنے دی گئی تھی۔ آپ نے ظلم و استحصال کی جڑیں اکھیڑ دیں اور افراد کی اخلاقی تربیت اور عملی احکام کے ذریعے انہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی تھا اس کا استحصال کرنا اور اس کی حق تلفی کرنا دوسرے کے تصور میں بھی نہ آسکتا تھا۔ آپ ﷺ نے خدا کی زمین پر ظلم و جور کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ معاشرے میں عدل کی روایات قائم رکھنے کیلئے آپ نے خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والوں کو ظالم قرار دیا۔ فواحش کا ارتکاب کرنے والے ظالم بتائے گئے۔ راہزنی کرنے والے 'باہمی آپس میں اور اللہ تعالیٰ پر افتراء

کرنے والے بھی ظالم قرار پائے۔ اللہ کے نبیوں کو جھٹلانا ظلم شمار ہوا۔ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا ظلم ٹھہرا۔ اللہ کی نعمتوں سے انکار ظلم ہوا۔ حقائقِ کائنات کے خلاف عقیدہ رکھنے والے' منافقین اور اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے والے' سب ظالم قرار دیے گئے۔ خدا کے قوانین عدل سے انحراف سراسر ظلم بتایا گیا۔ تعصب' ضد' ہٹ دھرمی اور عصبیت میں مبتلا لوگوں کو ظالم کہا گیا۔ خلافِ حق طرزِ عمل اختیار کرنا ظلم ٹھہرا۔ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو غلط استعمال کرنے اور ان سے صحیح کام نہ لینے والوں کو ظالم بتایا گیا۔ عیش پرست' آرام طلب اور نیکی بدی کو بھول جانے والے لوگ ظالم قرار پائے۔ اللہ کے طریق عدل سے انحراف کرنے والے' اس کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے' اللہ کے نظام سے انکار کرنے والوں سے محبت رکھنے والے' قرآن کی دعوتِ عدل سے منہ موڑنے والے' اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنے والے' سب ظالم قرار دیے گئے اور ظالموں کیلئے دینا و آخرت میں خیر ان ہی خسران ہے۔ ان کیلئے فلاح نہیں ہے۔

ظلم کی ممانعت : ظلم عدل و انصاف کی مخالف صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو عادل و منصف ہے اس نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ظالم کا ہاتھ پکڑ لینے کا حکم دیا ہے چاہے وہ اپنا بھائی بھی کیوں نہ ہو۔ ظالم کو ظلم سے روکنا مومن کے فرائض میں شامل ہے اور اس کے خلاف آواز بلند کرنا بہت بڑا جہاد ہے اس لئے کہ ظلم عدلِ اجتماعی میں رخنہ اندوزی کرتا اور اس کی روح کے منافی فضا بناتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔)
(سورہ شوریٰ : ۴۱)

مظلوم کو حق دیا گیا ہے کہ ظالم کی کاروائیوں کو کھل کر بیان کرے اور اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ مل کر اس ظالم کو ظلم سے روکیں۔ اور اسے خدا کے قانون کے سامنے سرنگوں کریں۔ ظلم وعدوان کے کاموں میں عدم تعاون کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان کی روک تھام کرنا بھی مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیونکر کی جائے۔" آپ نے فرمایا:

"اس کی مدد یہ ہے کہ تم اس کو ظلم سے روک دو"

دوسری جگہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو میں نے اپنے لئے اور تمہارے لئے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"

مزید فرمایا:

"ظلم سے بچو، ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے چاہیے کہ وہ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے۔"

حضور ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"مظلوم کی مدد کی جائے"

جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو نصیحت کی:

"دیکھو مظلوم کی بدعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں"

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ آج ہی اس سے پاک ہو لے اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینار ہوگا اور نہ درہم۔ ظلم کا بدلہ ظلم کے برابر دینا ہوگا۔ مظلوم کو نیکیاں دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم پر لاد دی جائیں گی" پھر فرمایا:

"اہل ایمان دوزخ سے پاک ہو چکیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل کے پاس لٹکے جائیں گے۔ وہاں وہ دنیا میں ایک دوسرے پر کیے ہوئے ظلم کا بدلہ چکائیں گے۔ جب اس سے بھی پاک ہوں گے تب ان کو بہشت میں جانے کی اجازت ملے گی۔" (سیرت النبی، ج:۶، ص:۲۲۷۔۲۳۳، از سید سلیمان ندوی)

غرض ظلم وزیادتی کیلئے اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور کوئی فرد ظلم کا رویہ اختیار کر کے معاشرے اور حکومت کے احتساب اور گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اسی طرح استحصال بھی ظلم کی ہی ایک صورت ہے۔ جب ایک شخص اپنے عہدے، منصب، مالی پوزیشن، قوت واختیار اور معاشرے میں مقام سے فائدہ اٹھا کر اپنے سے کمتر یا کمزور تر افراد کا استحصال کرتا ہے تو ایسے افراد کو اسلامی معاشرہ رنگے ہاتھوں پکڑ کر احتساب عامہ یا حکومت کے حوالے کر دیتا ہے۔ اگر ایک خلفیہ کے کندھے پر بھی ایک کی بجائے دو چادر کا لباس نظر آجائے تو معاشرے کا غریب ترین فرد اٹھ کر اس پر گرفت کر سکتا ہے اور خلیفہ جوابدہی کے ذریعے معاشرے اور افراد کو مطمئن کیلئے بغیر اپنا قدم آگے نہیں اٹھا سکتا۔

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی معاشرے میں فرد فرد کے حقوق مقرر فرمادیئے ہیں۔ تاکہ کسی کا حق بھی بے جواز نہ رہے۔ ہر حق کے پیچھے قانون کی ریاستی یا معاشرے کی اخلاقی قوت کو کھڑا کر دیا گیا ہے تاکہ وہ حق پوری دیانتداری اور شرافت سے ادا کیا جائے اور کسی کو بھی دوسرے کے حقوق کو غصب کرنے کی جرات نہ ہو سکے۔ غریب کا امیر پر حق' محروم کا مالدار پر حق' سائل کا صاحبِ استطاعت پر حق' والدین کا اولاد پر حق' قرابت داروں کا قرابتداروں پر حق' پیدوار کا کاٹنے والوں پر حق' مسکین' مسافر' قیدی' محتاج' یتیم' فقیر بے نوا' اہل حاجت اور بے استطاعت کا پورے معاشرے اور حکومت پر حق۔ پھر ہمسائے کا ہمسائے پر' بیوی کا شوہر پر' مسافر کا دوسرے مسافر پر' ملاقاتی کا ملاقاتی پر' اور پالتو جانوروں کا پالنے والوں پر' حد یہ ہے کہ انسان کی جان کا' اس کے بدن کا اس کے اعضاء کا اس پر حق یوں حقوق کا دائرہ پھیلتا چلا گیا ہے اور جو شخص جس مقام پر بھی ان حقوق کو تلف کرنے کی سعی کرتا ہے وہاں وہ ظلم کا ارتکاب کرتا ہے اور جہاں ایک ظلم ہوتا ہے وہاں بیسیوں ہاتھ آگے بڑھ کر ظالم کا ہاتھ پکڑتے' اسے ظلم سے باز رکھتے اور اسے حقدار کو اس کا حق پہنچانے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح اسلامی معاشرے میں ظلم و عدوان اور زیادتی و استحصال کا کلیۃً خاتمہ ہو جاتا ہے۔

معاشی استیصال کا تدارک: اس کے علاوہ بھی اسلام نے مختلف تدابیر سے ظلم و عدوان اور استحصال کا تدارک کیا ہے چونکہ استحصال کا زیادہ تر تعلق معاشی دائرے سے ہے اور مالی قوت کے زور سے ہی لوگ دوسروں کے حقوق غصب کرنے کا کام زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں اور دوسرے جاہلی معاشروں میں کرتے بھی رہتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے معاشی دائرے میں بھی

استحصال کا پوری طرح استیصال کیا ہے۔اس سلسلے میں مختلف تدابیر سے ظلم وزیادتی اور بیجا عدم تفاوت کا علاج کیا گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنا طریقہ رکھا کہ ہر حاجت مند کو بھرپور دیا۔ لوگ آتے اور لاد لاد کر لے جاتے۔ حضور ﷺ بیت المال میں کوئی شے بھی لوگوں سے بچا کر رکھنا پسند نہ فرماتے تھے جب تک سب کچھ تقسیم نہ کر دیتے اس وقت تک آرام نہ فرماتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے یہ تھی کہ :

"ہم لوگ اللہ کیلئے اسلام لائے ہیں اور ان کے اجر بھی اس کے ذمے ہیں وہ قیامت کے دن انہیں پورا پورا اجر عطا کریگا۔ دنیا قدر و کفایت سے زیادہ نہیں۔"

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ بالعموم حضور ﷺ کے طریقے پر ہی ہر کسی کو ضرورت بھر دیتے اور کسی میں کوئی امتیاز نہ کرتے۔اس طرز عمل کیلئے ان کی ذاتی رائے بہت بڑی سند تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی رائے یہ تھی کہ :

"جن لوگوں نے رسول اللہؐ کے خلاف جنگ کی ہے ان کو میں ان لوگوں کے مثل قرار نہیں دونگا جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہو کر جنگ کی ہے"

حضرت عمرؓ کی یہ رائے بھی وزنی تھی چنانچہ وظائف مقرر کرنے میں حضرت عمرؓ بدری اور غیر بدری صحابی کا امتیاز کرتے تھے۔لیکن آخری عمر میں حضرت عمرؓ نے اپنی اس رائے سے رجوع کر کے مساوی وظائف بلا امتیاز دینے کا طرز عمل قبول کر لیا تھا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ وظائف بلا امتیاز بقدر ضرورت دیئے جائیں چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنے وظائف مقرر کرنے کا اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا :

"سنو! رسول اللہ کے صحابیوں میں سے مہاجر یا انصاری' جو شخص بھی یہ رائے رکھتا ہو کہ صحبت کی بنا پر اسے دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ فضیلت کل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آئے گی اور اس کا اجر و ثواب بھی وہی دے گا۔ خوب سمجھ لو کہ جس شخص نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی' ہماری ملت کی تصدیق کی' ہمارے دین میں داخل ہوا اور ہمارے قبیلے کی طرف رخ کیا' اس نے اپنے اوپر اسلام کے حقوق و فرائض عائد کر لے۔ دراصل تم سب اللہ کے بندے ہو اور یہ مال اللہ کا مال ہے جو تمہارے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے معاملے میں کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ البتہ متقی لوگوں کیلئے اللہ کے پاس بہترین جزا موجود ہے۔"

جہاں تک عملی معاشیات کا تعلق ہے' تجربات نے جو بات اسلامی معاشرے کے مختلف تجرباتی ادوار میں لا کر سامنے رکھی وہ یہ کہ :

☆ غریب لوگ اسلام میں پیش قدمی کرنے والوں کے مقابلے میں مالِ عام کے زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ ضرورت ہی حق کو پیدا کرتی ہے۔

☆ اسلامی معاشرے میں یہ امر کسی درجے میں پسندیدہ نہیں ہے کہ ایک طرف دولت جمع ہو رہی ہو اور دوسری طرف یکسر محرومی ہو۔ صاحبِ امر کو ایسی صورتِ حال کو درست کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بنی نظیر کی فئے کو تمام تر فقراء اور مہاجرین میں ہی تقسیم کر دیا تھا تا کہ معاشی توازن معاشرے میں درست ہو جائے۔ قرآن مجید نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ :

كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ تاکہ مال و دولت صرف ہمارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتی رہے۔

☆ اسلامی معاشرے میں محصول بھی لوگوں کے مالی حالات کے تناسب سے لگایا جاتا ہے تاکہ کوئی شخص بھی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہ جائے۔

☆ ہر شخص کو اس کے کام اور صلاحیت کے مطابق معاوضہ دینے کا اصول طے کیا گیا لیکن اسی کے پہلو بہ پہلو یہ اصول بھی قائم کیا گیا کہ ہر شخص کو اس کی ضروریات کے مطابق دیا جائے اسی لئے حضور علیہ ﷺ نے مال فئے میں سے مجرد کیلئے ایک اور شادی شدہ شخص کیلئے دو حصے مقرر فرمائے۔ گویا محنت کے ساتھ حاجت کا اصول کفالت بھی معاوضوں کے تعین اور وظائف کے تقرر میں ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ یہی وہ عدلِ اجتماعی ہے جس کی دنیا کی کسی سوسائٹی میں بھی نظیر موجود نہیں ہے۔

☆ اسلامی معاشرے میں یہ اصول ہمیشہ کیلئے مقرر کر دیا گیا کہ مال کہاں سے حاصل ہوا اور کن مصارف میں خرچ کیا گیا۔ تاکہ حرام مال آنے اور حرام راستے پر جانے کے تمام راستے مسدود کر دیئے جائیں۔

☆ اصولِ زکوٰۃ کا نفاذ کیا گیا جس کے ذریعے معاشرے کے تمام حاجت مندوں کو سنبھالنے کا مؤثر انتظام کر دیا گیا اور معاشرے کا کوئی فرد بھی جو اجتماعی دست گیری کا مستحق ہو اسے تھامنے کا مؤثر اہتمام کیا گیا۔ زکوٰۃ کو جزو دین بنایا گیا۔

☆ اجتماعی کفالت کا اصول اتنا موثر انداز میں نافذ کیا گیا کہ جس بستی میں کوئی شخص بھوک کی وجہ سے موت کا شکار ہو جائے اس بستی پر اس شخص کی اجتماعی دیت عائد کی گئی۔ یہ فوجداری قانونِ انسانیت کا احساس زندہ رکھنے کیلئے مقرر کیا گیا وہ لوگ قابل سزا شمار کیے گئے جن کی موجودگی میں ایک انسان کی جان تلف ہو گئی تھی۔

معاشی توازن کیلئے اقدامات :اسلامی معاشرے میں معاشی توازن اور مالی اعتدال بر قرار رکھنے کے ان مثبت اقدامات کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے معاشرے کو افراط و تفریط سے بچانے اور اس کے اندر پاکیزہ ماحول قائم رکھنے کیلئے ایسے اقدامات بھی کیے جن کی حیثیت حفظِ ماتقدم اور امتناعی تدابیر کی تھی تاکہ معاشرے میں معیار زندگی کی مسابقت' دلوں کی جلن اور شک و حسد کے جذبات کی پرورش اور اوپر کی طرف دیکھنے اور ترسنے کی کیفیت نہ پیدا ہونے پائے۔

آپؐ نے زمین میں سے پیدائش رزق کا حق سب کیلئے پیدائشی حق قرار دیا اس حق سے کسی کو بھی محروم نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل تھی۔ کسی انسان کو بھی از روئے قانون اس امر کا پابند نہ کیا گیا کہ وہ جائز وسائل رزق میں سے بعض کو استعمال کرنے کا حقدار ہی نہ ہو یا بعض پیشوں کا دروازہ اس کیلئے بند کر دیا جائے۔ حضور ﷺ نے کسی پیشے یا ذریعہ معاش پر کسی کی اجارہ داری قائم نہ رہنے دی۔ اجارہ داری کو ممنوع قرار دیا گیا اور تمام چیزوں اور تمام پیشوں پر تمام انسانوں کا یکساں حق تسلیم کیا گیا۔ ہر جائز معاشی کام کے دروازے ہر شخص پر کھول دیے گئے۔

اسی طرح فطری ذرائع رزق بھی سب کیلئے یکساں طور پر کھلے قرار دیے

گئے۔ فطری ذرائع پر نہ کسی کی اجارہ داری قائم ہو سکتی تھی اور نہ ان پر ایسی پابندیاں لگ سکتی تھیں کہ اللہ کے بندے ان سے مستفید نہ ہو سکیں۔ وسائل رزق سے استفادہ اور مواقع حصولِ رزق کی مساوات ہر شخص کیلئے قابل حصول رکھی گئی۔ معاشی جدوجہد میں بے رحمانہ مسابقت کی بجائے ہمدردانہ معاونت و موافقت درفاقت کی فضا قائم کی گئی۔ اجتماعی ظلم وزیادتی کا سدباب کیا گیا۔ تعیشات اور نفس پرستانہ اور خود غرضانہ عیش پسندیوں کو روکا گیا۔ سرمائے کی حیثیت قاضی حاجات اور پرستش سے گرا کر انسانی ضروریات میں سے ایک ضرورت کی سطح پر لائی گئی۔ انسان کی قدر و قیمت کو سرمائے سے بڑھایا گیا۔ طبقاتی معاشرہ پیدا ہونے کا سدباب کیا گیا۔ انسانوں کی درجہ بندی مال و دولت کی بجائے نیکی اور بدی کی بنا پر قائم کی گئی تاکہ معاشرے میں نیکی قابل رشک اور بدی لائق نفرت فعل قرار پائے جس سے معاشرے کا اخلاقی درجہ روز بروز ترقی کرتا چلا جائے۔ معاشی نظام اور سیاسی اختیارات پر چند افراد کی اجارہ داری کلیۃً ختم کر کے آزاد مسابقت کی کھلی معیشت اور سیاست میں مشاورتی ڈھانچہ قائم کیا گیا۔ کسی نوعیت کے طبقاتی سماج پیدا ہونے کا کلی تدارک کر دیا گیا۔ وہ سارے عوامل جو انسان اور انسان میں فرق کرتے اور انہیں طبقات میں تقسیم کرتے ہیں ان کا استیصال کیا گیا۔ انسانی شخصیت کے نشو و نما کا پورا اہتمام کیا گیا اور اس کی شخصیت کے نشو و نما میں جبریت کے دباؤ کا کلی خاتمہ کر دیا گیا۔ مالیاتی جدوجہد میں جائز و ناجائز کی حدود متعین کر کے معاشرے کی اخلاقی قیمت پر بے لگام اور اندھا دھند سرمایہ کمانے کا رجحان ختم کر دیا گیا۔ بخل اور ذخیرہ اندوزی کی شدید مذمت کی گئی اور دولت کو گردش میں رکھنے کا اصول رائج کیا گیا۔ مالی کفاروں کے ذریعے بھی مساکین اور حاجتمندوں تک مال پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔ تقسیم وراثت کے ذریعے دولت کے سمٹاؤ کو

وقفے وقفے کے بعد منتشر کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی معاشرے میں ایسی معاشی اسکیم جاری کی جس میں ایک طرف معاشی انصاف کا اہتمام اور معاشی ظلم وزیادتی اور بے جا استحصال کا سدباب کیا گیا تو دوسری طرف اخلاقی فضائل کے نشوونما پانے کی فضا پیدا کی گئی۔ اخلاقی اور معاشی اقدار کو باہمی اس طرح ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا گیا کہ معاشی بے انصافی اخلاقی دیوالیہ پن کی علامت اور معاشی استحصال اخلاقی گمراہی کا سبب قرار دیا گیا۔ فرد کے حقِ ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرے کے مفاد کی خاطر اس پر موزوں حدود وپابندیاں بھی لگائی گئیں اور اس پر بے شمار نوعیت کے حقوق وفرائض بھی قائم کر دیئے گئے۔ دولت کے بہاؤ کو غلط سمتوں سے ہٹا کر جائز اخراجات اور صحت مند گردش کی طرف موڑ دیا گیا۔ مال کو جمع کر کے رکھنے کی ممانعت اور خرچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ فرد کی معاشی جدوجہد کو جو حدود حلال کے اندر ہو' آزادی کی ضمانت دی گئی۔ اخلاقی اور مادی ترقی کو ہم آہنگ کیا گیا۔ محنت وسرمایہ اور تنظیم کو وسائل رزق میں برابر کی اہمیت دی گئی اور تینوں عوامل کو پیدائشِ دولت میں مساویانہ حیثیت کا حامل قرار دے کر ان میں باہمی حصہ داری کو انصاف کے اصولوں پر قائم کیا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے قائم کردہ اسلامی معاشرے کو ظلم وعدوان اور معاشی استحصال کی تمام ممکن صورتوں سے بھی محفوظ کرنے کا انتظام فرمایا۔ آپ نے سرمائے کے ارتکاز کو روکنے اور اسے بیش از بیش گردش میں رکھنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔ نجی ملکیت کو بے لگام چھوڑنے کی بجائے اسے مصالح ملی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا۔ ہر نوعیت کے استبداد کو روکا۔ سود جو استحصال زر کی بدترین صورت ہے اسے کلیۃً حرام قرار دے کر اس کے وجود کو خدا اور رسول کے

خلاف جنگ کے مترادف قرار دیا۔ کسبِ معاش کے حدود متعین کیے' سارے ناجائز اور ظلم کے ذرائع آمدنی کو حرام قرار دیا۔ مصارف میں اعتدال کا راستہ متعین فرمایا۔ اخلاقی ضوابط سے معاشی زندگی کو ہم آہنگ کر کے اسے صحیح رخ پر ڈال دیا۔ حلال و حرام کی حدود متعین کی گئیں۔ خدا کی راہ میں انفاق پر زیادہ سے زیادہ زور دیا گیا۔ اور ہر اس خرچ کو خدا کی راہ کا خرچ قرار دیا گیا جو دوسروں کی فلاح و بہبود کیلئے کیا گیا ہو۔ لین دین میں خوش معاملگی کو رواج دیا گیا اور قرض حسنہ کی ترویج کی گئی۔ قرضوں کو ادا کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ قرضوں کو معاف کر دینے کی طرف بھی لوگوں کا رخ موڑا گیا۔ مال کو بے جا ضائع کرنے کی ممانعت کی گئی۔ غیر شرعی مصارف پر مال صرف کرنے کو بھی روکا گیا۔ ملکیت کے مضرت رساں استعمال پر پابندی عائد کی گئی۔ اموال پر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام و انتظام کیا گیا۔ بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرنے کی ہمت شکنی کی گئی۔ مال ضائع کرنے اور دوسروں سے کثرت سے سوال کرنے کو بھی منع کیا گیا۔ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا۔ بہت گھٹیا لباس جو بخل کی علامت ہے اور بہت بڑھیا قیمتی لباس جو عیش پسندی اور تکبر کی علامت ہے دونوں کے استعمال سے منع کیا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیوں کہ اللہ کے اچھے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔'

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل کو لکھا:

"خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا اور اہل شرک کی پوشاک سے اور ریشم کا لباس پہننے سے۔"

دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے"

قرآن مجید نے کہا:

"آگاہ رہو کہ دنیا پرستی کی زندگی لہو و لعب' بے جا زینت و آرائش' باہمی منافرت اور مال و اولاد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کا نام ہے۔" (سورہ الحدید : ۲۰)

چنانچہ مردوں پر سونا اور ریشم حرام قرار دیا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"ریشم اور دیباج کے کپڑے نہ پہنو' سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو' نہ ان سے بنے ہوئے بڑے بڑے پیالوں میں کھانا کھاؤ"

ایک بار حضرت عمرؓ حضور اکرم ﷺ کیلئے ایک نہایت اعلیٰ درجے کا ریشمی جبہ لائے تاکہ آپ اسے خرید لیں اور وفود کی آمد اور اہم مواقع پر پہنا کریں تو آپ ﷺ نے وہ جبہ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس طرح معاشرے میں اعتدال و توازن برقرار رکھنے کیلئے حضور ﷺ نے بہت سی معاشرتی ہدایات دیں۔ فرمایا:

"اسلام میں مضرت رسانی جائز نہیں ہے" (کتاب الخراج ص : ٦٨)

فرمایا:

"جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے گا اس کو اللہ تعالیٰ نقصان پہنچائیگا اور جو کسی دوسرے کو تکلیف دے گا اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف دے گا"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے اس پر لعنت ہے"

مزید فرمایا:

"وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کے پڑوسی اس کی زیادتیوں سے محفوظ نہ ہوں" صحابہ کرامؓ نے پوچھا:

"یارسول اللہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر وہ تم سے مانگے تو اسے قرض دو۔ تم سے مدد چاہے تو اس کی مدد کرو۔ ضرورت مند ہو تو اسے کچھ دو۔ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو۔ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔ اسے کوئی فائدہ ہو تو تمہیں بھی خوشی ہو اور تم اسے مبارکباد دو۔ اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو تمہیں بھی دکھ ہو اور تم اس کی تعزیت کرو۔ اسے اپنی ہانڈی کی خوشبو سے پریشان نہ کرو۔ اور یہ کہ اس پکوان میں سے اس کیلئے بھی حصہ نکالو۔ اپنی عمارت اس کے مقابلے میں اتنی اونچی نہ اٹھاؤ کہ اس کے گھر میں جھانک سکو۔ نہ اپنی عمارت سے اس کے گھر کی ہوا روکو۔ اور یہ کہ تم نے اس کی اجازت حاصل کرلی ہو۔ اگر تم نے پھل خریدا ہو تو اس میں سے اس کو بھی تحفہ بھیجو ورنہ چھپا کر لاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں سے تمہارے بچے کچھ لے کر باہر نکلیں اور اس کے بچوں کو (احساس محرومی کی وجہ سے) غم و غصہ میں مبتلا کریں۔ میں جو بات کہہ رہا ہوں کیا تم اسے پوری طرح سمجھ رہے ہو' پڑوسی کا حق بس تھوڑے ہی لوگ ادا کر سکیں گے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہو۔"

(اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول' ص: ۲۳۲-۲۳۳' از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی)

جانوروں کے ساتھ انصاف: اسلامی معاشرے میں انسانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ان کی محنت وصلاحیت کے استیصال کی بات تو دور کی بات ہے۔ حضور ﷺ نے تو جانوروں تک کے حقوق کو متعین فرمایا اور ان کی حق تلفی کو بھی

معصیت قرار دیا ہے۔

حضرت سہیلؓ بن حنظلہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور اکرم ﷺ کا گزر ایک ایسے اونٹ کے پاس سے ہوا جس کی پیٹھ اس کے پیٹ کے ساتھ لگ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا:

"ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ جب تک یہ سواری کے قابل ہوں۔ ان پر سواری کرو اور ان کو اچھی حالت میں ہی اپنی خوراک بنالو" (ابو داؤد)

بعض لوگ جانوروں کو چاند ماری یا تیر اندوزی کی مشق کیلئے نشانہ بناتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے سختی سے منع فرمایا۔ امام بخاری کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس شخص پر لعنت بھیجی ہے جو کسی ذی روح چیز کو (مشق کی خاطر) اپنا ہدف بنائے۔

معاشی تعلیمات: حضور ﷺ نے معاشرے کو بحران سے دوچار کرنے کی ہر صورت کا تدارک کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص مسلمانوں کیلئے اشیاء کے نرخ گراں کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ غلط کار ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اس سے بری الذمہ ہے۔"

معقل بن یسار نے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لئے دخل دے کہ اسے گراں کر دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے زبردست آگ میں جھونک دے"

اسی طرح معاشی سرگرمیوں میں ہر نوعیت کی خیانت کو ممنوع

قرار دیا گیا۔ دھوکا' فریب' غلط بیانی' غلط اور مبالغہ آمیز' اشتہار بازی' عیب والے مال کو چھپا کر اور اچھا بنا کر پیش کرنا' گھٹیا مال کو بظاہر بلند معیار بنا کر دکھانا' ناپ تول میں خیانت اور جعل سازی' اشیاء خوردنی میں ملوث اور خریداروں کو دھوکا دینے کی کوشش' مال کو مہنگا کر کے فروخت کرنا وغیرہ حضور ﷺ نے مال کو گردش میں رکھنے اور مستحق افراد معاشرہ سے تعاون اور ان کی مدد کرنے کے بارے میں فرمایا:

"اے آدم کے بیٹے تیرے لئے فاضل مال کا خدا کی راہ میں خرچ کر دینا بہتر ہے اور اسے روک لینا برا ہے۔ اپنی ضرورت کی تکمیل کرنے کی حد تک تجھ پر کوئی ملامت نہیں اور خرچ کرنے میں ابتداء ان لوگوں پر خرچ کرنے سے کرو جن کی پرورش تمہارے ذمے ہو اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ س بہتر ہے" (مسلم)

ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

"جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو بھی ہمراہ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں کو بھی لے جائے"

زمین سے استفادے کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

"اپنی زمین اپنے بھائی کو کرائے کے بغیر دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے زمین پر ایک مقررہ لگان وصول کیا جائے"

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں پر ان کے مال میں اس قدر فرض کیا ہے جس سے ان کے اہل حاجت کی کفالت ہو جائے۔ فقراء اگر بھوکے اور ننگے رہنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے معاشرے کے

مالداروں ہی کے کرتوت کے نتیجے میں۔ آگاہ رہو اللہ تعالیٰ نے عزوجل یقیناً ان لوگوں سے سخت محاسبہ کرے گا اور انہیں دردناک عذاب دے گا"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"بندہ جب تک اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔"

مزید فرمایا:

"جو تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پناہ چاہے اسے پناہ دو اور جو تم سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے اسے دو"

اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کی تاکید کے بارے میں حضور ﷺ نے اتنی سختی روا رکھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کوئی آدمی اپنے دوست کے پاس آئے اور اس سے اس کے فاصل مال میں سے کچھ مانگے اور وہ اسے دینے سے انکار کردے تو قیامت کے دن اس کیلئے ایک بڑا سانپ بلایا جائے گا جو اپنے پھن نکال کا اس فاضل چیز کے پیچھے دوڑے گا جس کے دینے سے انکار کیا تھا"

چنانچہ قرآن مجید نے بھی ضرورت مند کے اس حق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (سورہ ذاریات:۲۱) (اور ان کے اموال میں سائل اور محتاج کا ایک حق ہے)

اسلام میں معیاری طرز عمل یہ قرار دیا گیا ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد اپنا باقی مال اہل حاجت کی حاجت روائی کے لئے وقف کردے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا (اور یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں

يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (سورہ البقرہ : ۲۱۹)

کہ راہ خدا میں کتنا انفاق کریں ان سے کہیے کہ جو کچھ تمہاری اپنی ضروریات سے فاضل ہو۔

کفالت عامہ اور حکومت کی ذمہ داری : یہ تو افراد معاشرہ کے بارے میں احکام ہیں لیکن حکومت جو کسی معاشرے کا سب سے بڑا منظم ادارہ ہے اور اپنے باشندوں کی بھلائی اور برائی کے بارے میں دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ جواب دہ ہے اس کی ذمہ داری کفالت عامہ کے بارے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ حکومت کو باشندوں کی ضروریات کی کفالت کا پوری طرح ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے' حضور ﷺ نے فرمایا :

"جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا" (ترمذی)

حضور اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابی حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا :

"خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر کرتا ہے"

حکمرانوں کی ذمہ داری بتاتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا :

"جس بندے کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو نہ پاسکے گا"

پھر فرمایا :

"جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے"
ترمذی ابواب الفرائض)

اور "جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے"

آپ ﷺ نے عام اعلان فرمایا کہ :

"مجھ سے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔ لہذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمے ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کیلئے ہوگا"

حضور اکرم ﷺ کے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ نے فتح قادسیہ پر عوام کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

"مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کسی کی کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں جب تک کہ ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں لیکن جب ہمارے اندر اتنی گنجائش باقی نہ رہ جائے تو ہم امداد باہمی کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہو۔ حکومت کی یہ امانت میرے سپرد کی گئی ہے اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ تمہاری چیز سمجھ کر تمہاری طرف واپس کر دوں اور تمہاری خدمت کیلئے تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا۔ اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور اپنے حقوق کے مطالبے کے لئے اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا۔ دنیا میں کچھ عرصہ میں خوشی مناؤں گا مگر آخرت میں عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا۔ میرا حال یہ ہوگا کہ کوئی مجھ

سے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا میں اپنا عذاب بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں"

(سیرت عمر بن خطاب لابن جوزی، ص : ۳)

یہی احساس ذمہ داری تھا جو حضور ﷺ نے اپنے معاشرے کے افراد میں پیدا کیا تھا جس کے نتیجے میں حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں کہا کرتے تھے :

"اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا"

اسی عوامی بہبود کفالت عامہ اور عدلِ اجتماعی کا احساس تھا جس کی شدت کے تحت حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا :

"اگر میں زندہ رہا تو ایک سال تک اپنی رعایا کے درمیان دورہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عوام کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کی خبر مجھ تک نہیں پہنچ پاتی۔ ان کے مقامی حاکم ان کی ضروریات سے مجھے باخبر نہیں رکھتے۔ اور خود وہ لوگ مجھ تک نہیں پہنچ پاتے"

غرض حضور اکرم ﷺ کا قائم کردہ اسلامی معاشرہ توازن 'اعتدال اور عدل و احسان کی انہیں اقدار کا حامل تھا۔ اس میں ظلم و عدوان اور کسی نوعیت کے استحصال کیلئے کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ وہاں عادلانہ تقسیم دولت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہاں مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کا بندوبست موجود تھا۔ ظلم و استحصال کی تمام ممکنہ صورتوں کا استیصال کر دیا گیا تھا۔ تمام لوگوں کیلئے یکساں مواقع فراہم کئے گئے تھے اور انسانوں کے درمیان ہر نوعیت کی درجہ بندی اور رکاوٹیں ختم کر کے انہیں ابن آدم کی حیثیت سے

مساوی سطح پر لا کھڑا کر دیا گیا تھا۔

یہ وہ انقلابی اور اسلامی معاشرہ تھا جس کے قائم ہونے پر دنیا نے محسوس کیا تھا کہ جس خدا کی بادشاہت آسمان پر قائم تھی اسی خداوندِ رحیم کی بادشاہت زمین پر بھی قائم تھی اور اس مالک کا قائم کردہ معاشرہ اور جاری کردہ نظام انسانیت کیلئے رحمت و ربوبیت کا بہترین مرقع تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے انقلابی اقدامات

حضور اکرم ﷺ کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے ہی دراصل روشنی کے راستے اور صراط مستقیم ہیں۔ ان کے سوا تمام وہ راستے جو بدامنی' بے چینی فتنہ و فساد ظلم و جور' زبردستی' زیادتی' خونریزی و سفاکی اور استحصال و غضب کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اندھیروں اور ظلمتوں کے راستے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا:

"اللہ امن و سلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمہارا حامی و مددگار ہو گا کہ گھر کی چار دیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تنہا کسی محافظ و معاون کے بغیر مدینہ سے الحمو اکایا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی۔ اور کوئی رہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا"

دعوت توحید: امن و سلامتی کے قیام کی اس منزل تک پہنچنے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسانیت کو ایک خدا کی طاقت کو تسلیم کرنے' اسی کی عبادت کرنے اور اسی ہی کے قوانین و ضوابط پر عمل پیرا ہونے کا نظریہ دیا۔ کیونکہ یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر انسان بیشمار مصنوعی آقاؤں کے ظلم و ستم اور غلامی سے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ دراصل فقر و احتیاج انسانی کی سرشت میں داخل ہے وہ ہزار ترقی کر جائے لیکن کسی کے آگے جھکنے اور کبھی نہ کسی کو معبود بنانے

سے باز نہیں آسکتا۔ اس نے آگ کو دیکھا کہ اس سے کتنی ہی انسانی ضروریات وابستہ ہیں تو اسے ہی پوجنا شروع کر دیا۔ سورج اور چاند اسے دنیا کیلئے فیض رساں نظر آئے تو ان کے آگے گر پڑا۔ گنگا اور جمنا کے ذریعے فصلوں کو لہلاتے اور انسانوں کو اپنی پیاس بجھاتے دیکھا تو انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مان لیا اور کبھی کبھی اپنے سے برتر انسانوں کے آگے ماتھا ٹیکا۔ ان غلط راستوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کی تمام غلط طاقتیں انسان پر خدا بن بیٹھیں۔ (۱۵۳)

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مشرک طاقتوں کو جو کہ دنیا میں فتنہ و فساد کا باعث بنی ہوئی تھیں اللہ کا یہ پیغام دے کر باطل کر دیا کہ :

"تمہارا اللہ صرف ایک اللہ اور بجز اس اللہ کے کوئی اللہ نہیں ہے اور وہ بہت بڑا مہربان اور بہت زیادہ رحم والا ہے۔" (سورہ البقرہ : ۱۶۲)

"بلاشبہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں۔" (سورہ الاعراف : ۱۹۴)

"اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے اس کا تنگ کرتا ہے۔" (سورہ العنکبوت : ۶۲)

اس عقیدہ کے تحت عرب اور عجم عدنانیوں قحطانیوں سب کا خدا ایک ہی ٹھہرا۔ اور جب تک ہمارے جہاں کے انسانوں کا خدا ایک نہ ہو اس وقت تک مساوات انسانی کی کوئی حقیقی صورت قائم نہیں ہو سکتی۔ پھر فتح مکہ کے بعد حضورؐ کعبہ میں داخل ہوئے تو انبیاء علیہم السلام کی تصویریں مٹانے کا حکم دیا اور تین سو ساٹھ بتوں کو بھی ملیامیٹ کر دیا جو مشرکوں کے معبود تھے (۱۵۴) جن افراد نے نظریہ توحید کو قبول کیا وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے آگے جھکنے کے نتیجے میں پہنچنے والی مصیبتوں سے آزاد ہوئے اور ذمہ داری اور احتساب کیلئے صرف خدا کی ذات

واحد کی طرف رجوع کر کے اپنے آپ کو امن اور سلامتی کی راہ پر ڈال لیا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی کے مطابق :

"آدمی کو قابو میں رکھنے والی چیز صرف ذمہ داری کا احساس ہی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے جواب طلب کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس کے اوپر ایسی کوئی طاقت ہے جو اسے سزا دے سکے تو آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شتر بے مہار بن جائے گا۔ یہ بات جس طرح ایک شخص کے معاملہ میں صحیح ہے اسی طرح ایک خاندان' ایک طبقہ' ایک قوم اور تمام دنیا کے انسانوں کے معاملہ میں بھی صحیح ہے۔ ایک خاندان جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اس سے کوئی جواب طلب نہیں کر سکتا تو وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ ایک طبقہ بھی جب ذمہ داری اور جواب دہی سے بے خوف ہو جاتا ہے تو دوسروں پر ظلم ڈھانے میں اسے کوئی تامل نہیں ہوتا۔ ایک قوم یا ایک سلطنت بھی جب اپنے آپ کو اتنا طاقتور پاتی ہے کہ اپنی زیادتی کے کسی برے نتیجہ کا خوف اسے نہیں ہوتا تو وہ جنگل کے بھیڑیے کی طرح کمزور بکریوں کو پھاڑنا شروع کر دیتی ہے۔ دنیا میں جتنی بد امنی پائی جاتی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ جب تک انسان اپنے سے بالاتر کسی اقتدار کو تسلیم نہ کرے اور جب تک اسے یقین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر کوئی ایسا ہے جس کو مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور جس کے ہاتھ میں اتنی طاقت ہے کہ مجھے سزا دے سکتا ہے' اس وقت تک کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور صحیح امن قائم ہو سکے۔ ایسی طاقت سوائے خداوند عالم کے

اور کون سی ہو سکتی ہے؟

خود انسانوں میں سے تو کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس انسان یا جس انسانی گروہ کو بھی آپ یہ حیثیت دیں گے خود اس کے شتر بے مہار ہو جانے کا امکان ہے۔ خود اس سے اندیشہ ہے کہ تمام فرعونوں کا ایک فرعون وہ خود بن جائے گا اور خود اس سے خطرہ ہے کہ خود غرضی اور جانبداری سے کام لے کر وہ بعض انسانوں کو گرائے گا اور بعض کو اٹھائے گا۔"(۱۵۵)

غرض رسول اللہ ﷺ عقیدہ توحید کے تحت عرب کے اندر ایک ایسی جماعت تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے جس کے ارکان خود بھی امن میں آگئے تھے اور دوسروں کو بھی فتنہ و فساد اور بدامنی پھیلانے سے روکا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا مقصد چونکہ پورے عالم میں امن کا قیام تھا اس لئے آپ ﷺ نے امن و سلامتی کا پیغام روم و فارس، یمن، حبشہ اور دیگر سلطنتوں تک بھی پہنچایا۔ ان ممالک کے فرمانرواؤں کے نام آپ ﷺ کے خطوط اسی مقصد کیلئے تھے۔ حضورؐ کے ان خطوط کے اثرات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات نے آپ ﷺ کے جانشینوں کیلئے ایسے مواقع پیدا کر دیئے کہ وہ روم و ایران میں داخل ہو کر ظلم و ستم اور بدامنی کا خاتمہ کر کے وہاں ایسے نظام کی بنیاد رکھتے جو امن و سلامتی کا سب سے بڑا داعی تھا۔

خاندان کی اصلاح: آنحضرت ﷺ نے انسانو کے اندر دائمی امن کے قیام کیلئے یہ طریقہ استعمال فرمایا کہ ابتداء فرد کے ضمیر میں امن و سلامتی برپا کرنے سے کی۔ پھر میاں بیوی، والدین اور اولاد اور رشتہ داروں کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کر کے اس کا دائرہ کار ایک خاندان کے اندر تک پھیلا دیا۔

پھر ایک گروہ کے دوسری جماعتوں' افراد کے حکومت اور ایک سلطنت کے دوسری سلطنتوں سے تعلقات کے ایسے اصول وضع فرمائے کہ امن کا پھیلاؤ پورے عالم تک ہو جائے۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم اور جنس کی بنیاد پر عدم مساوات کے خاتمے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا' جنت ماں کے قدموں کے نیچے ٹھہرائی اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا۔ نکاح و طلاق میں اسے برابر کے حقوق دے کر اور وراثت میں حصہ دار بنا کر عورت کو جود و ظلم سے آزادی دلائی۔ دور جاہلیت کے رواج کے برعکس آپ ﷺ نے عورت کے قصاص میں مرد قاتل کے قتل کا قانون نافذ کیا اور یہ بھی طے فرمایا کہ اگر ایک عورت اپنے عزیز مقتول کے قاتل کو معاف کرنا چاہے اور رشتہ داروں میں اس پر اختلاف ہو اور وہ قصاص لینے پر مصر ہوں تو عورت قریبی عزیزہ ہونے کی وجہ سے اسے معاف کر سکتی ہے اور اس صورت میں قاتل کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔ عورت کو یہ بھی حق دیا گیا کہ اگر مسلمان عورت کفار کو امان دے بیٹھے تو اسلامی لشکر اس کا احترام کرے گا۔ ایک غزدہ کے موقع پر حضرت ام ہانیؓ نے عرض کی کہ میں نے ایک کافر کو امان دے دی ہے لیکن حضرت علیؓ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جسے تم نے امان دی اسے ہم نے امان دی ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے عورت کو ایسے اونچے مقام تک بلند کیا جس تک تمدن کی آخری حدود بھی نہیں پہنچی تھی۔ خود آنحضرت ﷺ نے جو نکاح فرمائے ان سے عرب کی قبائلی عصبیتیں بے وقعت ہو گئیں۔ جہاں عرب و عجم کا فرق تو ایک طرف عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب شدت سے موجود تھا' پھر عدنانیوں میں حضری اور بدوی کا فرق بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام نے جو عقد فرمائے وہ قبائلی اور جغرافیائی نقطہ

نظر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

حضور پاک ﷺ نے بنی اسد بنی عبدلعزی' بنی عامر' بنی قیم' کھبنی عدی کی دلچسپی رکھتے ہیں بنی کلبیہ' بنی اسد' بنی خزیمہ' بو مصطلق' یہود عرب' ہو کلاب' کلب و سلیم اور ہو کندہ کے قبائل میں نکاح فرمائے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے حوالے سے ہر بڑے قبیلے کی نمائندگی تھی۔ اہل مکہ سے باہر بی بی زینب' بنت خزیمہ اور بی بی میمونہ بنت حارث دونوں کا تعلق یمن کے زبردست قبیلہ عامر بن صعیحہ سے تھا۔ حضرت میمونہ سردار نجد کی اہلیہ کی بہن تھیں۔ حضور ﷺ سے نکاح کے بعد اہل نجد مدینہ کے زیر اثر ہوتے گئے جو متعدد بار اسلام کے خلاف فتنہ انگیزیاں کر چکے تھے۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ ہو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ حضرت جویریہؓ قیدیوں میں آئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تو جماعت کے لوگوں نے پورے قبیلہ کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پورا قبیلہ رہزنی چھوڑ کر امن پسند اور مطیع نظام بن گیا۔ (۱۵۶) ام حبیبہ' قریش کے سردار اعلیٰ ابو سفیان کی صاحبزادی تھیں۔ اس نکاح کے بعد ابو سفیان حضور ﷺ کے مقابلے پر میدان میں آنے سے کتراتا رہا۔ بی بی ماریہ قبطیہ مصر کی تھیں اور پہلے عیسائی رہ چکی تھیں۔ ان کا ایرانی الاصل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ بی بی صفیہ کا تعلق خیبر کے یہود سے تھا۔ اس مختصر سے مطالعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نکاحوں کے ذریعے سے مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دور کرنے کی آنحضرت ﷺ نے کتنی وسیع کوششیں فرمائیں بلکہ نتائج بتاتے ہیں کہ یہ کوششیں بیکار نہ رہیں۔

مساوات انسانی کا قیام: حقیقی امن کے قیام کیلئے ضروری تھا کہ رنگ و نسل اور قومی عصبیتوں کو زک پہنچے اور ایسے اصول فراہم ہوں جو انسانوں کے

درمیان مساوات پیدا کر سکیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا :

"لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔" (القرآن' ۴۹ : ۱۳)

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا :

"کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو آدم مٹی سے پیدا کیے گئے (۱۵۷)

رسول اللہ ﷺ نے چونکہ نظریات و نظائر میں فرق روا نہیں رکھا اس لئے آپ ﷺ کے ہاں آقا و غلام' قریشی و غیر قریشی' عربی و عجمی' حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے اور ان قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت بلال حبشی غلام تھے آزاد کرائے گئے اور حضور ﷺ کی قائم کردہ مساوات کے نتیجہ میں اس مقام پر پہنچے کہ آپ ﷺ ان سے فرماتے :

"اے بلال! ہمیں (اذان کہہ کر) راحت پہنچا"

معاملات حکومت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی قسم کے فرق کو روا نہیں رکھا۔ صلاحیت اور قابلیت کے مطابق تمام کو مشاورت میں شامل فرمایا۔ عدل و انصاف کے معاملے میں طبقاتی تفریق کو یہ کہہ کر ختم کر ڈالا کہ خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتا (۱۵۸) پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قبلہ' قانون اور قیادت کی یکساں فراہمی نے بھی مسلمانوں کی تفاوتوں کو ختم کیا اور ان کا رخ ایک وحدت کی طرف موڑا۔ روزانہ پانچ وقت کی نماز' جمعہ' عید اور حج کے اجتماعات نے تو اس فرق کو

بالکل ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے یہ تمام اقدامات عدم مساوات کے خاتمے اور افراد میں ہمدردی' محبت اور ربط قائم کر کے ایسے معاشرہ کے قیام کیلئے تھے جو امن و سلامتی کا بہترین نمونہ ہو۔

معاشی عدل : دولت انسانی معاشرہ کیلئے خون کا درجہ رکھتی ہے۔ خون جسم کے کسی ایک حصہ میں رک جائے گردش نہ کرے تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسی طرح دولت پورے معاشرہ میں گردش نہ کرے اور مخصوص لوگوں کے پاس جمع ہو جائے تو یہ بھی صحت مند زندگی کی علامت نہیں۔ اس سے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے اور پر امن اجتماعیت کا شیرازہ درہم برہم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ عرب جیسے کم پیداوار ملک میں دولت سیم و زر اجناس' زرعی اراضی اور مویشیوں کی شکل میں نہایت محدود حلقوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ اس سمٹی ہوئی دولت کو عوامی طبقوں میں پھیلانا ہی سب سے ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ حضور ﷺ نے اسلام کے معاشی قوانین کے تحت ایسے اقدامات فرمائے جو دولت کو گردش میں رکھنے کیلئے بالکل کافی ثابت ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

> "ان آبادیوں کا جو مال و متاع اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ اس کے رسول' رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کیلئے مخصوص ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہے"

اسلام کا یہ اصول ایک ایسا معاشی نظام قائم کرتا ہے جس میں باعزت طور پر تمام لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکیں اور ان کے درمیان ایک قسم کا معاشی توازن پیدا ہو سکے۔

حضور اکرم ﷺ نے یہود بنی نضیر سے حاصل ہونے والا مال فئے

پورے کا پورا ضرورت مند مہاجرین میں تقسیم کیا تھا۔ انصار کو اس میں اس وجہ سے شریک نہ کیا گیا کہ وہ پہلے سے ہی خوشحال تھے۔ البتہ دو انصاریوں کو مال کی تقسیم میں شریک کیا گیا کہ وہ ضرورت مند تھے۔ ثقیف والوں کی دولت ان کے قبضے سے نکال کر پورے عرب میں پھیلا دی گئی۔ اسی طرح مدینہ کے گردونواح کے جن شر پسند قبائل نے شورش اٹھائی' ان کے شیوخ اور دولت مندوں کے اموال کا ایک بڑا حصہ غنیمت کے اصول کے تحت اسلامی فوج نے ان کے قبضے سے نکالا اور گردش میں ڈال دیا۔ حضور علیہ السلام نے مال غنیمت کی تقسیم کے اصول میں اصلاح فرمائی اور بیس فیصدی حصہ اسلامی خزانہ کے لئے مخصوص ٹھہرایا گیا۔ جس سے غربا اور حاجت مند طبقوں کی ضروریات پوری کی گئیں۔ اس طرح ملکی دولت میں ایک عمومی حرکت آ گئی۔ پھر اسلامی ریاست نے تمام ان طبقوں سے جو زمینوں' مویشیوں یا تجارتی سرمایہ کے مال تھے۔ مسلم ہونے کی صورت میں زکواۃ اور غیر مسلم ہونے کی صورت میں خراج اور جزیہ کی آمدنیاں حاصل کیں اور ان آمدنیوں (خصوصاً زکواۃ) کا ایک عظیم حصہ غریب طبقوں کیلئے مخصوص کر دیا۔ ہر سال غلے اور کھجوروں اور مویشیوں کی ایک بھاری مقدار امراء کی طرف منتقل ہونے لگی (۱۵۹)

اسلام سے پہلے کے مذاہب نے خیرات کی ترغیب تو بہت دی لیکن اس کیلئے جبر اور لزوم عائد نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں میں عموماً جو کنجوسی اور بے رحمی ہوتی ہے اس کا کوئی موثر علاج وجود میں نہ آسکا۔ افراد کی آزادی کے باعث حصول دولت پر عموماً کوئی روک نہیں رہی اور مالدار مالدار ہوتے چلے گئے اور مفلس مفلس تر۔ قبل اسلام غالباً ایک مرتبہ منردک نے اس کے خلاف رد عمل کیا اور اشتراکیت کی تعلیم دی۔ لیکن یہ تعلیم معقولیت پر نہیں بلکہ نفرت

اور رشک وحسد پر مبنی تھی۔(۱۶۰) حضور ﷺ نے اس طرح کے اقتصادی اقدامات اٹھائے کہ کسی پر ظلم ہوئے بغیر اجتماع دولت کی جڑوں کو کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ ہر قسم کے سود کی ممانعت کردی گئی۔ وصیت پرپابندی عائد کی گئی کہ کوئی شخص اپنی پوری دولت کسی ایک شخص کو نہ دے سکے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی وصیت کی جاسکتی ہے۔ پھر وراثت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ رکھا گیا تاکہ ایک سے زیادہ خاندانوں میں دولت بٹتی رہے اور دس بارہ ایسے قریبی رشتہ دار نامزد کیے جو لازمی طور پر ترکے میں حصہ پائیں۔ پھر دولت مندوں کو صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے اپنے بھائی کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اور پانی سے اس کی پیاس بجھائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنم سے سات خندقوں کے فاصلے پر رکھے گا اور ہر دو خندقوں کے درمیان سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے۔"(۱۶۱)

قرآن مجید میں ہے:

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک سزا کی خبر دے دو۔ جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی۔ یہی ہے جو تم نے اپنے لئے خزانہ جمع کیا تھا۔ سو جو کچھ تم جمع کرتے تھے اس کا مزا چکھ لو۔"

(سورہ التوبہ: ۳۴۔۳۵)

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"جس شخص نے دینار یا درہم یا سونے یا چاندی کی اینٹ یا چاندی

جمع کی' اسے کسی قرض خواہ کی خاطر نہ رکھا یا راہ خداوندی میں خرچ نہ کیا تو وہ کنز ہے' جس کے ساتھ قیامت کے دن داغ لگائے جائیں گے۔" (۱۶۲)

خود اسلامی ریاست کے سربراہ حضور ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا' نہ کوئی دینار' نہ کوئی غلام یا باندی اور نہ کوئی دوسری چیز سوائے اس مادہ خچر کے جس کا رنگ سفید تھا' جس پر آپ سواری کرتے تھے اور بجز اپنے ہتھیار اور کچھ زمین کے اور اسے بھی آپ ﷺ نے خدا کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا (۱۶۳) حضور ﷺ کے سماجی مساوات اور اقتصادی اخوت کے نئے نظام نے امیر اور غریب کے اس واضح فرق کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا جو انسانوں کے مابین کشمکش اور پھر بدامنی کا باعث بنتا ہے۔

مذہبی رواداری' پرامن بقائے باہمی : حضور ﷺ کی بعثت کے وقت عالمی امن کو تباہ و برباد کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ مختلف قوموں کے افراد کے اندر مذہبی رواداری نہیں رہی تھی۔ ایک مذہب اپنے اندر دوسرے مذہب کے افراد کا داخلہ روکتا ہے تو دوسرے مذہب کے پیروکار دیگر مذاہب کو برداشت نہ کرتے ہوئے قتل و غارت تک اتر آتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے جس دین کی تبلیغ فرمائی وہ پرامن بقائے باہمی اور مذہبی رواداری کے اصول کا قائل تھا۔ قرآن میں ہے :

"اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی' ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے تمہارے لئے۔ ہماری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اس کے پاس جانا ہے۔" (سورہ الشوریٰ : ۴۲۔۱۵)

حضور ﷺ نے لوگوں کو زبردستی دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

آپ ﷺ نے "لا اکرہ فی الدین" یعنی دین میں کوئی جبر نہیں کے اصول کے تحت ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"اور اہل کتاب کے ساتھ صرف احسن طریقے سے بحث کرو، سوائے اس پر جو ہم پر اتارا گیا' اور تم پر اتارا گیا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔" (سورہ العنکبوت : ۴۵)

قرآن حکیم میں رواداری کی یہی وہ تعلیم ہے جو احترام آدمیت کو ہمیشہ اہمیت دیتی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اس کا خیال نہیں کیا کہ یہ توحید کے بجائے تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے ایک صحابی نے گذارش کی یا رسول اللہ ﷺ ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا! تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ ایک انسانی جان نہ تھی ؟ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ" پھر حضور ﷺ نے بتوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا کہ کہیں مشرکین نا سمجھی کی وجہ سے اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھیں۔ یہی نہیں حضور ﷺ نے دعوت اسلامی کی غرض سے جو خطوط عیسائی اور یہودی حکمرانوں کے نام ارسال فرمائے ان کے آغاز میں عموماً یہ آیت :

"اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفق علیہ ہے) تحریر فرمائی۔

گویا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ان امور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی دعوت دی جو ان کے درمیان قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض مؤرخین اور مستشرقین کا خیال ہے کہ سورہ توبہ کے نزول کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل میں تبدیلی

واقع ہو گئی تھی۔ سورہ توبہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا گیا:

"اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں ان سے اس وقت تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور تمہاری رعایا بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔ یہود میں سے بعض کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں میں سے اکثر کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا (جس کا واقع میں کہیں نام و نشان نہیں) یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرتے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔"

مصری محقق ڈاکٹر محمد حسین ہیکل سیرۃ الرسول میں لکھتے ہیں کہ:

"سورہ توبہ کی ان آیات کے پیش نظر جو سرور کائنات ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں بہت سے مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ اہل کتاب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا موجودہ رویہ آپؐ کے پچھلے رویہ سے بالکل مختلف تھا۔ بعض مستشرقین نے بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان آیات میں اہل کتاب کو مشرکین کے ساتھ ایک سطح پر رکھا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "محمد (ﷺ) یہودیت اور مسیحیت کی مدد سے جزیرہ عرب سے بت پرستی کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آغاز رسالت میں وہ بار بار اس امر کا اعلان کرتے رہے کہ وہ عیسیٰؑ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ اور گزشتہ انبیاء کے ادیان کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کیلئے آئے ہیں۔ لیکن بعض مشرکین کے مقابلے میں انہیں پے در پے کامیابیاں

نصیب ہوئیں اور یہ نظر آنے لگا کہ وہ قلیل عرصہ میں ان پر کمال فتح حاصل کرلیں گے تو انہوں نے یہود سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور ان پر عرصہ حیات تنگ کرنے لگے حتی کہ انہیں جزیرہ نمائے عرب سے نکال کر ہی دم لیا۔ تاہم اس دوران میں انہوں نے مسیحوں سے رشتہ الفت و مودت کو پوری طرح استوار رکھا اور لوگوں کے سامنے ایسی آیات بھی پیش کرتے رہے جو مسیحوں کی تعریف و توصیف سے پر ہوتی تھیں۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب انہیں عرب میں کامل اقتدار حاصل ہوگیا اور ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تو انہوں نے عیسائیوں سے بھی وہی سلوک کرنے کا ارادہ کیا جو اس سے قبل مشرکین اور یہود سے کرچکے تھے اور انہوں نے عیسائیوں کو بھی انہی لوگوں کے زمرے میں شامل کرلیا جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے ۔ حالانکہ ان کی کامیابی میں بہت بڑا دخل عیسائیوں کی امداد و معاونت کو بھی ہے۔ یہ حبشہ کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے محمد (ﷺ) کے پیروں کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب اللہ کی یہ زمین ان کیلئے تنگ ہوچکی تھی۔ بعد میں خود محمد (ﷺ) نے اہل نجران اور دوسرے عیسائیوں کو یہ عہد نامہ لکھ کردیا تھا کہ انہیں اسلامی ریاست کے تحت بدستور اپنے دین پر قائم رہنے اور اپنی عبادات پر اور رسوم بجالانے کی مکمل آزادی ہوگی۔' (۱۶۴)

حقیقت میں یہودیت بطور عیسائیت کے بارے میں اسلام اور بانی اسلام ﷺ کا رویہ آغاز سے لے کر حضور ﷺ کی وفات تک یکساں رہا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ابتداء ہی سے قرآن کریم نے حضرت

مسیح ابن مریم کو دنیا کے سامنے اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول کی حیثیت سے پیش کیا اور ان کی الوہیت کے عقیدے کی سخت مذمت کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دین کے معاملے میں کبھی مدافیت نہیں کی اور عیسائیوں سے امداد لینے کی خاطر بے جا تعریف اور خوشامد سے کبھی کام نہیں لیا۔ مزید یہ کہ حضور اکرم ﷺ شروع ہی سے عیسائیوں کے دین میں تبدیلی اور اس کے اندر خود ان کی طرف سے نئی چیزوں کے اضافہ کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی تعصب کا مظاہرہ نہ فرمایا بلکہ پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ انبیاء ۲۱ : ۱۰۷

۲۔ سورۃ سباء ' ۳۴ : ۲۸

۳۔ سورۃ الشعراء ' ۳

۴۔ سورۃ الکھف : ۶

۵۔ سورۃ طہٰ : ۲

۶۔ سورۃ فاطر : ۸

۷۔ سورۃ الم نشرح ' ۱ : ۴

۸۔ سورۃ الاحزاب : ۶

۹۔ سورۃ توبہ : ۱۲۸

۱۰۔ سورۃ الانفال : ۲۴

۱۱۔ ابن کثیر علامہ ' تفسیر ابن کثیر ' کراچی ' نور محمد کتب خانہ ' ۱۹۸۹ء ج : ۲

۱۲۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ' تفسیر مظہری ' کراچی ' سعید اینڈ کمپنی ' ۱۹۷۱ء

۱۳۔ محمود آلوسی ' علامہ ' روح المعانی ' ملتان ' مکتبہ امدادیہ '
بحوالہ سورۃ الانفال : ۲۴

۱۴۔ خطیب تبریزی ' ولی الدین ' مشکوٰۃ المصابیح
لاہور : سعید سنز ' ج : ۲ ' ص : ۲۸۴

۱۵۔ امام مالکؒ موطا امام مالک ' لاہور ' اسلامی اکیڈمی ' ص : ۷۳۳

۱۶۔ مشکوٰۃ شریف ' ج : ۲ ' ص : ۱۹۶

۱۷۔ ایضاً ایضاً

۱۸۔ ایضاً ایضاً ص: ۲۱۵۔۳۱۶
۱۹۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۵ء
ج: ۱، ص: ۹۶۶
۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، تجرید البخاری، لاہور
ملک دین محمد اینڈ سنز، ص: ۹۴۰
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ایضاً، ص: ۹۴۱
۲۴۔ ایضاً، ص: ۴۹۳
۲۵۔ صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۱۱۲
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً، ج: ۱، ص: ۱۱۳
۲۸۔ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، لاہور، اسلامی اکیڈمی
۱۹۸۳ء، ج: ۳، ص: ۶۵۷
۲۹۔ سنن ابی داؤد، ج: ۳، ص: ۱۹۵۸
۳۰۔ موطا امام مالک، ص: ۶۳۳
۳۱۔ ایضاً
۳۲۔ امام مسلم، ابن حجاج بن مسلم، لاہور، نعمانی کتب خانہ، ج: ۶، ص: ۲۰۷
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ سنن ابی داؤد، ج: ۳، ص: ۵۳۳
۳۵۔ [illegible]

۳۶۔ تجرید البخاری، ص :۹۴۲

۳۷۔ سنن ابی داؤد، ج :۳، ص :۵۲۶

۳۸۔ موطا امام مالکؒ، ص :۶۳۰

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ تجرید البخاری، ص :۹۴۲

۴۱۔ ایضاً ،ص :۷۸۴

۴۲۔ سورۃ الحشر :۷

۴۳۔ جمع الفوائد، ج :۱، ص :۲۷۴

۴۴۔ ایضاً، ص :۲۷۴

۴۵۔ امام ترمذی، فتح الباری، ج :۱، ص :۱۶۶

۴۶۔ جمع الفوائد، ج :۱، ص :۲۷۵

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ سورۃ النساء :۷

۵۰۔ ایضاً :۵

۵۱۔ مسلم، ج :۱، ص :۲۷

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ جمع الفوائد، ج :۱، ص :۲۷۵

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ امام بخاری، صحیح بخاری، ج :۱، ص :۹

۵۷۔ ایضاً
۵۸۔ فتح الباری ج: ۱۲ ص: ۱۷۳
۵۹۔ مشکوٰۃ شریف: کتاب القصاص
۶۰۔ امام ترمذی مشکوٰۃ کتاب القصاص
۶۱۔ امام بخاری مشکوٰۃ۔ کتاب القصاص
۶۲۔ اشعۃ اللمعات ج: ۳ ص: ۲۵۲
۶۳۔ مشکوٰۃ شریف ص: ۳۰۵
۶۴۔ ایضاً
۶۵۔ اشعۃ اللمعات
۶۶۔ مشکوٰۃ شریف کتاب القصاص
۶۷۔ اشعۃ اللمعات ج: ۳ ص: ۲۳۷
۶۸۔ مشکوٰۃ شریف کتاب القصاص
۶۹۔ ایضاً
۷۰۔ ایضاً
۷۱۔ مشکوٰۃ شریف ص: ۱۰۱۴
۷۲۔ بخاری باب ظہر المومن حمی
۷۳۔ ایضاً
۷۴۔ بخاری کتاب الدیات ج: ۲ ص: ۱۰۱۴
۷۵۔ شرح مسلم ج: ۲ ص: ۶۰
۷۶۔ فتح الباری ج: ۱۲ ص: ۱۶۶
۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح لایخطب علی خطبۃ اخیہ

۷۹۔ صحیح بخاری، کتاب الادب

۸۰۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط

۸۱۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر

۸۲۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم من لایامن جارہ

۸۳۔ سورۃ الاحزاب : ۳۳ :۲۱

۸۴۔ سورۃ الحدید، آیت : ۲۵

۸۵۔ سورۃ البقرہ : آیت : ۲۰۸

۸۶۔ سورۃ المائدہ : آیت : ۱۶

۸۷۔ سورۃ شوریٰ : ۴۰

۸۸۔ سورۃ شوریٰ : ۴۳

۸۹۔ سورۃ آل عمران : ۱۳۴

۹۰۔ سورۃ رعد : ۲۲

۹۱۔ سورۃ نحل : ۲۲

۹۲۔ سورۃ النور : ۲۲

۹۳۔ ابن سعد، طبقات، ج : ۱، ص : ۲۰۶

۹۴۔ ابن سید الناس، عیون الاثر، ج : ۱، ص : ۴۶

۹۵۔ احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ج : ۲، ص : ۱۲

۹۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۲ء، ج : ۱، ص : ۱۸۳

۹۷۔ ایضاً

۹۸۔ ابن الاثیر، تاریخ الکامل، ج : ۱، ص : ۱۶

۹۹۔ ابن ہشام 'السیرۃ النبویۃ' لاہور شیخ غلام علی' ج :۱'ص :۲۸۴-۸۷
۱۰۰۔ قاضی عیاض 'الشفا فی تعریف حقوق المصطفےٰ'ص :۴۷
۱۰۱۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ' ج :۵'ص :۶۶۰
۱۰۲۔ ایضاً
۱۰۳۔ حمید اللہ 'ڈاکٹر'خطبات بہاولپور'اسلام آباد'ادارہ تحقیقات اسلامی' ۱۹۸۵ء'ص :۲۳۳
۱۰۴۔ ابن ہشام 'السیرۃ النبویۃ' لاہور شیخ غلام علی' ج :۱'ص :۵۶۱-۵۵۴
۱۰۵۔ سورۃ الحج' :۴۰:۳۹
۱۰۶۔ ابن ہشام 'السیرۃ النبویۃ' لاہور شیخ غلام علی' ج :۱'ص :۷۱۶
۱۰۷۔ ابن ہشام 'السیرۃ النبویۃ' لاہور شیخ غلام علی' ج :۱'ص :۷۴۳
۱۰۸۔ ابن سعد 'طبقات' ج :۱'ص :۳۲۹
۱۰۹۔ ایضاً' ج :۱'ص :۳۵۸
۱۱۰۔ ایضاً' ج :۱'ص :۳۹۹
۱۱۱۔ حمید اللہ' پروفیسر' اسوہ حسنہ' لاہور' کتابیات' ۱۹۶۶ء' ص :۴۸
۱۱۲۔ بخاری شریف' کتاب الادب' باب قول رسول اللہ یسروا ولا تعسروا' ج :۷'ص :۱۰۱
۱۱۳۔ امام بخاری' کتاب سیرۃ' ج :۲'ص :۱۲۷-۱۲۴
۱۱۴۔ ایضاً' ج :۴'ص :۵۵
۱۱۵۔ بخاری' امام' کتاب بدء الخلق' باب الھجرۃ' ج :۴'ص :۲۵۷-الاصابۃ ج :۲'ص :۸'سیرۃ' ج :۲'ص :۱۳۳
۱۱۶۔ سیرۃ' ج :۲'ص :۱۳۵'الاصابۃ' ج :۲'ص :۱۸

۱۱۷۔ بخاری 'امام 'کتاب المغازی 'باب غزوۃ ذات الرقاع'
ج : ۵'ص : ۵۳۔۵۴

۱۱۸۔ ترمذی 'امام 'کتاب 'التفسیر۔ تفسیر سورۃ الفتح 'ج : ۵'ص : ۳۸۶

۱۱۹۔ سورۃ الفتح : ۲۴

۱۲۰۔ بخاری 'امام 'کتاب المغازی 'باب الشاۃ التی سمت للنبی'
ج : ۵'ص : ۸۴

۱۲۱۔ سیرۃ 'ج : ۳'ص : ۳۵۳

۱۲۲۔ ایضاً

۱۲۳۔ بخاری 'کتاب المغازی 'باب غزوہ الفتح 'ج : ۵'ص : ۹۱

۱۲۴۔ موطا 'کتاب النکاح 'باب نکاح المشرک 'ج : ۱'ص : ۵۴۵'
سیرۃ 'ج : ۴'ص : ۶۱

۱۲۵۔ ترمذی 'امام 'کتاب الاستئذان 'باب ما جاء فی مرحبا 'ج : ۵'ص : ۷۸

۱۲۶۔ بخاری 'امام کتاب بدء الخلق ذکر ھند 'ج : ۴'ص : ۲۳۲

۱۲۷۔ بخاری 'کتاب المغازی 'قتل حمزہ "ج : ۵'ص : ۳۷

۱۲۸۔ بخاری 'کتاب المغازی 'باب این ذکر النبی الرایہ 'ج : ۵'ص : ۹۱ 'مسلم
کتاب الجہاد 'باب فتح مکہ 'ج : ۵'ص : ۱۷۱

۱۲۹۔ الاصابہ 'ذکر یار بن الاسود 'ج : ۳'ص : ۵۶۶

۱۳۰۔ بخاری 'کتاب المغازی 'باب فتح مکہ 'ج : ۵'ص : ۸۹

۱۳۱۔ بخاری 'کتاب التفسیر 'ج : ۶'ص : ۶۰

۱۳۲۔ بخاری 'کتاب المغازی 'غزوۃ الطائف 'ج : ۵'ص : ۱۰۶

۱۳۳۔ ایضاً

۱۳۴۔ سلیمان ندوی' سید' خطبات مدراس' ص : ۱۴۳
۱۳۵۔ ایضاً' ص : ۱۴۵
۱۳۶۔ سورۃ الانفال : ۴۳
۱۳۷۔ سلمان منصور پوری' رحمت للعالمین' ج : ۳' ص : ۸۸۔۸۷
۱۳۸۔ سلیمان ندوی' سید' خطبات مدراس' ص : ۵۱۵۔۵۱۴
۱۳۹۔ نعیم صدیقی' محسن انسانیت' ص : ۳۶۸۔۳۶۹
۱۴۰۔ شبلی نعمانی' مولانا' سیرۃ النبیؐ ج :۱' ص : ۳۸۳
۱۴۱۔ Muhammad Ali, Muhammad the prophot,page218-19
۱۴۲۔ معین الدین احمد ندوی' تاریخ اسلام' حصہ اول' ص : ۴۲
۱۴۳۔ سلمان منصور پوری' رحمت للعالمین' ج : ۳' ص : ۸۶۔۸۷
۱۴۴۔ سلیمان ندوی' سید' خطبات مدراس' ص : ۱۴۵۔۱۴۶
۱۴۵۔ ایضاً' ص : ۱۳۹۔۱۴۰
۱۴۶۔ سنن ابی داؤد' حدیث :۱۷۱۸
۱۴۷۔ شبلی نعمانی' مولانا' سیرت النبیؐ' ج : ۲' ص : ۳۷۳
۱۴۸۔ وسائل الوصول الی الشمائل الرسول : ۱۱۸' مقالات سیرت : ۱۳۴
۱۴۹۔ ابو حنیفہ امام اعظم' مصنف : ۲۱ : مقالات سیرت' ص : ۱۴۵۔۱۴۶۔۱۵۶۔
۱۵۰۔ بخاری' کتاب الحدود' ص : ۱۷۵
۱۵۱۔ سلیمان ندوی' سید۔ خطبات مدراس' پہلے چھ خطبات کی تلخیص
۱۵۲۔ نعیم صدیقی۔ محسن انسانیتؐ لاہور : اسلامک پبلیکشنز' ۱۹۹۳ء' ص : ۴۷۔۴۸
۱۵۳۔ کوثر نیازی "بنیادی حقیقتیں' ص : ۳۴۔۳۵
۱۵۴۔ ابن الاثیر (۲۔۱۰۵)

۱۵۵۔ ابوالاعلیٰ مودودی'سلامتی کاراستہ'ص: ۲۷۔۲۸

۱۵۶۔ نعیم صدیقی"محسن انسانیت"ص: ۵۴۵۔۵۴۶

۱۵۷۔ مسنداحمد بن حنبل'بحوالہ شبلی نعمانی"سیرت النبیؐ'ج: ۲'ص: ۱۹۲

۱۵۸۔ صحیح بخاری'کتاب الحدود'باب اقامہ الحدود

۱۵۹۔ نعیم صدیقی"محسن انسانیت"ص: ۵۴۳

۱۶۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ"رسول اکرم کی سیاسی زندگی"ص: ۳۳۱

۱۶۱۔ طبرانی'بحوالہ'زادراہ'ص: ۶۹

۱۶۲۔ تفسیر قرطبی'بحوالہ'امن عالم اور اسلام'سید قطب شہید

۱۶۳۔ بخاری'بحوالہ زادراہ'۲۹۵۔۲۹۶

۱۶۴۔ محمد حسین ہیکل۔"سیرۃ النبی"ص: ۲۰۱۔۲۰۴

باب چہارم:

عصرِ حاضر میں بدامنی کی وجوہات

بدامنی کی عمومی حالت: عصر حاضر حاضر سے مراد وہ دور ہے جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں "مخصوص نظریہ زندگی" اخلاقی اقدار اور رویوں کے ساتھ معرض وجود میں آیا۔ سائنسی ایجادات کی بدولت' جو اکہ بلا شرکت غیرے' مغربی اقوام کا خاصہ ہیں' کئی ایک اعتبار سے پسماندہ اقوام کی زبردستی کا باعث بنا۔ سامراج کے غلبہ کے باعث' محکوم و مفتوح' ایشیائی و افریقی اقوام بھی' عصر حاضر کا حصہ بن گئیں۔ فاصلے مٹتے چلے گئے۔ جدید و قدیم کا آمنا سامنا ایک بدیہی حقیقت بن گیا۔ تنازع للبقاء کے تصور اور نظریہ ارتقاء کے طفیل ترقی یافتہ اقوام کو خیر و شر' خوب و زشت اور زیبا و نازیبا کے تعین میں حکم کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ رفتہ رفتہ سامراج نے اپنی بعض مجبوریوں کی بنا پر زیر نگیں اقوام کو سیاسی آزادی عطا کی' جسے معاشی تسلط کی ایک نئی شکل کے ذریعے' بہ وجوہ سلب بھی کر لیا۔

دنیا میں اس وقت دو سپر پاور تھیں' روس اور امریکہ۔ اب امریکہ ہی واحد سپر پاور رہے۔ ایک منی سپر پاور عوامی جمہوریہ چین کی شکل میں ہے۔ ایک اقتصادی سپر پاور جاپان کے نام سے موجود ہے۔ ایک نام نہاد' سب سے بڑی جمہوریت بھارت کا نام رکھتی ہے۔ روس اور امریکہ کا اپنا دائرہ اثر و رسوخ ہے۔ متعدد افریقی و ایشیائی ممالک میں ان کی فکری جڑیں راسخ ہیں۔ مشرقی یورپ ان کی نو آبادیات کا مجموعہ ہے۔ وسطی ایشیا کی بقیہ روسی ریاستیں ماسکو سے عدم اطمینان کے جذبات کی حامل ہیں۔ امریکہ بھی اسی طرح افریقہ و ایشیا میں عمل دخل

رکھتا ہے۔اس کے اشارے پر پتلیاں ناچتی ہیں۔ بت ٹوٹتے ہیں۔ برج گرتے ہیں۔ نئے سورج طلوع ہوتے ہیں۔ چڑھتے سورج کو سلام کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہر سپرپاور فضائے بسیط میں بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہے۔ سیاسی میدان میں بھی ان کے لے پالک سیاسی نظام موجود ہیں جن کی برتری ان کی پشت پناہی کی رہین منت ہے۔ایسے نظام کمزور اقوام کے لئے رستے ہوئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کہیں اسرائیل عالم اسلام کے لئے عذاب بنا ہوا ہے اور کہیں افغان قوم کی نسل کشی کا سلسلہ نئے ہتھکنڈوں کے ساتھ جاری ہے۔ عوامی چین حیرت انگیز انقلابی کامرانیوں کے باوجود گوناں گوں مشکلات سے دوچار ہے۔ جاپان کی خیرہ کنا اقتصادی ترقی سیاسی قیادت کے سیکنڈلز کے آگے ماند پڑ گئی ہے۔روس اپنی بے شمار سائنسی کامیابیوں کے باوجود اقتصادی امداد کے لئے کبھی امریکہ اور یورپ کی طرف دیکھتا ہے اور کبھی غصب شدہ جاپانی جزیرے واپس کرنے کے عوض جاپان سے اعانت کا طلب گار ہوتا ہے۔

مغربی یورپ کا پیکر جارحیت مغربی جرمنی جو کسی نہ کسی طرح دو بڑی جنگوں کا خالق بنا۔ ایک گلیشئر کی طرح دکھائی دے رہا ہے۔ جہاں ہٹلر پرستی کا ملاً ختم نہیں ہوئی۔ افریقی براعظم کے جنوب میں ایک سفید فام قوم کالے اور گورے کی تمیز کی بنیاد پر ایک بھونڈے معاشرے کی نگہدار ہے۔ایک ایسا معاشرہ جسے دنیا کی اکثر وبیشتر اقوام مسترد کر چکی ہیں جبکہ بڑی طاقتوں کی سرپرستی اسے زندہ رکھے ہوئے ہے۔

عصر حاضر کے ان تمام ترقی یافتہ مغربی ممالک میں اعلیٰ تعلیم، عمدہ مجلسی آداب، منظم صنعت وحرفت، حسب ضابطہ تجارتی معاملات، ہموار اور مسلسل سیاسی جدوجہد کی روایت ہے۔ بالعموم انسانی دوستی سے لگاؤ کا اظہار کیا جاتا ہے جبکہ

بین الاقوامی میدان میں "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا اصول کارفرما ہے' حسب ضرورت و مصلحت آمریت نوازی' جمہوریت پروری اور ملوکیت دوستی روا رکھی جاتی ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت اس اعتبار سے خوش نصیب ہے کہ دنیا کے چھوٹے بڑے ممالک کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ ممالک اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی سطح پر اسے بہت چاہتے ہیں۔ عالم اسلام کی عظیم ترین اسلامی مملکت ایران' روس اور امریکہ کی طرح بھارت کے مقام بلند کی معترف ہے۔ روس تو اس کا سرپرست اعلیٰ ہے۔ امریکہ اس کا عاشق زار ہے۔ اسرائیل اس کا لنگوٹیا یار ہے۔ عوامی چین کے دل میں بھی بھارت کیلئے نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے جبکہ بھارت کی حیثیت اڑوس پڑوس کی چھوٹی مچھلیوں کے لئے ایک بہت بڑی مچھلی کی سی ہے۔

دنیا کا ایک اہم شمالی اور سرد خطہ سکنڈے نیویا سویڈن' ڈنمارک اور ناروے پر مشتمل اعلیٰ اقتصادی حالات کا حامل ہے۔ معیار زندگی بہت اونچا ہے۔ فلاحی در فاہی روایات قابل تعریف ہیں۔ تاہم سکون قلب کا فقدان ہے۔ جنسی بے راہ روی عام ہے۔ خودکشی کا رجحان نہایت شدید ہے۔ جنوبی امریکہ دینی روایات کا وارث ہے لیکن غیر متحدہ اور استعماری استحصال کا شکار ہے۔ ریڈ انڈین قبائل کے پاس قدیم دانش و حکمت کے خزینے ہیں' لیکن سفید فام انگریزوں نے انھیں کچل کر رکھ دیا ہے۔

رہا عالم اسلام تو اس کی حیثیت اونٹ کی سی ہے "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی" مغرب الاقصیٰ سے لے کر ملائشیا تک ایک متنوع خطہ زمین ہے' جو اپنی جغرافیائی وسعت' نفری طاقت' معدنی قوت' تاریخی عظمت اور

روحانی اخوت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ سیاسی نظام ایک جیسے نہیں۔ ملوکیت بھی ہے جس کے بعض اجزاء بیدار' معزز' روشن ضمیر اور عوام دوست ہیں جبکہ بعض دوسرے اجزاء تعیش پسند' تن آسان اور زوال پذیر ہیں۔ افتراق و تشتت عالم عرب کا خاصا ہے۔ آمریت اور رسمی جمہوریت بھی پائی جاتیت ہے۔ ہر ملک میں طبقاتی عدم مساوات موجود ہے۔ کہیں دولت کی ریل پیل ہے اور کہیں فاقہ مستی کا دلخراش منظر بھی ہے۔

ایران اور عراق کی خوں آشام آویزش نے اسلامی اخوت کا کئی برس تک مذاق اڑایا۔ پاکستان' روس بھارت اور امریکہ کی بد عملی دبے عملی کے باعث پارہ پارہ ہوا۔ بنگلہ دیش کا خون بھارت نے چوسا اور وہ بدستور پریشان ودرماندہ ہے۔ ایشیائی وافریقی مسلمان ممالک ایک اسلامی دولت مشترکہ کی تشکیل کی منزل سے ابھی بہت دور ہیں۔ اسلامی ممالک نے جہاں مغرب سے ایجادات حاصل کیں وہاں لباحت کو بھی درآمد کیا۔ آزاد خیالی وفحاشی بھی در آئی۔ جنسی جرائم کو ٹھکانہ مل گیا' منشیات کا کاروبار بھی پنپنے لگا۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری کی ملی بھگت سے معاشی انصاف کا حصول ابھی تک بہت کٹھن ہے۔ فرقی وفقہی اختلاف کو لطیف وغیر مرئی انداز میں استعمار پرستوں نے بڑا ہوا دی ہے۔

لیبیا میں کمیونزم اور سرمایہ داری کے خلاف اور بزعم خویش ان سے برتر ایک نظریہ ثالث پیش کیا گیا۔ جس کے عملی اثرات کچھ اتنے نمایاں نہیں کہ ان سے زیادہ امید وابستہ کی جاسکے۔

عصر حاضر جو کہ ترقی یافتہ' ترقی پذیر اور کاملاً پسماندہ اقوام سے مرکب ہے۔ سائنسی تفوق کے تصور کو خراج ادا کرتا ہے۔ اس کے مسائل اور بد امنی کی وجوہات مختلف ممالک میں مختلف ہیں۔ تاہم الکوحل ازم' نسل پرستی معاشی عدم

مساوات، جیسی جرائم، جارحیت کا ارتکاب اور سکون قلب سے محرومی بعض بڑے مسائل میں سے ہیں

امت مسلمہ کی حالت زار : آج امتِ مسلمہ کی حالت زار اور بدامنی کے تصور ہی سے خون تیزی سے رگوں میں دوڑنے لگتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے پورا وجود زیست جل کر راکھ ہو جائے گا۔ میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کیا ہم امت مسلمہ کہلوانے کے مستحق ہیں؟ وہ امت جسے خود خداوند قدوس نے خیر امۃ کے لقب سے یاد کیا۔ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا جس پر حضور اکرم ﷺ فخر کریں گے۔ جس امت کیلئے حضور ﷺ پیدائش سے لے کر وصال تک بخشش کی دعائیں مانگتے ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اسے دولت ایمان ودیت فرمائی اور اس کی پہچان بقول اقبالؒ یہ رکھی کہ ؎

قہاری و جباری و قدوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

خدا تعالیٰ نے اس کی بنیاد

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامَ" (۳:۱۹) (بلاشبہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔)

پر رکھی۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهوفی الآخرة (اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا تو وہ کبھی قبول

من الخاسرین (۸۵:۳) نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ان لوگوں میں سے ہو گا جو تباہ و نامراد ہوں گے۔)

وقال رسول اللہ:الانبیاء اخوۃ من علات امھتھم شلی وینھم واحد (تمام انبیاء علاتی بھائیوں کی طرح ہیں ان کی مائیں مختلف اور دین ایک ہے۔) (متفق علیہ)

سورۃ شوریٰ میں یوں ارشاد باری تعالی ہے :

"شرع لکم من الدین ماوصی به نوحا' '(الشوریٰ :۱۳) (اللہ تعالی نے تمہاری لئے وہی دین جاری فرمایا جس کی تعلیم تم سے پہلے نوح ؑ کو اور دوسرے انبیاء علیھم السلام کو کی گئی تھی)

لیکن افسوس کہ ! اس امت کو کسی کی نظر لگ گئی اور اس اشرف المخلوقات خیر امت کی بدامنی اور افعال جانوروں سے بھی بدتر ہوتے گئے وہ فعل جو ایک جانور بھی دوسرے جانور سے نہیں کرتا مسلمان اسے کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔)

اسلام جسے دین فطرت نے فاصلوں' قوموں اور زبانوں کی قید سے آزاد ہو کر مشرق و مغرب' شمال و جنوب' سندھی' پٹھان' پنجابی بلوچی' ایرانی' افغانی' عربی و عجمی اور شامی وغیر ھم کو مٹا دیا اور ہزاروں میلوں کی مساولت کو سمیٹ کر ایک ملت وحدت کی لڑی میں پرو دیا اور مفکر اسلام شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال ؒ نے مستانہ وار یہ نعرہ لگایا کہ ؂

ہر ملک ملکِ ماست
کہ ملکِ خدائے ماست

اور پھر یہ کہ

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

اور پھر یہ ہوا کہ امت مسلمہ کی ساری اچھی خوبیاں غیروں نے اپنالیں اور یہ ان کی دست نگر ہو کر رہ گئی۔

اگر آج ہم عالم اسلام کا تجزیہ کریں تو دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ان کی تعداد ایک ارب تیس کروڑ سے زائد ہے جبکہ یہودی اس وقت دنیا میں ڈیڑھ کروڑ ہیں۔ گویا مسلمان یہودیوں سے تعداد میں تقریباً سو گناہ زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود اس وقت کرہ ارض کی سیاست پنجہ یہود میں ہے۔ وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سیاست، معیشت اور ثقافت پر پوری طرح قابض ہیں۔ اسلام خصوصاً عالم عرب کے سینے میں اسرائیل کا خنجر بالفعل پیوست ہے۔ مسلمانوں کی اس قدر تعداد کے باوجود بین الاقوامی سطح پر ان کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔

کہنے کو مسلمان آزاد ہیں لیکن ان کی داخلی اور خارجی حکمت عملی کہیں اور بنتی ہے۔ جہاں تک کہ اسلامی ممالک کے بجٹ اور ٹیکسوں کے ضمن میں ہدایات "باہر سے آتی ہیں"۔

الغرض ہماری کیفیت اس وقت وہی ہے جس کا نقشہ نبی کریم ﷺ نے اپنی اس حدیث مبارکہ میں کھینچا تھا کہ :

"مجھے اندیشہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ نہایت کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود تمھاری حیثیت سیلاب کے ریلے کے اوپر کی جھاگ سے بھی زیادہ نہیں رہے گی۔"

(رواہ مسند احمد ابن حنبلؒ وابو داؤد)

اس وقت عالم اسلام شدید ترین بدامنی' مصائب و آلام سے دوچار ہے۔ مسلمان خانہ جنگی اور سورہ النحل کی آیت ۱۱۲ میں وارد الفاظ "لباس الخوف والجوع" بھوک اور خوف کے لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں۔

بھارت میں بابری مسجد کے گرائے جانے پر پچاس سے زائد مسلم حکومتوں میں سے کسی ایک کو بھی جرات نہیں ہوئی کہ بھارتی حکومت سے یہ کہہ سکتی کہ اگر مسجد فی الفور دوبارہ تعمیر نہ کی گئی تو ہم سفارتی یا کم از کم تجارتی تعلقات ہی منقطع کر لیں گے۔ اسی طرح کشمیری مجاہدین پر ڈھائے جانے والے مظالم پر بے حسی عیاں ہے۔

آج عالم اسلام کے خلاف اندرونی اور بیرونی سازشیں پورے عروج پر ہیں اور یہ شدید پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی' معاشی' معاشرتی اور اخلاقی انحطاط کا اصل باعث خود اسلام ہے اور جب تک مسلمان اس جوئے کو گردن سے اتار کر نہ پھینک دیں گے وہ ترقی کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور پھر کہا گیا کہ مسلمان مفلس و قلاش ہیں اس لئے ترقی کی دوڑ میں حصہ لینے سے قاصر ہیں پس انھیں مالدار اور دولت مند بنانے کیلئے تدابیر اختیار کرنا لازم ہے۔ کچھ نے کہا کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے ہیں؛ انھیں جدید اور مغربی تعلیم کو اپنی تمام تر خباثتوں کے باوجود جوں کا توں اپنا لینا چاہیے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان انحطاط پذیر' زوال زدہ بدامن اقوام کا اصل مرض اور بدامنی کی بنیادی وجوہات کیا ہیں۔

بدامنی کی ان وجوہات کو درج ذیل آسان عنوانات کے تحت یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

بدامنی کے اسباب

(ا) رب العالمین پر یقین کامل کا فقدان: آج دنیا اس یقین سے خالی ہو گئی ہے کہ ہمارا پالن ہار' خالق' مالک' رازق واحد رب ہے جو رب العالمین ہے۔ یہ بنیادی عقیدہ جس پر اسلامی دعوت کی بنیاد تھی اور جسے اس قدر اہمیت دی گئی۔ یہ تھا کہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس عقیدہ کے دو بڑے بڑے رکن تھے

(الف) خدا کی الوہیت اور انسان کی عبودیت

(ب) الوہیت و عبودیت میں باہمی تعلق کی نوعیت

بدامنی کا اصل مرض انفرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے صرف یہی ہے کہ یہ عقیدہ دنیا کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا ہے۔ جب بنیاد ہی ہل گئی تو عمارت کی شکست و ریخت لازمی امر تھا۔ فلسفیانہ موشگافیوں اور متکلمانہ نکتہ طرازیوں سے قطع نظر ایمان باللہ کا اصل حاصل یہ ہے کہ یہ عالم وجود اور سلسلہ کون و مکان جو تاحد نظر ہماری نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے نہ ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گا بلکہ حادث بھی ہے اور ہالک بھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص: ۸۸)	(وہ ایسی ذات ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اسے اللہ کہہ لیا جائے یا الرَّحْمٰن کوئی فرق نہیں پڑتا۔)

ارشاد خداوندی ہے :

قل ادعواللہ اودعوالرحمن۔

ایاما تدعو فلہ الاسماء الحسنی

(بنی اسرائیل :۱۱۰)

۲۔ مقصد پیدائش انسانی سے انحراف : قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الجِنَ وَالانْسَ اِلاَ لِیَعْبُدُوْن

(میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں")

آج دنیا اس مقصد کو بھول گئی۔ انہوں نے زندگی کا مقصد بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست بنالیا اور بدامنی کا شکار ہو گئے۔

انسانی زندگی کا اصل پہلا اور بنیادی مسئلہ صرف یہ ہے کہ "انسان کیا ہے؟ یہ کائنات جس میں وہ رہتا ہے کیا ہے؟ انسان کا اس کائنات سے کیا تعلق ہے؟ یہی سبب ہے کہ ہر پیغمبر نے اسی بنیاد سے اپنی دعوت شروع کی اور جب یہ بنیاد مضبوط ہوگئی تو اسی پر "اسلام" کی عظیم ورفیع عمارت تعمیر کی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت کئی سیاسی 'معاشی' معاشرتی اور اخلاقی مسائل درپیش تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ایک خاص وقت تک ان سب مسائل سے صرف نظر کرکے صرف اسی بنیادی عقیدہ پر زور دیا اور پورا مکی دور اسی بنیاد کی مضبوطی میں گزر گیا۔

۳۔ اطاعتِ رسولؐ سے انحراف : خداوند تعالی نے اپنے خاص فضل وکرم سے امت مسلمہ کو بلکہ پوری دنیا کو تین بڑی نعمتیں عطا کی ہیں۔ پہلی نعمت یعنی نعمت عظمی اللہ تعالی کے ارشاد کے مطابق پیغمبر خدا احمد مصطفی ﷺ کا ظہور قدسی ہے دوسری نعمت جو اسی پیغمبر کے ذریعے عطا ہوئی وہ قرآن حکیم ہے اور تیسری

نعمت بھی اسی وسیلہ سے "دین کی تکمیل" ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ صرف ایک نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔ صرف ایک رسول ہی نہیں بلکہ آخر الرسل ہیں اور آپ ﷺ پر نبوت ورسالت کا صرف اختتام ہی نہیں ہو بلکہ اتمام واکمال بھی ہوا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا "(سورہ الاحزاب: ۲۱)

(درحقیقت تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسولؐ ہی جوایک بہترین نمونہ تھا ہراس شخص کیلئے اللہ اور یوم آخر کا امیدوار اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔)

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:

"يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَلَاتَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ۔ وَلَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَايَسْمَعُوْنَ" (سورہ الانفال: ۲۰۔۲۱)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا۔ حالانکہ وہ نہیں سنتے)

پھر ارشاد فرمایا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (سورہ آل عمران: ۳۱)

(اے نبیؐ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا)

لیکن صدافسوس! کہ دنیا نے آپ ﷺ کی اطاعت سے انحراف کیا اور بدامنی کے طوفان میں غرق ہوگئی۔

۴۔اسوۂ حسنہ ﷺ سے بغاوت: بدامنی کی ایک بڑی وجہ حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔آج دنیائے اسلام بلکہ ساری دنیا میں سب سے بڑا مرض یہ پیدا ہو چکا ہے کہ ان کا ایمان کھوکھلا اور یقین پتلا ہو چکا ہے۔سیاسی عظمت کا مٹ جانا' معاشی طور پر پسماندہ ہو جانا' اخلاقی طور پر زوال پذیر ہو جانا اور علمی میدان میں پیچھے ہٹ جانا' یہ سب مرض کی علامات یا نتائج ہیں۔اصل مرض نہیں۔اصل بیماری عقیدہ کی بیماری ہے جس نے اس عظیم امت کو کھوکھلا اور ان کے ہر عمل کو پھس پھسا دیا ہے۔مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی' فروعی اختلافات کی بنیاد پر فرقہ بندی' جدید نظریات کی بناء پر گروہ سازی اور ان کی سلطنتوں کی باہمی سر پھٹول' یہ سب چیزیں اسی کا نتیجہ ہیں کہ انھیں جس بنیادی عقیدے نے آپس میں جوڑ کر بنیان مرصوص بنا دیا تھا وہ عقیدہ کمزور ہو چکا ہے جبکہ اس امت کے امت وسط ہونے کی اصل بنیاد صرف عقیدہ ہے۔

۵۔تعصب اور قومیت کا پرچار: آج دنیا ایک وحدت کی بجائے عربی' عجمی' پاکستانی' افغانی' چینی' جاپانی وغیرہم میں تقسیم ہو گئی اور تعصبانہ طور پر اپنی ہی قوم کا پرچار اور اعلان کرنا شروع کر دیا اس طرح اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور بدامنی پھیلنے لگی۔بقول اقبالؒ ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

اس حقیقت کی عملی وضاحت ہمارے سامنے عرب اسرائیل جنگ اور اس کے نتائج نے کی ہے وہ عرب جو ساری دنیا کے فاتح اور کبھی غیر مفتوح تھے۔

آج کروڑوں کی تعداد میں بے پناہ دولت اور تیل کے ذخائر کے مالک ہوتے ہوئے بہت سے اسلحے اور سامانِ جنگ کی موجودگی میں چند لاکھ یہود سے عبرتناک شکست کھا گئے اور صرف چند گھنٹوں کی جنگ نے ان کا سارا بھرم کھول کر رکھ دیا۔

۶۔ **اقتدار میں خود غرضی اور ذاتی مفاد**: تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عموماً سامنے آجاتی ہے کہ خلفائے راشدین کے سنہری دور تک خلافت باہم مشاورت سے اللہ کے نیک بندوں کے ذریعہ چلتی رہی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے آکر خلافت کو بادشاہت میں بدل دیا اور اپنے بد کردار بیٹے یزید کو اپنی ہی زندگی میں خلیفہ بنا دیا۔ اسی کا لازمی نتیجہ بدامنی کی شکل میں نکلنا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"خدا کی قسم! جو شخص عہدے کا سوال کرے اور حریص ہو ہم اسے کبھی عہدہ نہیں دیا کرتے"

آج دنیا پر نظر دوڑائیں تو ہمیں اقتدار میں خود غرضی اور ذاتی مفاد نظر آتا ہے۔ عرب ممالک سوشلسٹ اور غیر سوشلسٹ دو کیمپوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ان کے باہمی اختلافات شدید ہیں ان کے لیڈروں کی خود غرضیاں اور خود پرستیاں انھیں ایک دوسرے کے قریب نہیں آنے دیتیں۔ سوشلسٹ کیمپ میں بھی دھڑے بندیاں ہیں۔ مصر وشام' عراق اور الجزائر باہم دست و گریباں ہیں حالانکہ سب "سوشلزم" کے علمبردار ہیں۔

۷۔ **عدل وانصاف کا فقدان**: آج کی دنیا میں کہیں بھی عدل وانصاف نظر نہیں آتا اسی وجہ سے بدامنی پھیلتی جا رہی ہے جبکہ رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ادوار میں شیر اور بکری اکٹھے پانی پیا کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا وہ فیصلہ کہ:

"خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو اس کے
ہاتھ بھی کاٹ دیتا" (رواہ مسلمؒ)

"اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو
کل عمرؓ خدا کے حضور کیا جواب دے گا"

اسلامی نظام عدل وانصاف مساوات کا قائل ہے سب لوگ چاہے ان کا تعلق کسی طبقے سے ہو' خدا کے احکام کی منصفانہ تقسیم پر راضی ہو جائیں اس طرح وہ سرمایہ دار اور مزدور کا امتیاز مٹانا چاہتا ہے۔

۸۔ **درسِ مساوات کا فقدان**: نظام اسلام میں مساوات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلام کے نزدیک چھوٹا بڑا' امیر غریب عربی عجمی' کالا گورا اور تاجر و مزدور سب برابر ہیں۔ اس عظیم درس کو بھول کر آج ہم بدامنی کا شکار ہیں۔

احادیث کی کتب میں آتا ہے کہ حضور اکرم ہادی امنِ عالم ﷺ نے ایک محفل میں مشروب کا گلاس حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بجائے اس اعرابی کو دیا تھا جو دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا اور فرمایا تھا:

"دائیں طرف سے شروع کیا کرو یہی سنت ہے"

۹۔ **قرآنی احکامات سے روگردانی**: قرآن پاک میں واضح طور پر بدامنی پھیلانے والے تمام عناصر یعنی چوری' ڈاکہ زنی' زنا بالجبر' شراب' جھوٹ' بداخلاقی' ملاوٹ اور صلہ رحمی وغیرہ کی سزاؤں کا ذکر ہے مگر آج قرآنی احکامات سے روگردانی کی جاتی ہے۔ قرآن پاک سے فیض اور حصول تربیت کا وہ پہلا طریقہ بھی باقی نہ رہا۔ جو دور اول میں موجود تھا۔ وہ لوگ قرآن کو عمل کرنے کے لئے پڑھتے اور اسی نقطہ نظر سے اس میں تفکر و تدبر کرتے تھے۔ بعد والوں نے اسے محض علمی پیاس بجھانے' ادبی ذوق کی تسکین کرنے اور اس میں سے عملی و قانونی اسرار

در موز نکالنے کے نقطہ نگاہ سے پڑھنا شروع کر دیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کا دستور العمل نہ رہا۔ نتیجتاً مومن اسلام قبول کرنے کے بعد صرف "مومن" بن جاتا تھا۔افسوس کہ اب یہ بھی انقطاع اور کامل امتیاز باقی نہ رہا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور کفر باہم غلط ملط ہو گئے۔اب ظاہر ہے کہ خالص اسلام جو معرکے سر کر سکتا تھا وہ اس مخلوط معجون مرکب سے دکھانے کی توقع عبث ہے۔

۹ ۱۰۔ علم و حکمت کا فقدان :ارشاد خداوندی ہے :

"اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ" (لوگوں کو حکمت اور تدبر سے اپنے رب کی طرف بلاؤ)

پھر ارشاد فرمایا :

(جس پر اللہ تعالی مہربان ہوتا ہے اسے دین و حکمت کی تعلیم عطا فرماتا ہے اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔)

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست مدینہ میں تعلیم کو عام فرمایا۔ معاشرے کے ہر شعبہ میں شرف و تقدم کا معیار علم کو ٹھہرایا۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے بعض کا تاوان جنگ میں یہ مقرر فرمایا کہ وہ مسلم بچوں کو تعلیم دیں۔ علم حاصل کرنے کیلئے چین تک جانے کا حکم صادر فرمایا۔ قرآن نے علم حاصل کرنا مرد اور عورت پر فرض قرار دیا اور فرمایا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ لیکن آج مسلم امہ نے علم و حکمت کے اس مقدس سبق کو بھلا دیا۔اس لئے بدامنی کا دور دورہ ہوا۔

۱۰ ۱۱۔درسِ اخوت سے روگردانی :ارشاد خداوندی ہے :

"اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ" (الحجرات :۴۹ :۱۰) (مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں)

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۴۸: ۲۹)

(محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں)

آیت کریمہ کے اس مفہوم کو حکیم الامت حضرت اقبالؒ نے کتنے حسین پیرائے میں بیان فرمایا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق دباطل ہو تو فولاد ہے مومن

اس بارے میں آقائے دو جہاں ﷺ فرماتے ہیں:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه

(مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو مشکل کے وقت بے آسرا چھوڑتا ہے)

دوسری حدیث مبارکہ میں ہے:

من كان فی حاجة اخيه كان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله بها عنه كربة من كرب يوم القيامة ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة

(جو مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے گا خدا خود اس کی ضرورت پوری کرے گا جو مسلمان بھائی کی مصیبت میں کام آئے گا خود خداوند کریم اس کے مصائب قیامت دور فرمائے گا اور جو مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا خداوند کریم روز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا (اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو،

فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو(ورنہ) تم ہمت ہار
(الانفال ۸ :۴۶) دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں جب ہم خلافتِ بغداد کے سقوط اور اسلامی اندلس میں صدیوں پر محیط عظیم اسلامی تہذیب و تمدن ' علم و دانش ' فلسفہ و سائنس اور سلطنت و حکومت کے عروج و زوال کی تاریخ کا بنظر عمیق جائزہ لیتے ہیں 'اور دورِ حاضر میں عرب سلطنتوں کے شیوخ و امراء اور مسلمان حکومتوں کے سربراہوں کے باہمی اختلافات کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں امریکہ کے "نیو ورلڈ آرڈر" یورپ کے تیسری دنیا بالخصوص مسلم ممالک کے خلاف ثقافتی 'اقتصادی 'سائنسی اور عسکری یلغار اور کرہ ارض میں اہل اسلام کے خلاف یہود و ہنوز لالمی کی ناپاک سازشوں کے نتیجہ میں آج ملت اسلامیہ کی بے بسی ' بدامنی اور لاچارگی کا منظر دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں اس آیت کریمہ میں مضمر حکیمانہ پیغام کی سو فیصد تائید و تصدیق نظر آتی ہے۔ مسلم دنیا کے عاقبت نااندیش زعماء کے باہمی اختلاف و افتراق کے باعث ملتِ اسلامیہ پر مسلط کی گئی بدامنی 'بدحالی و پسماندگی 'غربت و افلاس 'جہل و امراض کی دبیز چادر کو دیکھ کر حضرتِ اقبالؒ کا یہ شعر از خود درد زبان بن جاتا ہے ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

۱۲۔ عقلی و فکری انتشار اور ذہنی آوارگی : تہذیب حاضر کا سب سے بڑا تحفہ مادیت کا عظیم ترین انعام جدید جاہلیت کا بھاری بھر کم "احسان" جو اس نے انسانیت کو عطا کیا ہے وہ عقل کی بدلگامی اور فکر و نظر کی بے راہ روی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس نے دلوں کا سکون غارت کر دیا ہے۔ ذہنی اطمینان پر شب خون مارا ہے

اور انسانی افراد و جماعات کی مرکزیت کو ہلا ڈالا ہے امن کے نتیجے میں عملی بحران اور اخلاقی بے راہ روی پیدا ہو گئی ہے جب عقل انسانی خالص مادیت کے دھارے پر بہتی ہوئی بہت دور نکل آئی تو آج وہ خود یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ علم و فن کی ترقی کے باوجود اور مادی سرو سامانی کی فراوانی کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو سکون اور خوشی حاصل نہیں ہے؟

ہوا دراصل یہ کہ انسان مادی علوم و فنون کی ترقی اور جدید ایجادات کے ہوش ربا میدان میں آگے بڑھ چکا ہے اتنا اس کا "انسانی شعور و ادراک" ترقی پذیر نہیں ہوا ہے۔

۱۳۔ **جنسی بے راہ روی**: یونان' روم اور ایران کی برباد شدہ تہذیبوں پر جس طرح جنسی آوارگی کا بھوت سوار ہو گیا تھا حتیٰ کہ اس نے ان کی جان ہی لے کر چھوڑی۔ اسی طرح یہ بھوت آج تہذیب جدید کے سر پر سوار ہے۔ اس بھوت نے تہذیب جدید کے فرزندوں کے فکر و عمل کی قوتوں کو معطل کر دیا ہے۔ انسان کو لذت پسند' شہوت پرست اور آوارہ مزاج حیوان بنا دیا ہے۔ وہ نسل کشی کر رہا ہے۔ وہ امراض خبیثہ کا گھر بن چکا ہے جنس اس کے اعصاب پر سوار ہے۔ جنسی تسکین کیلئے حرام و حلال کا امتیاز تو پہلے ہی مٹ چکا تھا۔ اب مرد و عورت کا فرق بھی مٹایا جا رہا ہے۔ "مہذب ممالک" میں لواطت اگر باہمی رضامندی سے ہو تو کوئی جرم نہیں۔ مذہب کے نام نہاد ٹھیکیداروں نے بھی اپنی کوڑھ دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے اس پر تصدیق کی مہر نہیں بلکہ انگوٹھا لگا دیا ہے۔

تہذیب جدید نے آلات کے نام پر عریانی' فحاشی' بے حیائی' ننگی تصویریں' صنفی لٹریچر' عریاں اور جوڑواں ناچ' شہوانی فلم اور ثقافت کے نام پر بدمعاشی اور زناکاری کو وہ فروغ دیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ لذت و شہوت کا گھن

اندر ہی اندر اس تہذیب کے شہتیروں کو کھا کھا کر کھوکھلا کر چکا ہے اور خطرہ پیدا ہو چکا ہے کہ اب یہ شہتیر اپنی عظیم عمارت کو لے کر دھڑام سے نیچے آگرے گا۔ قدرت شاید صرف انتظار اس کا کر رہی ہے کہ زمام کار کو سنبھالنے کیلئے کوئی جاندار تہذیب وجود میں آجائے یا کوئی خوابیدہ قوم ہی انگڑائی لے کر جاگ پڑے تاکہ دنیا میں مکمل مزاج اور بدنظمی وبدامنی پیدا نہ ہونے پائے۔

۱۴۔ **اخلاقی بے راہ روی**: حضور اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اخلاق کی تکمیل بیان فرمایا مگر تہذیب نو نے اخلاق کا جنازہ نکال دیا۔ جب خدا اور مذہب کو زندگی سے خارج کر دیا گیا تو اخلاق وحیا نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ گئی۔ الٹا اخلاق اور شرم وحیا کا مذاق اڑایا گیا۔ اسے رجعت پسندی' تاریک خیالی اور اشتراکی معاشرے میں بورژوائیت کا نام دے کر پسپا کر دیا گیا۔ بدکرداری' زناکاری' برسر عام جنسی بھوک مٹانے کو فیشن ہی نہیں بلکہ روشن خیالی اور تہذیب وترقی کا نام دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر انسان اور کتے میں فرق کیا رہ جاتا ہے؟ دوشیزگی اور عفت کو پرانے زمانے کی باتیں کہہ دیا گیا' اپنی بدکرداری کا برملا ذکر کرنا لازمہ شرافت ٹھہرایا گیا۔ جتنی زیادہ کوئی لڑکی بدکردار اور چھنال ہو اتنی ہی زیادہ سوشل اور مہذب کہلانے لگی۔ نہ صرف اخلاقی حس ختم ہو کر رہ گئی بلکہ داشتہ اور منکوحہ کا فرق مٹ گیا۔ حرامی اور حلالی بچے کا درجہ مساوی قرار دیا گیا۔ قحبہ گری کا پیشہ معزز ٹھہرا۔ زناکاری منظم کمپنیوں کی شکل میں ہونے لگی۔ "خام مال" کی درآمد وبرآمد تیزی سے ہونے لگی۔ بدکاری کے اڈوں کے علاوہ ہوٹل' چائے خانے' رقص خانے' کلب اور مہمان خانے علی الاعلان بدمعاشی کے مرکز بن گئے۔ زمانہ جنگ میں تو خیراتی قحبہ خانے بھی کھل گئے جن میں فرزندان وطن کیلئے دختران وطن نے اپنا سب کچھ فرش راہ کر دیا۔ ایسی آبروباختہ عورتوں کو میڈل اور

انعام دیئے گئے اور فخر سے ان کا اعلان کیا گیا۔ بے حیائی اور لذتیت ایک وبائی کر دنیا کو اپنے گھیرے میں لینے لگی۔ ننگا لٹریچر شائع ہونے لگا۔ عریاں تصاویر بازاروں ہوٹلوں بلکہ گھروں کی زینت بن گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عورت کی ننگی تصویر کے بغیر کوئی سامان تجارت دل کش نہ ہونے کے باعث گاہکوں کی توجہ کا مستحق ہی نہ رہا۔ فحش لٹریچر نام کی کوئی چیز ہی دنیا میں نہ رہی۔ ہر قسم کا لٹریچر بس لٹریچر ہے چاہے اس میں زہر ہلاہل ہی بھرا ہو۔ فنون لطیفہ کے نام پر تھیٹر' سینما' میوزک ہال اور قہوہ خانوں میں تفریح کا سب سے بڑا ذریعہ ہی شہوانیت رہ گئی۔ ناولوں' ڈراموں اور کہانیوں میں اس حیا سوزی اور اخلاق باختگی کی تشہیر کی گئی۔ لوگوں کے دلوں میں ایک ہمہ گیر جنسی بھوک پیدا کر دی گئی۔ زندگی کا مقصد بس شہوت پرستی ہی ٹھہر گیا۔ ننگے ناچ ایک عام فیشن بن گئے۔ منع حمل کی تدابیر کے نام سے بے پناہ طبی لٹریچر شائع ہوا۔ حکومتوں نے اپنے پورے وسائل وذرائع کو کام میں لا کر "خاندانی منصوبہ بندی" کے نام سے بے حیائی' نسل کشی' شہوت پرستی اور بد اخلاقی پھیلائی۔

ان حالات کا اثر آئندہ نسلوں پر یہ پڑا کہ بچے بھی شہوانی جذبات میں کھیلنے لگے۔ بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ لڑکا یا لڑکی بالغ ہی بدکاری سے ہوئے اور بہت سی مثالیں اس کی بھی موجود ہیں کہ بالغ لڑکیوں کو بدکاری کی لت پڑ گئی اور ذرا بڑی ہو کر وہ معاشرے کے لئے ایک لعنت اور ایک چڑیل بن گئی۔ تعلیم گاہوں میں بدکاری پھیل گئی۔ مخلوط تعلیم کے باعث "کنوارپن" کا تصور ہی ختم ہونے لگا۔ امریکن یونیورسٹیوں میں سب سے زیادہ جس لٹریچر کی مانگ ہے وہ بے حد فحش اور گندا لٹریچر ہے۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال دونوں صنفوں کے طلبہ میں عام ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ بدامنی کی صورت میں نکلنا لازمی امر تھا۔

۱۵۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم : آج کی دنیا میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے جبکہ اسلام نے بطور اصول دولت کے ارتکاز کو روکا ہے۔ سورہ الحشر میں یوں ارشاد خداوندی ہے :

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (تاکہ دولت اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے)

اور دولت کی تقسیم کے لئے زکواۃ' صدقات واجبہ' عام انفاق کے ضوابط اور قانون وراثت جیسے مفید ادارے اور احکام مقرر کئے ہیں۔ زکواۃ ایک ایسا فن ہے جس کا مقصد ہی معاشرے کی معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے لوگوں کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہے۔ مال میں صرف یہی حق نہیں رکھا گیا بلکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے :

ان فی المال لحقا سوی الزکواۃ (ترمذی) (بے شک مال میں زکواۃ کے علاوہ بھی حق ہے)

انفاق مال کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی بلکہ اس حد تک ترغیب دی گئی ہے کہ جائز ضروریات سے جو بھی بچ جائے اسے دوسروں کو دے دیا جائے۔ ایسے احکامات پر عمل نہ ہونے کے اسباب بدامنی کی صورت میں عیاں ہیں۔

۱۶۔ حلال و حرام میں تمیز کا فقدان : آج کے دور میں حلال و حرام میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے دنیا بدامنی کا شکار ہے۔ جبکہ اسلام نے طلب حلال کو بھی عبادت قرار دیا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے راست باز تاجر کو قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ محشور ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ اسی طرح بہت سی احادیث مبارکہ میں طلب حلال کی ترغیبات وارد ہوئی ہیں۔ بعض میں اس کیلئے فی سبیل اللہ کا لفظ وارد ہوا ہے۔ سوال سے بچنے کیلئے طلب رزق فی سبیل اللہ ہے اسی طرح اہل و عیال اور والدین کی خدمت کیلئے طلب رزق کو فی سبیل اللہ

فرمایا گیا ہے۔ ہاں البتہ فخر، تکبر اور سرمایہ داری کیلئے طلب زر کو "فی سبیل الشیطان" فرمایا گیا ہے۔(ابو الشیخ، ابو نعیم بیہقی) بعض احادیث میں تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس میں بڑا رزق ہے۔

قرآن پاک کا حکم ہے کہ دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کرو:

وَلَاتَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا(القصص) (اور اپنا دنیوی حصہ نہ بھول)

یہی وجہ ہے کہ بے کاری، سستی اور بے روزگاری کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور گداگری پر سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ سوال کرنے کو چہرے کی آبرو کے زائل کر دینے کے مترادف قرار دیا گیا ہے اس کے برعکس طلب حلال کو فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَة فرمایا گیا ہے۔ یعنی جس طرح عبادت فرض ہے اسی طرح کسب حلال بھی فرض ہے۔ صنعت و حرفت اور انتظام معاش کی حیثیت شریعت میں فروض کفایہ کی ہے۔ بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اور مال حرام سے پیدا ہونے والا گوشت جہنم کی آگ کا زیادہ حق دار ہے۔

۱۷۔ <u>سودی معاملات اور قمار بازی</u>: آج کی دنیا میں بد امنی کی بڑی وجوہ سودی معاملات اور قمار بازی کی لعنت ہیں۔ کوئی شعبہ زندگی ان سے محفوظ نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تو سود اور جوا ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ اسلام نے ان دونوں کی حرمت میں بہت شدت اختیار کی ہے۔ سود کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یہ خدا اور رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَذَرُوْمَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْافَاْذَنُوْابِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ(البقرہ: ۲۷۸۔۲۷۹)

جوئے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (سورہ المائدہ : ۹)

اس آیت مبارکہ میں جوئے کو شراب خوری اور شرک کی مانند پلید شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔

۱۸۔ کفالت عامہ اور عدل اجتماعی کی حکم عدولی : دور حاضر میں کفالت عامہ اور عدل اجتماعی کی حکم عدولی کی بدولت دنیا بدامنی میں گرفتار ہے کیونکہ کسی بھی فلاحی ریاست میں ہر شخص کی بنیادی ضروریات کی ذمہ داری خود ریاست پر ہوتی ہے۔ روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج انسان کی بنیادی ضروریات ہیں سب سے پہلے ان کی اجتماعی کفالت کا تصور اسلام نے پیش کیا تھا۔ لوگوں کی ان ضروریات کو پورا کئے بغیر حکومت و ریاست کا کوئی جواز ہی نہیں۔ مقروضوں کے قرض کی ادائیگی تک ریاست کے ذمے ہے۔ پہلی اسلامی ریاست جو حضور اکرم ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ شاگردوں کی سرکردگی میں بروئے کار آئی تھی اس میں سینکڑوں نہیں ہزاروں لاکھوں کفالتِ عامہ کے علمی و عملی دلائل موجود ہیں۔

۱۹۔ مذہب کے خلاف شدید ردِ عمل : آج مذہب سے دوری کی بدولت دنیا بدامنی کا شکار ہے۔ مغرب کی علمی بیداری کے زمانے میں عیسائیت نے علم و فکر اور سائنس کے خلاف جس شدید تعصب، جمود اور چڑچڑے پن کا ثبوت دیا تھا اس کے ردِ عمل میں یورپ کے بالعموم سب روشن خیال اور پڑھے لکھے طبقے سرے سے مذہب کے خلاف ہو گئے۔ ان کے دلوں میں مذہب اور اہل مذہب کے خلاف ایک ضد پیدا ہو گئی۔ یہ ضد اہل مذہب کے تعصب اور غلط تدبیروں کے باعث بڑھتی ہی گئی۔ حتیٰ کہ مذہب کو ایک ڈھونگ اور "رجعت

پسندی" کی علامت قرار دیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نئے نظام زندگی میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہ رہا۔ عملی زندگی کی ہر شاخ سے اسے نکال باہر کیا گیا وہ محض افراد کا ایک پرائیویٹ معاملہ بن کر رہ گیا۔ تہذیب جدید کی رگ رگ میں لادینی اور خدابیزاری سرایت کر گئی۔اس طرح علم و فن 'ادب' سیاست 'معاشرت۔ معاش اور اخلاق ہر چیز کی بنیاد لادینیت پر رکھی گئی۔

۲۰۔ انفرادی و قومی ملکیت میں عدم توازن: انسانی فطرت ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنی ذاتی کہلوانا پسند کرتا ہے۔اسلامی نظام میں اگرچہ ہر چیز خدا کی ملک ہے 'لیکن نظام کائنات کو چلانے کے لئے خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو انفرادی ملکیت کا حق دیا ہے۔ اسلامی عبادات اور فرائض کا تصور انفرادی ملکیت کے بغیر ممکن نہیں۔زکوٰۃ' حج اور تقسیم وراثت کا سوال ہی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک پہلے انفرادی ملکیت کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ لیکن اگر ایک شخص کی ذاتی ملکیت دوسروں پر ظلم وزیادتی کا ذریعہ بن جائے یا اس سے دوسروں کے حقوق غلط طور پر متاثر ہوں تو اسلام میں اجتماعی ملکیت کا جواز بھی موجود ہے۔ خلافت راشدہ میں بلکہ حضور اکرم ﷺ کے اپنے دور میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں مگر اسلام اس دعویٰ کو کوئی وزن نہیں دیتا کہ تمام معاشی برائیوں کی جڑ ذاتی ملکیت ہے اور علاج صرف یہ ہے کہ ہر چیز کو قومی ملکیت بنا دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ عملاً آخر کسی نہ کسی کی ملکیت تو ضرور ماننی ہوگی۔ چاہے اسے حکومت کا نام دیا جائے یا پارٹی کا۔ حکومت یا پارٹی بھی چند افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ موجودہ حالات میں تو قومی ملکیت ایک خاص نوکر شاہی طبقے پر بے پناہ اختیارات دے دینے کے مترادف ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک ظالم اور بدنام طبقے کو سیاسی طاقت کے ساتھ ساتھ ساری معاشی طاقت کا بھی مالک بنا دیا جائے۔ پھر اتنی شدید ظالمانہ

آمریت وجود میں آئے گی جو بالکل اندھی بہری ہو گی اور وہ لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے دل کھول کر کھیلے گی۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم کا نظام ایک ظالمانہ آمریت کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ اور اس نظام میں ذاتی آزادی اور جمہوریت کا سوال خارج از بحث ہوتا ہے۔

۲۱۔ جہاد سے روگردانی : آج عالم اسلام کی روح جذبہ جہاد سے خالی ہو گئی ہے اس لئے بدامنی کا شکار ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"انا نبی الرحمة" (میں رحمت کا پیغامبر ہوں)

"انا نبی الملحمة" (میں معرکوں کا پیغامبر ہوں)

جہاد ایک ملی فریضہ ہے۔ اس کی بجا آوری میں ملت کی بقا اور انسانیت کی حقیقی خدمت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ (البقرہ :۲۱۸)

(جن لوگوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں)

اس اہم فریضہ اسلامی کی انجام دہی میں کوتاہی کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ ارشاد ہوتا ہے :

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (التوبہ :۳۸)

(اگر تم اللہ کے راستے میں نہیں نکلو گے تو اللہ تم کو عذاب الیم دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا)

ملت اسلامیہ میں جہاد کے ذریعے جو نظام سیاست قائم کیا جاتا ہے وہ صرف تقاضوں کی تکمیل ہی نہیں کرتا بلکہ بلا لحاظ عقیدہ و نسل ہر انسان کی

انسانیت کے بنیادی حقوق جس کو Fundamental Rights کہتے ہیں' سے بہرہ ور کرتا ہے اور غیر مسلم رعایا کو بھی ہر طرح کی تہذیبی' ثقافتی اور معاشی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

۲۲۔ اندرونی انتشار : آج کی دنیا اندرونی طور پر بری طرح انتشار کی شکار ہے۔ اسی لئے بدامنی کا شکار ہے۔ اقتدار کی خاطر رسہ کشی باہمی سازشیں عام ہیں۔ بھائی بھائی کا دشمن ہے خون سفید ہو چکے ہیں۔ ایک پارٹی دوسری پر کیچڑ اچھال رہی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک لشکر پر بھیجنے سے پہلے ایک پر مغز خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے پانچ باتوں کا خیال رکھو:

۱۔ کسی ملک میں جب کم تولنے کا رواج ہو تو اللہ تعالیٰ قحط نازل کر دیتا ہے۔
۲۔ جب کسی قوم میں بد عہدی رواج پذیر ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔
۳۔ جب زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی تو بارش موقوف ہو جاتی ہے۔ اگر دوسرے جاندار نہ ہو تو ایک قطرہ بھی نہ پڑے۔
۴۔ جب کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اس میں طاعون پھیل جاتا ہے۔
۵۔ جب قرآن کے احکام پر عمل چھوڑ دیا جاتا ہے تو ان میں اختلاف بڑھ جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔

(سیرت عبدالرحمٰن بن عوف' از سید فضل الرحمٰن احمد)

۲۳۔ عفو و درگزر کا فقدان : آج معمولی سی بات پر قتل و غارت گری شروع ہو جاتی ہے۔ عفو و درگزر کا فقدان ہے۔ اسی لئے بدامنی عروج پر ہے۔ جبکہ

حضور ﷺ نے ابوسفیان جیسے دشمن کے گھر پناہ لینے والوں کو بھی معاف فرمادیا۔ ہندہ جیسی قاتلہ اور اپنے جانی دشمنوں تک کو معاف فرمادیا۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں مدرسہ نظامیہ بغدادیہ میں زیر تعلیم تھا تو میرا ایک ہم ملت میرے حسن بیان اور نکتہ آفرینی کے باعث مجھ سے بڑا حسد کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اپنے استاد محترم سے کہا کہ فلاں شخص میرے لئے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔ وہ میرے علمی کمال کے باعث مجھ سے حسد کرتا ہے۔ (گلستان سعدی' ملتان : مکتبہ امدادیہ' ۱۹۵۲ء)

استاد محترم نے یہ بات سنی تو اظہار خفگی کیا اور فرمایا :

"حیرت ہے کہ تو اس کے گناہ سے آگاہ ہو گیا کہ وہ حسد کرتا ہے لیکن اپنے بارے میں نہ سوچا کہ تو بھی غیبت جیسے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اگر اس حاسد نے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنایا ہے تو دوسرے راستے سے تو بھی وہیں پہنچا ہے اور غیبت کر ڈالی"

۲۴۔ راتوں رات امیر بننے کی خواہش : ہوس زر بدامنی کا ایک بہت بڑا محرک ہے جو انسان کو جرائم کے ارتکاب کیلئے اکساتا ہے۔ انسان کو قتل کرانے سے لے کر مردہ خانوں تک کا گوشت فروخت کرنے کا جرم بے دریغ کیا جاتا ہے۔ سمگلنگ شاہراہوں پر لوٹ مار' بنکوں میں دن دہاڑے ڈاکے' رات کی تاریکی میں چوری' زیورات اور نقدی لے جانا' سینہ زوری سے ڈاکہ۔ قتل اور اشیاء میں ملاوٹ کر کے روپیہ اکٹھا کرنا ان کے نزدیک بالکل جائز مشغلے ہیں۔ بدامنی اور جرائم کے محرکات پر روزنامہ امروز اگست ۱۹۷۵ء میں ایک بڑا خوب صورت تبصرہ ملتا ہے :

"انسان سانپ سے زیادہ زہری اور پاگل کتے سے زیادہ

باؤلا ہے۔اس کے زہری اور پاگل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسے انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے۔ قتل و غارت گری کی اس ارزانی و فراوانی کی تمام تر ذمہ داری ہم صرف پولیس پر عائد نہیں کر سکتے بلکہ اس کا اصل ذمہ دار نظام زر ہے جس کے ہاتھ انسانی خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ انسانی خون نچوڑنا اور تجوریاں بھرنا جس کا منتہائے مقصود ہے۔ ماہرین کے نزدیک وہ جرائم جن کے پیچھے غربت و افلاس کارفرما ہوتی ہے وہ چوری چکاری' ڈاکہ زنی اور جیب تراشی وغیرہ ہیں"

۲۵۔ فضول رسوم و رواج : آج جہالت کی وجہ سے فضول رسوم و رواج عام ہو گئے ہیں جو بدامنی کا باعث بنتے ہیں۔ان فضول رسوم کی بدولت جلد شادی ممکن نہیں ہوتی۔اس طرح زناکاری کا راستہ کھلتا ہے۔وہ نوجوان جو اپنے جنسی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے وہ بازاری عورتوں کے ساتھ تعلقات استوار کر لیتے ہیں اور جو لڑکیاں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں وہ بھی دوستوں کی آڑ میں اخلاقی بے راہ روی کی طرف چل پڑتی ہیں۔ دوسری طرف شادی بیاہ پر فضول روشنیوں کا انتظام حد سے بڑھ کر جہیز کی لعنت 'بینڈ باجے کا انتظام' رقاص اور رقاصاؤں کو بلا کر خطیر رقم خرچ کرنا جہالت کی رسوم و رواج نہیں تو اور کیا ہے۔

۲۶۔ مخلوط ذریعہ تعلیم اور بے پردگی :بدامنی پھیلانے اور نوجوانوں کے اخلاق و کردار کو دیمک لگانے والا ایک اہم عنصر مخلوط ذریعہ تعلیم ہے۔اس سے لڑکے اور لڑکیاں شرم و حیا کے زیور سے محروم ہو جاتے ہیں۔اور آزادانہ میل جول سے ان میں جنسی شعور بلوغت کی عمر سے پہلے پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے کیونکہ جہاں اسباب اشتعال بھی ہوں اور سامان تسکین بھی وہاں

بے راہ روی کا شکار ہو جانا عام سی بات ہے۔

اسی طرح عورتوں کی بے پردگی اور ان کا تجارتی، صنعتی، دفتری اور دیگر شعبوں میں داخل ہونا بھی نئی نسل کے اخلاقی زوال کا باعث بن رہا ہے۔ یہ خصوصاً عورتوں میں جنسی آوارگی کا سبب بن رہا ہے۔ کیونکہ شب و روز بے پردہ حالت میں مردوں کے ساتھ میل جول رکھنا ان کی مجبوری ہے جس سے ان میں جنسی انتشار پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ خود مردوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہیں اور مرد انہیں اپنی تسکین اور ہوس کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت کے تحت یورپ کے تجربہ کار ڈاکٹروں کے بورڈ نے کافی ریسرچ، محنت اور عرق ریزی کے بعد رپورٹ پیش کی اس کے مطابق:

"اگر ایڈز جیسے موذی مرض کو روکنا ہے تو پھر جنسی آوارگی کو ترک کرنا ہوگا اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عورت کو پردہ کے مقدس حصار میں نہ لایا جائے"

(تحریک اصلاح معاشرہ۔ جولائی ۱۹۹۴ء، ص: ۴۸)

۱۹ ۷۔ **فحش لٹریچر اور ذرائع ابلاغ کا کردار**: آج دنیا بھر کی بدامنی پھیلانے میں فحش لٹریچر اور ذرائع ابلاغ نے اہم کردار ادا کیا۔ ایسا لٹریچر عام بک سٹالوں پر نہایت گندی اور اخلاق سوز کتب، اخبارات میں چٹخارے دار جنسی خبروں، رسائل و جرائد میں رومانی داستانوں اور مخرب الاخلاق تصاویر کی صورت میں موجود ہے۔ بلیو پرنٹ فلمیں جو انگریزی اور انڈین ہوا کرتی تھیں اب پاکستان میں بھی تیار ہو رہی ہیں۔ یورپ اور دیگر ممالک میں یہ فلمیں طوائفوں کے تعاون سے بنائی جاتی ہیں جبکہ پاکستان میں ان فلموں کے اداکار معزز خاندانوں" سے تعلق رکھتے ہیں ہالہ فادرتی کیس اور سول ہسپتال کی نرسوں کا کیس اس کا بین ثبوت ہے۔

ان بلیو پرنٹ فلموں کے علاوہ عریاں فوٹو گراف بھی بدامنی پھیلانے کا بڑا محرک ہیں جن کے لاکھوں کی تعداد میں البم تیار کیے جاتے ہیں اور انہیں بازاروں' ہوٹلوں' مدرسوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں تک پھیلایا جاتا ہے۔ ایسے فوٹو گراف کے مضر اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے امیل پوویسی اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

> "یہ گندے فوٹو گراف لوگوں کے حواس میں شدید ہیجان واختلاف برپا کرتے ہیں اور اپنے بدقسمت خریداروں کو ایسے جرائم پر اکساتے ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بہت سے مدرسے اور کالج انہی کی بدولت تباہ ہو چکے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کیلئے تو کوئی چیز اس سے زیادہ غارت گر نہیں ہو سکتی۔"

(مودودی ابوالاعلیٰ' تنقیحات' لاہور' اسلامک پبلیکیشنز' ص: ۸۵)

علاوہ ازیں موجودہ ذرائع ابلاغ فحاشی وعریانی' بے حیائی' رقص وسرود رغبت زنا' حرص وہوا' قتل وغارت' معاشی استحصال' بے راہروی اور مخرب الاخلاق ہر برائی کی علامت بن چکے ہیں۔ ڈش کلچر' ریڈیو' ٹی وی دن رات عشقیہ گانے اور ڈرامے دکھا کر نسل نو کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے یہ ذرائع ابلاغ عشق ومحبت کی تربیت کے ادارے ہیں جنہیں Love Training Centers کے نام سے ہی موسوم کیا جاسکتا ہے۔

۲۸۔ <u>معاشرتی انحطاط</u>: آج معاشرہ انحطاط کی وجہ سے امن عالم بدامنی کی حدوں کو چھو رہا ہے اور یہ انحطاط اندر ہی اندر کسی بھی معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ رہا ہے۔ صدیوں پرانی مقدس روایات جو روحانی اور دینی اقدار پر مشتمل تھیں ایک ایک کر کے ناپید ہوتی جاری ہیں۔ مادہ پرستی اور ہوس زر کی گرفت ہر

لحہ مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ مادی اقدار اور شیطانی خصائص کے غلبے کی وجہ سے معاشرہ اعلیٰ انسانی اقدار سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ غربت وافلاس' کم علمی وجہالت' ظلم واستحصال کے مناظر دیکھ کر بھی دلوں میں رحم دلی' محبت واخوت اور ایثار وقربانی کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ سیاسی میدان میں اصول پرستی کی بجائے خود غرضی اور ذاتی مفادات کو مقدم جانا گیا۔ جس کے نتیجے میں بد عنوانیوں' بے ضابطگیوں اور غلط بخششوں کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر چل پڑا ہے۔ علاقائی' لسانی' نسلی وگروہی اور فرقہ وارانہ تعصبات نے وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہم اپنے مشترکہ دشمن سے برسر پیکار ہونے کی بجائے آپس میں ہی دست وگریباں ہو گئے ہیں۔ ایسے میں سنجیدہ اور حساس طبقہ خصوصاً نوجوان ذہنی کرب میں مبتلا ہیں۔

قوم عاد وثمود اپنے تکبر وتفاخر کے باعث' قوم لوط اپنی شہوانی بے راہ روی کے باعث اور قوم شعیب اپنی تاجرانہ بد معاملگی کے باعث ہلاک ہوئیں لیکن یہ اس لئے ہوا کہ اس میں پائے جانے والے اخلاقی عوارض ومفاسد انفرادی سطح سے اٹھ کر اجتماعی صورت اختیار کر گئے تھے۔ گویا قرآن مجید میں بیان کئے گئے "احسن القصص" پر غور وتدبر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جب کوئی برائی قوم کے پورے جسد میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کا ارتکاب اجتماعی سطح پر ہونے لگتا ہے تو پھر اس قوم کو خدا کے غضب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

معاشرتی انحطاط کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب ونقائص کے لئے خود کو بری الذمہ ٹھہراتے ہیں اور ذمہ داری دوسروں کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں۔ گویا ہم اپنے ذاتی محاسبے کی بجائے دوسروں کو ہدف تنقید وملامت بناتے ہیں جس سے ہمارا معاشرتی بگاڑ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ

معاشرے میں مخالفت ور قابت اور تناؤ کی کیفیت بھی بڑھ رہی ہے۔

۲۹۔ قول و فعل میں تضاد: آج بدامنی بگاڑ و گر لوٹ کی ایک وجہ ہمارے قول و فعل میں تضاد کا پایا جانا بھی ہے۔ ہم زبان سے کچھ کہتے ہیں اور ہمارا عمل اس سے مختلف ہوتا ہے۔ ہماری زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور۔ اس لئے ہمارا معاشرہ منافقت اور دوغلے پن کا شکار ہو چکا ہے۔ ہمارے ہاں تقریروں اور بیانوں پر زور ہے جبکہ عمل کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔	(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم وہ بات کیوں کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے)

(الصف: ۲۔۳)

۳۰۔ رشوت اور سفارش: اللہ رب العزت نے اس کائنات ارضی میں انسان کی تمام ضروریات کا انتظام کر رکھا ہے اسے اجازت دے رکھی ہے کہ اس دنیا میں رہ کر اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ہر چیز سے استفادہ کرے لیکن بعض اوقات جب وہ کسی چیز کا قانونی اور اخلاقی طور پر حقدار نہیں ہوتا تو وہ اسے حاصل کرنے کیلئے رشوت اور سفارش کا سہارا لیتا ہے جو کہ کسی ناجائز چیز کو حاصل کرنے کیلئے ناجائز ذریعہ ہے۔ ان میں سے رشوت زیادہ عام ہے۔

رشوت ایک ایسی معاشرتی برائی ہے جو اُم الامراض ہے اور بے شمار مسائل پیدا کرتی ہے۔ رشوت خور کو ہر آدمی آسامی (گاہک) نظر آتا ہے اور رشوت دینے والے کو ہر شخص بھوکا اور شکاری نظر آتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہر آدمی بکاؤ ہے۔ اس سے جذبات فنا ہو جاتے ہیں۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تعلق چھوٹ

جاتے ہیں اور سوسائٹی کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور انسانیت وحیوانیت کے درمیان ایک دھندلا سا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ان کی نگاہیں بے لگام' زبانیں جھوٹی' فکر آوارہ اور سوچ پراگندہ ہوتی ہے۔

رشوت اور سفارش نے منافقت' جھوٹ' دشمنی' بے ضمیری' خودپسندی اور خود غرضی جیسی قبیح برائیوں کو جنم دیا ہے۔ اس سے آج کا نوجوان بددل ہوگیا ہے وہ سمجھنے لگا ہے کہ محنت کی بجائے تعلقات اور سرمائے کا ہونا ضروری ہے تب ہی وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

ایک دن حضور اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جو بندہ حرام کا ایک لقمہ اپنے پیٹ میں ڈال لیتا ہے تو اس سے چالیس یوم تک اس کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا"

آج ہماری حالت ایسے ہوگئی ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

"لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے جب ایک شخص بالکل اس کا خیال نہ کرے گا کہ یہ چیز اس کو حلال طریقے سے ملی ہے یا حرام سے"

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے سعد! اپنا کھانا پاک اور حلال بنالو مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔"

ایک اور حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

الراشي والمرتشي في النار (رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں)

۲۱۔ نسل نو اور جرائم: آج قتل و غارت' چوری ڈکیتی' زناکاری' گینگ ریپ' دھوکہ دہی' اغوا اور غنڈہ گردی جیسے واقعات سے ہمارے قومی اخبارات روزانہ بھرے ہوتے ہیں۔ ان میں ملوث بہت بڑی تعداد نوجوانوں پر مشتمل ہے جو مختلف جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسے جرائم میں ملوث ہونے کے کئی اسباب ہیں۔

۱۔ نسل نو کے جرائم میں ملوث ہونے کی سب سے بڑی وجہ غربت وافلاس ہے۔ ایک نوجوان جب اپنے اردگرد امارت کے جزیرے دیکھتا ہے تو اس کے دل میں بھی ایسی خواہش پیدا ہوتی ہے مگر اسے غربت وافلاس کی وجہ سے تکمیل ممکن نظر نہیں آتی۔ لہذا وہ جرائم کی راہ پر چل پڑتا ہے اور یوں ناجائز طریقے سے دولت حاصل کر کے اپنے جذبہ کو تسکین پہنچاتا ہے۔

۲۔ اسی طرح نوجوان لڑکیاں بھی غربت کی وجہ سے جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتی ہیں جن میں عصمت فروشی عام ہے۔

۳۔ بے روزگاری بھی جرائم کا ارتکاب کرواتی ہے۔ ہمارے ہاں حصولِ روزگار میں گوناگوں مشکلات درپیش ہیں۔ ہمارے غلط سسٹم کی وجہ سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ رشوت' سفارش اور اثر ورسوخ کے بغیر ملازمت کا حصول انتہائی مشکل ہے۔ ایسے حالات سے مایوس ہو کر کئی نوجوان جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

۴۔ صلہ رحمی اور عفو و درگزر جیسے اوصاف کے فقدان کی بدولت بھی سماجی ومعاشرتی برائیوں اور جرائم وبدامنی کی تعداد میں حیرت

انگیز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ قوت برداشت میں کمی کی وجہ سے نوجوان فوراً منفی رد عمل کا اظہار کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جرائم کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

۵۔ بدامنی اور جرائم کی طرف راغب ہونے کی ایک وجہ تحلیل نفس اور جذباتی محرکات بھی ہیں۔ کمال احمد رضوی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"بچپن کے بعض تجربات و واقعات ایسے گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جو بڑھتی ہوئی شخصیت کو مایوسی اور جذباتی ہیجان کی وجہ سے مفلوج بنا دیتے ہیں۔ انہیں غیر متمدن اور باغیانہ چال چلن کی طرف لے جاتے ہیں۔ جذبات کی ایسی کشمکش خاندان کی پیدا کردہ ہو یا خود پیدا کردہ یہ ضرور ہے کہ مجرم نوجوانوں کے حالات گردوپیش کے غیر مجرم نوجوانوں کی نسبت زیادہ پر پیچ اور خطرناک دیکھے گئے ہیں" (کمال احمد رضوی 'بچوں میں جرائم پسندی اسباب وسدباب' لاہور انجمن حمایت اسلام پریس' ۱۹۶۳ء' ص: ۱۸۱)

۶۔ جدید اسلحہ کی آسانی سے دستیابی اور غیر قانونی کاروبار بھی نسل نو کو جرائم و بدامنی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ خصوصاً جہاد افغانستان کے بعد قبائلی علاقوں میں جدید ترین اسلحہ آسانی سے مل رہا ہے اور ان علاقوں سے سمگلنگ کے ذریعے ملک کے کونے کونے میں پہنچ رہا ہے جس نے مجرموں کے گروہوں کو تقویت دی ہے۔

۳۲۔ بری صحبت برے نتائج: کسی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ

A man is known by the company he keeps

(انسان اپنے دوستوں کی صحبت سے پہنچانا جاتا ہے)

بری صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے کبھی نوجوان مختلف چھوٹے

برائے جرائم کرتے کرتے جرم اور بدامنی کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔

انعام الرحمٰن سحری نے اپنی کتاب میں عورتوں کی جرائم کی طرف راغب ہونے کی جو وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جان بوجھ کر یا انجانے میں کوئی لڑکی کسی ستم کا شکار ہو گئی یا عزت داغدار کروا بیٹھی تو ہمدردی اور اصلاح کی بجائے غیرت ووقار کی دیوار کو مزید اونچا کیا جاتا ہے اور اسے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے جس سے وہ مستقل انہی راہوں پر چل نکلتی ہے۔

ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ عورتیں تو شریف ہیں مگر ان کے مردوں میں اخلاقی برائیاں انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ خاوند بھائی 'باپ' بیٹے الگ الگ برائی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ ایسے میں ناکردہ اور حساس عورتوں کو بھی ملوث کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ جس کی بدولت وہ خواتین اپنی عزت پر ندامت یا گناہ کا داغ لگنے کی بجائے قاتلہ بن گئیں یا خودکشی کر بیٹھیں۔

جرائم اور گرفتاری سے متعلق خواتین کیلئے قوانین میں مخصوص طریقہ کار اور لائحہ عمل ہیں۔ جنھیں ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا۔ تلاشی اور تفتیش وغیرہ کے وقت اخلاقی ودینی اقدار کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ پاکستان سمیت کئی ممالک میں لڑکیوں کیلئے سنگین جرائم خصوصاً سمگلنگ وغیرہ کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔

عورت اگر جرم میں براہ راست ملوث نہ ہو تو وہ ایسی حرکات ضرور کر جاتی ہے جس سے جرم وقوع پذیر ہوتا ہے۔ مثلاً عصمت کی داغداری' نامساعد گھریلو حالات میں جھگڑا' عورتوں کو چھیڑ چھاڑ کرنے پر ورثاء کو بڑھا چڑھا کر بتانا۔ ایسے میں تشدد' بدامنی اور قتل وغارت ہوتے ہیں۔

(سحری 'انعام الرحمٰن' عورت جرائم کی کس دلدل میں'
فیصل آباد ۷ ۱۵ 'گلبرگ' ص : ۴۴)

۴۳۔ موجودہ جیلی نظام : موجودہ جیلی نظام کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ بجائے اس کے کہ مجرم جیل سے باہر نکل کر اور رہائی حاصل کر کے جرائم سے توبہ کریں وہ جرائم کی مہارت حاصل کر کے دوبارہ اور زیادہ منظم طریقے سے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیلوں میں آج بھی ایسے افراد موجود ہیں جو جیلوں میں بھی اپنی فنی مہارت کی داد حاصل کرتے ہیں اور وہاں بھی انھیں استاد جی کہہ کر ہی عزت سے مخاطب کیا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر نئے آنے والے ملزم کو ایک ٹرینڈ اور ذہین مجرم بنا کر ہی باہر نکالتے ہیں۔ نہ صرف اسے واردات کے نت نئے طریقے بتاتے ہیں بلکہ اسے قانون کی نظروں سے بچنے کے بھی تمام گر سکھا دیتے ہیں۔

عنایت اللہ جو خود مجرم تھے اور جیل دیکھ چکے ہیں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے جیل خانے اور حوالات کسی ایسے ہسپتال سے ملتے جلتے ہیں جس کے وارڈوں میں تمام نوع کے مریض ایک ہی جگہ رکھے گئے ہوں۔ وق کے مریض' جلدی امراض کے مریض' آتشک وسوزاک کے مریض' انفلوئنزا کے مریض اور زخم وچوٹ کے مریضوں کو بھی انہی مریضوں میں رکھا ہوا ہے۔ جیل میں صرف عادی مجرم نہیں ہوتے بلکہ وہاں ایسے بھی ہوتے ہیں جو میری طرح پہلی بار قید ہوتے ہیں۔ جنھیں اتفاقیہ "First offenders" کہا جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ چوری چکاری میں قید ہوتے ہیں۔ ان میں سے میں نے ایسے بھی دیکھے جنھیں صرف سزا ملی تھی جبکہ خطا کا

انھیں علم تک نہ تھا۔ میرے سامنے سوسائٹی کی لغزشوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ ان میں سوسائٹی کی لغزشیں بھی تھیں، فرد کی بھی تھیں اور ایسی لغزشیں بھی تھیں جن کا ذمہ دار کوئی او تھا مگر تھوپی کسی اور کے سر پر گئی تھیں" (عنایت اللہ، عذاب قبر سے میدان حشر تک، ص: ۲۰۔۲۱)

۳۴۔ سیاسی تنظیموں کی کارستانیاں: آج سیاسی جماعتوں میں ایسی بھی ہیں جو اپنے مخصوص سیاسی اغراض و مفادات کے حصول کیلئے جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرتی ہیں۔ نوجوانوں کو اپنا آلہ کار بنا کر ان سے مختلف جرائم کروائے جاتے ہیں اور بدامنی و سیاسی انتشار پیدا کرنے کیلئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس طرح نوجوان جرائم اور بدامنی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

۳۵۔ حصول انصاف میں تاخیر: انصاف کے حصول میں تاخیر بدامنی اور جرائم میں اضافے کا موجب بنتے ہیں۔ اگر فیصلے بروقت ہوں تو مجرموں کو فوراً سزا دے دی جائے تو ان سزا یافتہ افراد کو دیکھ کر بہت سے نئے جرائم پیشہ افراد کو عبرت ہو جاتی ہے اور وہ جرائم سے توبہ کر لیتے ہیں۔

جرائم میں روز افزوں اضافہ حکام کیلئے باعث تشویش بنتا جا رہا ہے ان کی روک تھام کیلئے مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں۔ جرائم کے یوں تو کئی نفسیاتی، معاشرتی اور اقتصادی محرکات ہوتے ہیں۔ مگر تحقیق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ کثیر تعداد میں سرزد ہونے والے جرائم میں بے انصافی ہی ایک طاقتور محرک ہے۔

نفسیاتی، معاشرتی اور معاشی بے انصافیاں جب انتہا کو پہنچ جاتی ہیں تو انسان راہ فرار حاصل کرنے کیلئے یا انصاف حاصل کرنے کیلئے جرائم کا سہارا لیتا ہے جو اسے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پہنچا دیتے ہیں اور بعض اوقات تختہ دار

پر بھی لا کھڑا کر دیتے ہیں۔

پاکستان کی چھوٹی بڑی عدالتوں میں سالہا سال تک مقدمات جاری رہتے ہیں۔ ان مقدمات میں قتل، ڈکیتی، چوری، راہ زنی اور اغوا کے مقدمات کی تعداد لاکھوں میں ہے۔

۵ "ایک طالب علم تین سال تک جیل کی سلاخوں میں بند رہا۔ اس کے بعد عدالت نے اسے بے گناہ قرار دے دیا۔ نوجوان ملزم بری ہوا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے عدالت اور عدالت میں موجود قانون دانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تین سال جو کربناک عرصہ جیل کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے گزارا ہے کیا اس ملک کا قانون اس عرصے کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک پل کی اذیت کا کفارہ ادا کر سکتا ہے؟ میری تعلیم کے تین قیمتی سال ضائع ہو گئے۔ میرے دامن پر جیل کا بدنما داغ لگ گیا۔ میں کس سے کہوں اور کس سے فریاد کروں کہ قانون ہی میرا مجرم ہے۔"

قانون کے طالب علم ہونے کے ناطے ایسے واقعات میری دلچسپی کا باعث ہیں۔ اسی مذکورہ اخبار میں پڑھا کہ ایک مقدمہ میں مدعیہ فوت ہو گئی۔ گواہ بھی چل بسا اور تفتیشی افسر ملک چھوڑ کر دوسرے ملک چلا گیا مگر مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ استغاثہ کے ایک گواہ کو پچاس بار عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ ایک شخص گھر خالی کروانے کیلئے پینتیس (۳۵) سال سے مقدمہ لڑ رہا ہے۔ اس اذیت ناک طوالت سے پریشان ہو کر مدعی فریق نے مقدمے کی پیروی کرنا چھوڑ دی ہے۔ اس کا موقف ہے کہ مکان نہایت شکستہ ہو چکا ہے جب گر جائے گا تو خود ہی خالی ہو جائے گا۔ ایک مقدمے کے بارے میں لکھا ہے:

"ب ــــ اوریوں بھیانک قتل کے اس مقدمے کی ابتدائی سماعت پرچہ درج ہونے کے چار سال بعد شروع ہوئی اور ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔ تیرہ سال کے اس طویل عرصہ میں قتل کا یہ مقدمہ پانچ عدالتوں میں منتقل ہوا اور ایک سو تیس تاریخیں پڑیں۔ مقدمے کی مدعیہ (مقتول کی بہن) فوت ہو گئیں۔ ایک اہم گواہ جس نے مقتول کو قاتلوں کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ بیمار پڑا اور اللہ کو پیارا ہو گیا۔"

۳۶۔ طبقاتی تعلیم: پاکستان کی نئی نسل کو درپیش مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ تعلیم کا طبقوں میں منقسم ہونا ہے۔ غریب اور امیر طبقوں کیلئے علیحدہ علیحدہ سکول کالجز بنائے گئے ہیں۔ ان اداروں کا نصاف اور ذریعہ تعلیم بھی مختلف ہیں۔

پھر اصل مسئلہ جو بدامنی کا باعث بنتا ہے یہ ہے کہ جب سرکاری ملازمت اور اعلیٰ عہدوں پر تقرری کیلئے امتحانات اور انٹرویوز ہوتے ہیں وہ انگریزی میں ہوتے ہیں۔ غریب اور متوسط طبقہ کے طلبہ جنھوں نے اپنی تعلیم اور میڈیم سکولز اور کالجز میں حاصل کی ہوتی ہے وہ اپنی کمزور انگریزی کی وجہ سے ناکام ہو جاتے ہیں جبکہ انگلش میڈیم میں تعلیم حاصل کرنے والے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی بیوروکریسی اور کلیدی آسامیوں پر نگاہ ڈالیں تو یہی لوگ فائز ہیں جنھوں نے انگلش میڈیم اداروں اور مخصوص ماحول میں تعلیم حاصل کی ہوتی ہے۔ مثلاً سی ایس ایس، پی سی ایس، افواج پاکستان کے کمیشن فضائیہ اور بحریہ کے امتحانات بھی سوائے انگریزی کے ٹسٹ کے اور کچھ نہیں ہیں۔ بعض اوقات زیادہ علم ہونے کے باوجود محض انگریزی اچھی نہ ہونے کی وجہ سے باصلاحیت اور لائق طلبہ تحریری اور زبانی امتحانات میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

عام کالجز کے طلبہ کو اس وقت بڑی مشکل پیش آتی ہے جب میٹرک

تک اردو ذریعہ تعلیم کے بعد ایف ایس سی انگلش میں مضامین پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ کئی لائق اور ہونہار طلبہ اس موقعہ پر ناکام ہو جاتے ہیں۔ احساس کمتری اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ طلبہ بڑے ارمانوں' تمناؤں اور خوابوں کے ساتھ میٹرک کے بعد ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے خواب دیکھتے ہیں لیکن انگلش کی وجہ سے فیل ہو جاتے ہیں اور جو پاس بھی ہوتے ہیں وہ کم نمبر لیتے ہیں وہ یا تو تعلیم چھوڑ دیتے ہیں یا احساس کمتری کے ساتھ کسی اور شعبہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

چند سال پہلے حکومت نے تعلیمی اداروں میں "سیلف فنانس سکیم" کے تحت ایک پروگرام پیش کیا ہے جس کے تحت کم نمبر والے طلبہ اس سکیم کے لئے مخصوص نشستوں پر ایک کثیر رقم کے ذریعے داخلہ لیتے ہیں۔ اس سکیم کو شروع کرنے سے بھی پاکستان میں طبقاتی تعلیم کو فروغ ملا ہے اور طلبہ کو یہ باور کرلیا جارہا ہے کہ اصل چیز معاشی حیثیت ہے۔ طالب علم کا لائق ہونا اور اعلیٰ نمبر لینا کافی نہیں ہے۔ اس رشوت کی جدید ترین شکل کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

۷ ۳۔ تعدد ازدواج پر پابندی: تعدد ازدواج پر پابندی بھی بدامنی اور جرائم کا محرک بنتی ہے۔ کیونکہ حالات ایسے ہو سکتے ہیں کہ ایک بیوی سے نکاح کا مقصد پورا نہ ہو سکے اگر ایک عورت سے اولاد کی توقع نہیں ہے یا مرد کے جنسی جذبات اس قدر زیادہ ہیں کہ ایک عورت سے اس کی تسکین نہیں ہوتی تو پہلی صورت میں صرف اس وجہ سے کہ اس کے گھر اولاد نہ ہوگی اسے بے سہارا چھوڑ دینا اور طلاق دے دینا بے رحمی ہوگی مگر دوسری شادی کی اجازت نہ دینا یا اس پر کسی قسم کی پابندی لگانا ناانصافی ہے۔ اگر مرد جنسی تسکین کے لئے غلط راستہ اختیار کرے تو اس سے بہتر ہے کہ اسے شادی کی اجازت دے دی جائے۔

سید جمیل واسطی لکھتے ہیں:

"دراصل اسلام نے زنا کو روکنے کیلئے ہی تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے اور خداوند قدوس نے سورۃ النساء آیت نمبر ۳ میں دو دو تین تین یا چار چار عورتوں سے شادی کی اجازت حالات کے پیش نظر اور پھر ان میں عدل کی شرط لگا کر انسانیت پر خصوصاً عورتوں پر احسان عظیم کیا ہے (واسطی سید جمیل 'اسلامی روایات کا تحفظ' ص :۶۵)

۳۸۔باہمی کشمکش اور انقلابات :آج ساری دنیا بدامنی اور پریشانی کا شکار ہے۔انسانی مسائل میں گتھیوں پر گتھیاں پڑتی جارہی ہیں۔ اصلاح اور سدھار کے جو طریقے اختیار کئے جارہے ہیں وہ الٹا بگاڑ کا باعث بن رہے ہیں۔ کسی کو چین اور سکون حاصل نہیں۔ایک دائمی بے اطمینانی ہے جو سب پر مسلط ہے۔ایک جنگ ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری کا ہوا سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ جھگڑوں' خونریزیوں 'انقلابات اور باہمی کشمکش نے دینا کا سکون بالکل غارت کردیا ہے یہ کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے۔ کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔انسان کا علم بہت بڑھ چکا ہے وہ بڑے بڑے خوش نما فلسفے گھڑتا ہے۔بڑی دل فریب سکیمیں بناتا ہے۔امن وانسانیت آزادی' وفلاح عالم پر بڑی جادوبیانی کے ساتھ لیکچروں پر لیکچر دیتا ہے۔ لیکن ان سب کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ دنیا کو دھوکا دے اور لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اپنا الو سیدھا کرے۔

۳۹۔متفقہ نصب العین کا فقدان :دنیا انسانیت کے پاس کوئی ایسا اقتدار نہیں ہے جو کوئی واضح لائحہ عمل اور مقاصد دے سکے تو پھر ایسا اقتدار نہیں جسے سب مل کر تسلیم کرسکیں جو انسانیت کے شیرازے کو مجتمع رکھنے کا باعث ہو۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں تصادم اور کشمکش کا ایک طوفان برپا ہے اور کوئی روکنے والا نہیں۔نہ کوئی کسی کی سنتا ہے' یہ سب سے بڑی گتھی ہے جس کے حل ہونے

پر دوسری گتھیوں کے سلجھنے کا دارومدار ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس گتھی کو انتہائی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے کہ تمام کائنات کا خالق' مالک' رازق اور پالن ہار صرف اللہ ہی ہے انہیں جسمانی' ذہنی' روحانی ہر قسم کی قوت بخشنے والا صرف اللہ ہے۔ الحمد للہ رب العالمین "شکر و ستائش اللہ کیلئے۔ ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے"

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس	کہہ دیجئے میں پناہ چاہتا ہوں تمام انسانوں
مَلِکِ النَّاس اِلٰهِ النَّاسِ	کے پروردگار کی۔ تمام انسانوں کے
	بادشاہ کی اور تمام انسانوں کے معبود کی)

۴۰۔ کتاب اللہ کی بے حرمتی: آج امت مسلمہ کتاب اللہ کو جلا رہی ہے اسے فروخت کیا جا رہا ہے اس سے جادو تعویز اور فال نکالنے کا کام لیتے ہیں۔ اس طرح کتاب مقدس کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ اس سے دنیا میں بدامنی پھیل رہی ہے۔

۴۱۔ فکر آخرت کا فقدان: یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو یہاں بوئے گا وہی کل قیامت کو کاٹے گا۔ مگر افسوس آج کی دنیا کو فکر آخرت کا سبق یاد نہیں رہا۔ اس لئے دنیا بدامنی کا شکار ہو رہی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ دنیا میں ذرہ برابر خیر و شر اور برائی و بھلائی کا اجر دیا جائے گا۔ اس غرض کیلئے آپؐ نے وہ دلائل و براہین پیش کئے جو انسان کے دل میں آخرت کا یقین پیدا کر سکیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ دنیا کی نعمتیں چندروزہ ہیں معمولی ہیں ناپائیدار ہیں۔ پھر بھی بہت کم انسانوں کو ملتی ہیں جب کہ آخرت کی نعمتیں دائمی اور پائیدار ہیں' عظیم ہیں اور ہر انسان کو ملیں گی' جو ان کیلئے ایمانداری و اخلاق کی راہ اختیار کرے۔

۴۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فقدان: آج نیکی کیلئے نہیں

کہا جاتا ہے اور نہ ہی برائی سے روکا جاتا ہے۔اس لئے دنیابد امنی کا شکار ہے جبکہ رسول خدا کا حکم ہے۔

"برائی کو سختی سے منع کرو کہ زبان سے روکو اور دل میں برا جانو' آخری بات کمزور ترین ایمان کی صفت سے ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں اس جماعت کی اجتماعی جدوجہد کے نتیجے کے طور پر وہ نظام حق عملاً قائم ہو گیا جو آپ ﷺ لے کر آئے تھے۔آپ ﷺ کے خلفائے راشدین نے اسے عمدگی کے ساتھ چلا کر اور دنیا پر اسے غالب و با قتدار کر کے دکھادیا۔"

۴۳۔**خوشامد پسندی کے رجحانات**: آج کی دنیا خوشامد پسندی کی دلدادہ ہو گئی اس لئے ذلیل اور بد امنی کا شکار ہے جبکہ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ :

"اگر کوئی شخص تمہارے منہ پر تمہاری تعریف کرے تو اسے تھپڑ مارو" خوشامد سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور آج یہ موثر ہتھیار سمجھا جاتا ہے۔اسی لئے دنیا بد امنی کا شکار ہے۔

۴۴۔**گروہی فرقے اور مسلک کا پرچار**: آج دنیا مختلف گروہی فرقوں میں بٹ چکی ہے۔ہر کوئی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر بیٹھا ہوا ہے۔اور اپنے مسلک کے پرچار کرنے میں مصروف عمل ہے۔اسی لئے بد امنی کا دور دورہ ہے۔آج اہل حدیث' اہل سنت' دیوبندی' شافعی' حنبلی' مالکی' وہابی' بریلوی' شیعہ اسماعیلی وہابی کی اصطلاحیں مستعمل ہیں۔اس طرح کے کئی مسالک اور نظریات ہیں۔ہر ایک کی اپنی دینا اور اپنی شریعت ہے۔پہلا دوسرے کو کافر کہتا ہے تو دوسرا پہلے کو کافر کہہ دیتا ہے۔اس طرح باہمی جھگڑے قتل و غارت گری تک جا پہنچے ہیں اور دنیا بد امنی کا شکار رہتی ہے۔

۴۵۔**خلافت و شورائیت کا خاتمہ**: حضور اکرم ﷺ کسی بھی معاملہ کے

بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمالیا کرتے ہیں اور معقول مشورہ پر عمل فرماتے تھے۔اب دنیامیں نہ صرف خلافت کی جگہ جمہوریت، سرمایہ دارانہ نظام اشتراکیت نے لے لی ہے بلکہ شورایت کا خاتمہ بھی ہو گیا ہے۔ڈکٹیٹر شپ رائج ہے۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا اصول کارفرما ہے۔جمہوریت جس کے بارے میں حکیم الامت حضرت اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا

اور پھر فرمایا کہ :

سو گدھے مل کر ایک انسان پیدا نہیں کر سکتے۔آج جمہوریت کے نام پر ہر طرح کا ظلم کیا جارہا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔اس لئے بدامنی پھیلتی جارہی ہے۔

۴۶۔ عجز وانکساری کا فقدان : آج لوگوں میں فرعونیت زیادہ آگئی ہے اور عجزوانکساری کا فقدان ہے۔اسی لئے دنیابدامنی کا شکار ہے۔اللہ کے بندوں کی شان تو یہ ہے کہ وہ زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے بلکہ عجزوانکساری سے رہتے ہیں۔اسلام میں توسید القوم خادمهم (قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے)

۴۷۔ حفظ مراتب کا فقدان : آج کی دنیامیں حفظ مراتب کا خاتمہ ہو گیا ہے ۔چھوٹوں کی بڑوں کی تمیز اور عزت واحترام ختم ہو گیا ہے۔جہاں تک کہ انبیاء علیہ السلام کے مراتب کو بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا۔اس لئے بدامنی عام ہے۔جبکہ ارشادباری تعالی ہے :

”تیرا رب زمین اور آسمانوں کی مخلوقات کو زیادہ جانتا ہے۔ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیے اور ہم نے ہی داؤد کو زبور

دی تھی" (بنی اسرائیل ۱۵: ۵۵)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"بخلاف اس یک جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں۔ ان کو ہم ضرور ان کے اجر عطا کریں گے اور اللہ بڑا درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے" (النساء ۶ : ۱۵۲)

۴۸۔ جھوٹی شہادتیں: آج بدامنی کی بڑی وجہ جھوٹی شہادتیں ہیں۔ لوگ پیسے لے کر جھوٹی گواہیاں دے دیتے ہیں۔ جس سے حصول انصاف میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں تو ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ بلکہ ان کیلئے تو سخت دردناک سزا ہے۔" (سورہ آل عمران ۳ : ۷۷)

سورہ احزاب میں یوں ارشاد فرمایا:

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی" (الاحزاب ۲۲ : ۷۰۔۷۱)

۴۹۔ انسانی خون کی ارزانی: آج کے دور میں یوں لگتا ہے کہ انسانی خون سے زیادہ ارزاں کوئی چیز نہیں ہے۔ آج لسانی تعصب' مذہبی فرقہ واریت' سیاسی اختلافات اور خاندانی جھگڑوں کی بنیاد پر انسانوں کا خون کیا جاتا ہے اور یہ فعل ہمہ گیر شکل اختیار کر گیا ہے۔

مسلمان نماز باجماعت کی حالت میں مساجد میں قتل ہوتے ہیں۔ کسب رزق کیلئے فرائض انجام دیتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ تعلیمی اداروں سے طلبہ کی لاشیں نکلتی ہیں اور نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ کوئی شخص اپنی چاردیواری میں بھی محفوظ نہیں۔ دن دیہاڑے ڈاکو گھر میں داخل ہوتے ہیں مال بھی لوٹتے ہیں اور ساتھ مستقبل کے خطرے سے بچنے کیلئے انسانی جان کو قتل کر دیتے ہیں۔ غرض ہر طرف بے چینی اور بدامنی ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟ قرآن پاک نے انسانی جان کو محترم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ (بنی اسرائیل : ۷۰) (ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم دی)

پھر ارشاد فرمایا :

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (بنی اسرائیل : ۳۳)	(قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا :

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خلدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیما (النساء : ۹۳)	(جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کیلئے عذاب عظیم مہیا کر رکھا ہے۔)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"کسی مسلمان کا خون بہانا حلال نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے۔ شادی شدہ ہو زنا کرے، کسی کو قتل

کرے ' اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے " (بخاری و مسلم)

۵۰۔ **فعل قوم لوط۔ ایڈز**: یہ عصر حاضر کا ایک گھمبیر مسئلہ ہے جس کے متعلق مغرب کے دو محققین رابرٹ کا کولور مارک جیر اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ

"اگر یہ وائرس متعدی مضر کا روپ دھار گیا تو تمام بنی نوع انسان کے صفحہ ہستی سے مٹ جانے کا امکان ہو جائے گا۔"

داستان قوم لوط اور شہر سدوم جو آج بحیرہ مردار میں غرق ہے اس عبرت ناک تباہی کا بنیادی سبب ایڈز تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس فعل بد سے آفریں کا اندازہ اس وقت معلوم نہ تھا مگر آج فرزندان مغرب اس سے حوالی آشنا ہونے کے باوجود اس فعل بد کے رسیا ہیں۔ برطانیہ لور یورپ کے کئی ممالک میں اسے قانونی حیثیت حاصل ہے جبکہ کئی ممالک میں سے "مذہبی تقدس" اور سند حاصل ہو گئی ہے۔

"بازار حسن" کا تصور اب تک عورت طوائف سے وابستہ تھا اب مرد طوائف سے بھی وابستہ ہو گیا۔ برطانیہ 'امریکہ 'سوڈان 'ڈنمارک 'فرانس اور دیگر ممالک میں ایسے بازار اور کلب قائم ہو گئے ہیں جہاں سے "مرد طوائف" آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے۔

یہ مرض صرف یورپ ہی میں نہیں ہے ہندوستان اور پاکستان بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W.H.O) کے مطابق پاکستان اور پڑوسی ممالک میں خارجی طور پر تولنڈا بازار لور بیرونی سیاح اسے لے کر آرہے ہیں اور اندرونی طور پر منشیات کے اڈے اور نشے کے ساتھ ساتھ لڑکوں اور ہم جنس پرستوں سے شغف یعنی اغلام' معاون اور مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ہوٹلوں اور خاص طور پر گلی محلوں میں ہوٹلوں کے بیرے '

تیل مالشئے کارخانوں اور سیکٹریوں کے مزدور گھریلو ملازمین، یتیم خانے اور پاگل خانے، بھیک مانگنے والے لڑکے اور خیراتی ادارے، قید خانے، پولیس کے محکمے، فوجی چھاؤنیاں اور بارکیں، سینما گھر، فلم سٹوڈیو۔ فلم ڈسٹری بیوشن کے ادارے، جاگیر دار، زمیندار اور سرمایہ دار کے ملازمین، سکول کالج کے ہوسٹل، پنڈتوں کے آشرم اور دھرم شالائیں، مسجدوں کے حجرے، مذہبی درسگاہیں اور دینی دارالعلوم سبھی اغلام زدہ ہو چکے ہیں۔ صرف یہی نہیں ذرا یہ جملہ بھی پڑھ لیجیے کہ ”بھارت اور پاکستان دونوں ممالک میں اعلیٰ اور درمیانی سوسائٹی کی عورتوں میں بھی ”ہم جنس پرستی“ کی لعنت عام اور مقبول ہوتی جارہی ہے، رپورٹ کے مطابق خاص طور پر لڑکیوں کے ہوسٹلز میں یہ لعنت گھرنے پنجے گاڑ چکی ہے۔“

اس مرض کے تین اہم اسباب ہیں :

۱۔ جنسی بے راہ روی وہم جنس پرستی۔

۲۔ خون یا جسم کے دیگر سیالات مثلاً لعاب دہن کی منتقلی وغیرہ۔

۳۔ نشہ آور ادویہ کا استعمال (خاص طور پر سرنج کے بار بار استعمال سے۔

(رپورٹ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W.H.O) جینوا ۱۹۹۶ء)

قربان جائیں حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس مسئلہ کا حل فرمادیا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ :

”تم میں سے جو بلوغت کو پہنچے اسے چاہیے کہ نکاح کرے“ آپ ﷺ نے نکاح کو ”نصف الایمان قرار دیا“ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب النکاح)

پھر ارشاد فرمایا کہ :

”میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ نکاح میری سنت ہے۔ جس نے

میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

(بخاری شریف کتاب النکاح ص : ۷۶۸ طبع کراچی)

پھر ارشاد فرمایا کہ :

"تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں ان سے اگلی طرف سے صحبت کرو (مقعد میں دخول اور حیض کے وقت پرہیز کرو)"

پھر ارشاد فرمایا :

"اللہ تعالیٰ بیان کرنے سے شرماتا نہیں کہ عورتوں کے پاس ان کی مقعدوں سے نہ آؤ"

پھر ارشاد فرمایا :

"اپنی عورت کے پاس دبر میں آنے والا ملعون ہے"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

"جو شخص اپنی عورت کو پاس دبر سے آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم نہیں کرے گا"

پھر ارشاد فرمایا :

"جو شخص قوم لوط کا سا فعل کرتا ہے وہ ملعون ہے"

حضور اکرم ﷺ نے مزید فرمایا :

"جس کو پاؤ تم عمل کرتا ہے قوم لوط کا سا عمل یعنی لواطت کرتا ہے تو قتل کرو فاعل اور مفعول کو"

(جامع الترمذی ابواب الحدود ص : ۵۵۰)

"اگر حضور اکرم ﷺ نے ان مقدس ارشادات کو عملی طور پر اپنالیا جائے تو نوع انسانی اس ہولناک خطرے سے نجات پاسکتی ہے۔

باب پنجم :

مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزام کا جائزہ

چند ہی سال پہلے کی بات ہے کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں کے خلاف ایک نیا الزام تراشنا شروع کیا اور وہ الزام یہ تھا کہ مسلمان دہشت گرد اور جنگجو ہیں وہ انسانی جانوں سے کھیلتے اور انسانی وسائل تباہ کرتے ہیں۔ میری دانست میں یہ کوئی نیا الزام نہیں بلکہ غیر مسلم دین محمدی ﷺ کے ماننے والوں پر ہمیشہ سے الزام تراشیاں کرتے رہے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے' مسلمان وحشی ہیں۔ بجاو پرست ہیں' تہذیب سے عاری پن اور وہ انسانی جذبات سے بھی محروم ہیں۔ لمتِ مسلمہ کے خلاف دہشت گردی کا الزام اس لئے لگایا جا رہا ہے کہ مغرب اپنے گھناؤنے جرائم پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو بدنام کر کے ان کے قدرتی اور مادی وسائل پر قبضہ کرنے کے درپے ہے۔ تاکہ اپنے ممالک کی بیروزگاری اور معاشی بدحالی پر قابو پاسکے۔

<u>جنگ ایک ناگزیر ضرورت</u> : مستشرکین کا یہ الزام سراسر جہالت اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے کہ اسلام اپنی مستحکم روحانی اقدار کی بجائے زور شمشیر سے پھیلا ہے۔ اسلام نے بلاشبہ جنگ کی اجازت دی ہے مگر جارحیت اور استعماری مقاصد کیلئے ہرگز نہیں! اسلام صرف اس وقت ہتھیار اٹھانے کو جائز قرار دیتا ہے جب اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ اگر آج کے اس نام نہاد مہذب دور میں کسی ملک پر جنگ مسلط کردی جائے اور دشمن طاقت کے نشہ میں حالت امن میں رہنے کیلئے تیار نہ ہو تو کیا دوسرے فریق کو اس کھلی جارحیت کے سامنے خاموش

تماشائی بن کر کھڑے رہنے اور اس جارح قوت کے ہاتھوں اپنی ہی تباہی کا منظر دیکھنے کی تلقین کی جائے گی؟ ہرگز نہیں! ظاہر ہے کہ کوئی بھی باشعور انسان اس جارحیت کو برداشت نہیں کرے گا۔ فریق ثانی نہ صرف ظاہر کو ہتھیار اٹھانے اور ظلم کا مزہ چکھانے کی اجازت نہیں دے گا بلکہ خاموش تماشائی بن کر رہنے کو قومی خودکشی اور ہلاکت قرار دے گا۔

جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام نے کبھی بھی دوسروں کے خلاف جنگ تھوپنے میں پہل نہیں کی بلکہ ہمیشہ اپنے دفاع کیلئے ہتھیار اٹھائے ہیں۔ اس طرح اسلام نے دنیا سے ظلم و استحصال ختم کرنے اور امن عالم قائم کرنے کیلئے جہاد کی اجازت دی ہے اور جہاں یہ مقصد حاصل ہو گیا وہاں اس نے جنگ کی ممانعت کردی اور بے جا انسانی خون بہانا ناقابل معافی جرم قرار دیا۔

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے :

"اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور خدا ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)(۱)

اور پیغمبر اسلام ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا :

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں' یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ جب وہ یہ کہہ دیں گے' تو مجھ سے اپنا خون اور مال بچالیں گے' سوائے حق اسلام کے' اور ان کا حساب خدا کے حوالے ہے"(۲)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ :

"خدا کی قسم! آپ ﷺ نے اپنی ذات کیلئے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا۔ جب خدا کے احکام کی نافرمانی ہوگی' اس وقت صرف اللہ کیلئے انتقامی کاروائی فرماتے ہیں۔"(۳)

مسلمانوں پر دہشت گردی کے اس الزام کا جائزہ' اس وقت تک نہیں لیا جاسکتا جب تک دہشت گردی اور جہاد میں فرق کا جائزہ نہ لیا جائے۔

دہشت گردی اور جہاد میں فرق

اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دہشت گردی (Terrorism) کیا ہے؟ اس کی تعریف کیسے کی جاسکتی ہے' جسے مغرب ایک قبیح اور شنیع حربہ قرار دے رہا ہے۔ اس اصطلاح سے آگاہی حاصل کرنے کا اضافی فائدہ یہ ہوگا کہ ہم انسانی جان ومال کے تحفظ اور عزت وآبرو کے بچاؤ میں دفاعی کوششوں اور دہشت گردی میں فرق کر سکیں گے اور امت مسلمہ کی عالمی امن کیلئے کوشش سے آگاہی حاصل کرلیں گے۔

دہشت گردی: مغرب ومشرق کے دانشور اور لغت نویس دہشت گردی کی کوئی جامع ومانع تعریف تاحال پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی اپنے مقصد کے حصول کیلئے جائز وناجائز ذرائع کے مابین کوئی واضح خطِ امتیاز قائم کر سکے ہیں۔ تاہم دہشت گردی کی چند ایک تعریفیں پیش ہیں۔

۱۔ "حکومت کرنے یا سیاسی اور دوسرے عزائم حاصل کرنے کیلئے منظم طور پر خوف زدہ کرنے کا ایک طریقہ"(۴)

۲۔ دہشت گردی کیلئے بعض اوقات ایذارسانی کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے ۹ دسمبر ۱۹۷۵ء کو منظور کی جانے والی قرارداد میں اس کی تعریف ان الفاظ میں

وضع کی گئی ہے۔

"کسی سرکاری اہل کار یا اس کے ایماء پر کیا جانے والا دہ شدید جسمانی یا ذہنی تشدد "تکلیف یا اذیت پہچانے والا آزادی عمل مراد ہے"(۵)

۳۔ چونکہ عالمی سطح پر دہشت گردی کی کوئی متفقہ تعریف میسر نہیں ہے اس لئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی وزارت داخلہ نے اس موضوع پر شائع کردہ اپنی رپورٹ میں دہشت گردی کی یہ تعریف کی ہے:

The term terrorism means premeditaed policy motivated voilence perpetuated against noncombatant torgets by subenatinal or clandestine agests usuappy in intended to infuence an audience(6)

ان تعریفوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اس عمل میں جسمانی یا ذہنی تشدد شامل ہوتا ہے تاہم مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات عملی تشدد نہیں کیا جاتا بلکہ تشدد کرنے کے حالات پیدا کر کے یا تشدد کرنے کی دھمکی دے کر بھی مقصد براری کی جاتی ہے اور اس سارے عمل میں یہ حقیقت بھی شامل ہوتی ہے کہ تشدد (Veilence) کا مرحلہ اسی وقت آتا ہے جب معمول کے ذرائع ناکام اور جائز وسائل بے کار ثابت ہوں۔

دہشت گردی کی حدود بہت وسیع، اس کے طریقے ان گنت، اس کے اثرات انتہائی تکلیف دہ اور خطرناک اور اس کے نتائج عموماً بھیانک اور غیر انسانی ہوتے ہیں۔ کیونکہ دہشت گردی کا خمیر ہی غیر طبعی اور غیر انسانی امور سے اٹھایا جاتا ہے۔ جب انسانی مصالحانہ جدو جہد ناکام اور مسائل حل کرنے کے جائز انسانی ذرائع ختم ہو جاتے ہیں تو "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق دہشت گردی

کا آغاز ہوتا ہے اور انسانی مشاہدہ بتاتا ہے کہ حقوق کی پامالی' مسائل کی غلط تقسیم' جبری اقتدار اور فقروفاقہ جیسے عوامل دہشت گردی کو فروغ دیتے ہیں۔ جو عالمی امن وسکون کو دنگاد فساد بدامنی اور تخریب کاری میں بدل دیتے ہیں۔

جہاد : سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جہاد کے مفہوم کو بڑے خوبصورت پیرائے میں یوں بیان کیا ہے :

جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینا۔ یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کیلئے تو "قتال" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ مجاہد وہ شخص ہے جو ہر وقت اپنے مقصد کی دھن میں لگا ہو۔

☆ دماغ سے اسی کیلئے تدبیریں سوچے
☆ زبان و قلم سے اسی کی تبلیغ کرے
☆ ہاتھ پاؤں سے اس کیلئے دوڑ دھوپ کرے
☆ اپنے تمام امکانی وسائل اس کو فروغ دینے میں صرف کر دے
☆ ہر اس مزاحمت کا پوری قوت سے مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے حتیٰ کہ جب جان کی بازی لگانے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ اس کا نام "جہاد" اور "جہاد فی سبیل اللہ" یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی رضا کیلئے اور اس غرض کیلئے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس زمین پر قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کا حکم سارے حکموں پر غالب ہو جائے۔ اس کے علاوہ اور کوئی غرض پیش نظر نہ ہو (۷)

جہاد کی شکلیں : سید مودودیؒ کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد نے اپنی کتاب اسلامی نظریہ حیات میں جہاد کی مندرجہ ذیل تین

شکلیں بیان کی ہیں۔

۱۔ داخلی جہاد ۲۔ دعوتی وفکری جہاد ۳۔ مسلح جہاد

۱۔داخلی جہاد :داخلی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ خود اسلامی معاشرے میں جو برائیاں سر اٹھائیں ان کے خلاف جدوجہد کی جائے اور برائیوں کو ختم کر کے نیکیوں کو پروان چڑھایا جائے۔ کیوں کہ یہ اندر کی برائیاں شہادت اسلام کی راہ کی بڑی خطرناک رکاوٹ ہوتی ہیں۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے طویل ارشاد کا ایک حصہ ہے "اس جس نے ان (نافرمان! اللہ ورسول کے حکم کو پس پشت ڈالنے والوں) کے خلاف اپنے ہاتھوں سے جہاد کیا وہ مومن ہے۔ اور جس نے اپنی زبان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اور جس نے اپنے قلب سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہوتا" (مسلم حوالہ مشکوٰۃ) اس حدیث سے یہ دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

(الف) مسلم معاشرہ کے اندر جو برائی اور خلافت بھی پیدا ہوا سے ختم کر دینے کی کوشش "جہاد" ہے۔

(ب) اس کوشش یا "جہاد" کی عملی صورتیں کیا کیا ہو سکتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا ایمانی مرتبہ کیا ہے؟ سب سے افضل صورت تو یہ ہے کہ اس برائی اور خلافت کے خلاف مناسب انداز میں قوت کا استعمال کیا جائے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن اگر اس کا اختیار یا اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر زبان سے اس کی برائی کو واضح کیا جائے۔ برائی اور کھلم کھلا برائی کہا جائے۔ نصیحت کی جائے، سمجھایا جائے، آخرت یاد دلائی جائے، اللہ کی ناراضگی سے ڈرایا جائے، اور جب ان باتوں سے کام نہ چلے تو موقع و محل کے مطابق زجر و تنبیہ بھی کی جائے۔ لیکن اگر اتنی ہمت بھی نہ ہو تو ایسا تو لازماً ہونا چاہیے کہ اس برائی کے خلاف دل

بے چینی سے بھر جائے۔ وہ آنکھوں میں کانٹاں کر چبھتی رہے آرزو اور دعائیں کی جائیں کہ یہ برائی جلد سے جلد مٹ جائے۔

مسلم معاشرے کو برائیوں سے پاک کرتے رہنے کی یہ تین عملی شکلیں ہیں۔ اور یہی تین شکلیں ممکن بھی ہیں۔ ان میں سے ہر شکل "جہاد" ہے۔ کیونکہ حق کے قائم رہنے اور اسلام کی شہادت انجام پانے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے۔ اور حق کی خاطر کوشش کرنے ہی کا نام "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔

پھر برائیوں کے مٹانے کی جن کوششوں کو اس حدیث میں جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے ٹھیک انہی کو بعض احادیث میں "تغیر منکر" سے اس طرح موسوم کیا گیا ہے "تم میں سے جس شخص کو کوئی برائی (منکر) نظر آئے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اس کیلئے اپنی زبان سے کام لے اور اگر اس کی بھی جرات نہ رکھتا ہو تو یہ کوشش اپنے دل سے کرے اور یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔" اور ان میں کوشش کو "نہی عن المنکر" کے پیرائے میں بھی ادا کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ لقمان میں ارشاد خداوندی ہے "وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ" یعنی بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

ایک حدیث میں ہے:

التمر والبالمعروف وثنا هو عن المنکر (نیکی کی ایک دوسرے کو تلقین کرو اور برائی سے ایک دوسرے کو رد کرو۔)

وہ "جہاد" امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ اس فریضے سے نہ تو افراد بری الذمہ ہیں اور نہ ریاست بلکہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس عظیم ذمہ داری میں سبھی شریک ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ (مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے

اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ۔ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کی رفیق ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو بھلائی
وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (۹) کو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے لوگوں کو باز رکھنا مسلمان کی کبھی نہ ختم ہونے والی صفت ہے۔ یہ ایمان کی فطرت ہے۔ یہ اسلام کا خاصہ ہے۔ جہاں مسلمان ہو گا یہ کام بھی وہاں ضرور کیا جا رہا ہو گا اور جو مسلمان ہو گا وہ یہ کام ضرور کرے گا۔

مسلمان جب قوت واقتدار کے مالک ہوں تو ان کی ذمہ داری یہ قرار دی گئی ہے 'یا دوسرے لفظوں میں اسلامی ریاست کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ :

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین
اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَ آتَوُا الزَّکٰوۃَ میں اقتدار بخش دیں اور نماز قائم کریں
وَاْمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا گے' زکوٰۃ دیں گے' بھلائی کا حکم
عَنِ الْمُنْکَرِ (۱۰) کریں گے اور برائی سے روکیں گے)

گویا مسلمان جس طرح اپنی عام اور انفرادی حیثیت میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ برائی تقویت پکڑے اسی طرح صاحب اقتدار ہو کر بھی وہ اسے برداشت نہیں کرے گا۔ بلکہ منکرات کو مٹانا اس کے اقتدار کے بنیادی مقاصد اور فرائض میں شامل ہو گا۔

۲۔ دعوتی اور فکری جہاد : دعوتی اور فکری جہاد کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلم حلقوں کی طرف سے اسلام کے خلاف جن شبہات کو پیش کیا جائے' جو اعتراضات اٹھائے جائیں' جو دلیلیں دی جائیں' ان کا مناسب جواب دیا جائے۔ اور کوئی شبہ یا اعتراض یا دلیل رد کیے بغیر ایسی نہ چھوڑی جائے جو اسلام کے چہرے کا باریک سا بھی حجاب بن سکتی ہو۔ مکی دور سراسر اس جہاد کا دور تھا۔ جب کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دے رکھا تھا:

فَلَاتُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًاكَبِيْرًا(۱۱) (تم ان منکرین اسلام کا کہنا نہ مانو اور قرآن کے ذریعے سے ان سے پورا پورا جہاد کرتے رہو)

قرآن کے ذریعے سے جہاد کا مطلب غالباً یہی ہو سکتا ہے کہ منکرین اسلام کے سامنے ان قرآنی دلیلوں کو برابر پیش کرتے رہو جو اسلام کی سچائی کو اور ان کے وجوہ انکار کی بے وقتی کو کھول کر رکھ دیتی ہیں۔ اور اس طرز استدلال سے ان کے موقف کی کمزوری برابر عیاں کرتے رہو جو قرآن نے تمہیں سکھایا ہے۔ یہ کام پورے زور کے ساتھ انجام دیتے رہو یہاں تک کہ انہیں اپنے انکار کے حق میں کہنے کیلئے کوئی نام کی بھی معقول بات نہ رہ جائے اور ہر طرف سے گھر کر ان کے منہ بند ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اس کام کو "زبان کا جہاد" ہی فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

جاهدو المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم(۱۲) (مشرکوں سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعے جہاد کرو)

اس طرح دعوتی اور فکری جہاد دراصل عقل واستدلال کے اسلحہ سے لڑنے کا نام ہے۔ اور یہ لڑائی اس وقت تک لڑنی چاہیے جب تک کہ اسلام کی مخالفت کے سارے فکری اور استدلالی قلعے مسمار نہ ہو جائیں، چاہے وہ کسی قسم کے ہوں۔ چنانچہ قرآن پاک نے عربوں کی ایک ایک دلیل اور ان کے اٹھائے ہوئے ایک ایک اعتراض کے جس طرح پرخچے اڑائے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں، اس کا حال معلوم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے ان فیصلہ کن الفاظ کو سن لینا کافی

ہے۔ جس کا اس سلسلے میں اعلان فرمار کھا تھا۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا (۱۳)

(اے محمدؐ) یہ لوگ تمہارے سامنے جو (انوکھے سے انوکھا) اعتراض بھی لے کر آئیں گے ہم اس کے جواب میں تمہیں ٹھیک بات اور بہترین وضاحت والی دلیل ضرور بتادیں گے۔)

پھر یہ فکری اور استدلالی لڑائی جس انداز سے لڑنا چاہیے اس کیلئے قرآن نے یہ اصولی ہدایت دی ہے کہ "بحث ومباحثے کا وہ طریقہ اختیار کرو جو سب سے اچھا ہو" (وجادلهم بالتي هي احسن) یعنی یہ کہ وہ خیر خواہانہ دل نشین اور مدلل ہو جس میں مخاطب کے ذہن، عقل وفہم، اور نفسیات کی رعایت رکھی گئی ہو۔ پھر اس جہاد کی ایک لازمی شرط "جبر واستقلال" ہے تاکہ داعی امن و تشنیع، سخت کلامی، دل آزاری، ایذارسانی اور مخالفتوں کے طوفان میں عالی ظرفی، حق پسندی دل سوزی، معنویت اور سنجیدگی کا ثبوت دے۔ صحابہ کرامؓ تک کو اللہ تعالی نے خبردار کیا تھا:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۱۴)

(اور تمہیں اہل کتاب کی طرف سے بھی اور مشرکوں کی طرف سے بھی بہت سی تکلیف دہ باتیں سنی پڑیں گی۔ اگر ایسے وقت تم نے صبر سے کام لیا اور تقویٰ کی روش پر جمے رہے تو بلاشبہ یہ بڑے حوصلے کی بات ہوگی۔)

فاصدع بما تومر واعرض

(جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے واشگاف

عن المشرکین (۱۵) | طور سے سناد و اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو)

۳۔ مسلح جہاد :اس کی تیسری شکل مسلح جہاد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی راہ روکنے والوں کے خلاف مسلح جنگ کی جائے' اور اس وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ اس راہ کو کھلا چھوڑ کر ہٹ نہیں جاتے۔ یہ جہاد کی آخری اور افضل ترین شکل ہے کیوں کہ مسلمان اس میں اپنا مال' وقت' صلاحیت اور بالآخر اپنی جان خدا کی راہ میں صرف کر دیتا ہے۔ عملی طور پر یہ جہاد کی سب سے مشکل اور صبر آزما قسم ہے' لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب اسلامی ریاست موجود ہو۔ اور تاریخ کا ہر طالب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ ریاست اور نظام اجتماعی کے تحفظ کیلئے یہ انتہائی ضروری ہے' جیسا کہ (مسلح) جہاد کا حکم دیتے ہوئے واضح کر دیا گیا تھا:

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم (۱۶)

(مسلمانو!) تم پر لڑائی فرض کر دی گئی ہے۔ اگر چہ وہ تم کو ناگوار محسوس ہو رہی ہو۔ لیکن ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناگوار محسوس کرو اور فی الواقع یہ تمہارے حق میں بہتر ہو)

یہ قتال اور یہ جہاد اسلام کے حق میں "بہتر" کس طرح ہے؟ اس کی وضاحت ان آیتوں میں ملے گی جہاں جہاد کی غرض وغایت بتائی گئی ہے۔ مثلاً:

وَقَاتِلُوْاهُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ

(اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہ جائے اور دین (اطاعت) اللہ کیلئے ہو جائے)

یعنی جنگ کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ اللہ کا نام لینے اور اس کے احکام

کے مطابق زندگی بسر کرنے کی راہ صاف ہو جائے اور "فتنے" کی حالت ختم ہو جائے۔ "فتنہ" وہ قرآن کا اصطلاحی لفظ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام کی پیروی کا حق نہ دیا جائے اور انہیں اپنے معبود حقیقی کی بندگی سے روکا جائے۔ ظاہر ہے یہ ایک ایسا ظلم ہے جس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہو سکتا۔ حتی کہ خون ناحق کی بھی اس کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں۔ کیوں کہ اگر کسی کی جان لی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسے دنیا کی چند روزہ بہار سے محروم کر دیا گیا لیکن اگر کسی سے اس کی "خدا پرستی" لے لی گئی اور اپنے رب کا بندہ بننے سے اس کو روک دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصل زندگی تباہ کر دی گئی۔ اور اسے آخرت کی ابدی نعمتوں سے محروم کر دیا۔ بلاشبہ دونوں ہی چیزیں ناپسندیدہ ہیں' لیکن جب دونوں میں سے ایک کا انتخاب ضروری ہو تو ایک احمق بھی پہلی کے مقابلے میں دوسری کا انتخاب نہ کرے گا۔ اسی لئے قرآن اس کی تصدیق اس طرح کرتا ہے "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (فتنہ قتل سے بھی زیادہ (بری) چیز ہے) ایک اور آیت مسلح جہاد کی ضرورت پر منفی پہلو سے روشنی ڈالتی ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (۱۷)	(اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعضوں کے ذریعے سے دفع نہ کیا کرتا تو ڈھا دیے جاتے صومعے اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اللہ ان لوگوں کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتے ہیں)

اس آیت سے اور زیادہ واضح ہو گیا کہ اگر دین کی حفاظت کی خاطر تلوار نہ اٹھائی جائے اور "فتنہ" کی جڑ نہ کاٹ دی جائے تو خود دین کی جڑ کٹ

جائے گی۔ فتنہ پسند عناصر خدا کی زمین کو فساد سے بھر دیں گے اور خود خدا کا نام لینا دو بھر کر دیں گے اور خدا پرستی کے ایک ایک نشان کو مٹا کر دم لیں گے۔ اس لئے دین کی بقا اور تحفظ کیلئے مسلح جہاد کی ضرورت ناگزیر ہے۔

لیکن یہاں اس بات کی وضاحت بے محل نہ ہو گی کہ اسلام تبلیغ دین کیلئے قوت کے استعمال کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (۱۸) (دین کے معاملے میں زبردستی نہیں)

مسلح جہاد کی اجازت جن مقاصد کیلئے ہے وہ یہ ہیں۔

(الف) دفاعی: یعنی جب دوسرا آپ پر حملہ کرے تو دین اور اسلامی ریاست کے تحفظ کیلئے تلوار استعمال کی جائے۔

(ب) دفع فتنہ: یعنی جب انسانوں پر ظلم کیا جائے اور دعوت دین کے دستوری اور قانونی راستے بند کر دیئے جائیں اور خدا کے بندوں کو انسانوں کی غلامی میں جکڑ لیا جائے تو شر اور فتنے کا مقابلہ کرنے کیلئے اور منکر کے تسلط کو توڑنے کیلئے قوت استعمال کی جائے۔

اسلام طاغوت کے بت کو توڑنے کیلئے تو قوت استعمال کرتا ہے لیکن کسی انسان یا گروہ کو جبر سے مسلمان بنانے کی کلی مخالفت کرتا ہے۔ ہر شخص کے سامنے دین کی دعوت پیش کر دی جائے۔ حق کو باطل سے ممتاز کر دیا جائے اور پھر آخری فیصلہ اس کے ضمیر پر چھوڑ دیا جائے۔ اسے حق ہے کہ جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ ہمارا فرض طاغوت کے پھیلائے ہوئے جالوں کو توڑنا، ظلم کے بندھنوں کو کاٹنا اور حق کی دعوت پہنچا دینا ہے۔ پھر اگر کوئی اس دعوت کو قبول کرتا ہے تو وہ امت مسلمہ کا جزو ہے۔ اور اگر قبول نہیں کرتا تو اسے اس کا بھی پورا پورا اختیار

ہے' اور اگر وہ اسلامی ریاست اور مسلم معاشرے میں رہتا ہے تو اس کا مال اور اس کی جان ہمارے لئے اتنی ہی محترم ہیں جتنی کسی مسلمان کی۔ ہماری ذمہ داری حق کی دعوت دینے کی ہے۔ اور اگر ہم یہ فرض ٹھیک ٹھاک ادا کر دیتے ہیں تو ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ لیکن' اگر ہم دین کی دعوت دنیا کے سامنے پیش کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو ہم سے لازماً باز پرس ہو گی۔

حکم جہاد : ارشاد خداوند تعالیٰ :

تم سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں۔ جان لو! اللہ تعالیٰ پرہیزکاروں کے ساتھ ہے۔ (۱۹)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں مال و دولت خرید لیا ہے۔ اس کے عوض ان کے لئے بہشت تیار کی ہے۔

یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل بھی کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور توریت انجیل اور قرآن میں درج ہے۔

خدا سے زیادہ وہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے تو جو سودا تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ (۲۰)

فرمان مصطفوی ﷺ

وہ مومن جو راہ حق میں اپنے مال و جان سے جہاد کرتا ہے وہ بہترین شخص ہے۔ (۲۱)

ایک دن اللہ کی راہ میں سرحد کی حفاظت کرنا دنیا مافیہا کی دولت سے بہتر ہے۔ (۲۲)

ہر مرنے والے کا عمل اس کی موت کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے۔ لیکن

وہ شخص جو راہ خدا میں سرحد کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کا عمل قیامت تک جاری رہتا ہے اور وہ شخص قبر کے عذاب سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ (۲۳)

جس شخص کو راہ خدا میں زخم آئے ہوں گے وہ روز قیامت رستے ہوئے زخموں سے آئے گا۔ اس کے خون کا رنگ تو سرخ ہو گا مگر اس سے خوشبو کستوری جیسی ہو گی۔ (۲۴)

فرمانِ مصطفوی ﷺ

جس شخص نے اللہ کی راہ میں کسی جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو وہ بھی جہاد میں شامل ہے۔ جس شخص نے غازی کے پیچھے اس کے گھر والوں کی صحیح طریقہ سے خبر گیری کی وہ بھی جہاد میں شریک ہے۔ (۲۵)

کوئی شخص جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہ کرے گا اگرچہ اس کو روئے زمین کی تمام چیزیں عطا ہو جائیں۔

لیکن شہید اس بات کی آرزو کرے گا کہ اسے دنیا میں لایا جائے وہ اس بار اللہ پاک کی راہ میں شہید ہو۔ کیونکہ وہ اس فضیلت کو دیکھے گا جو اس کو ایک مرتبہ کی شہادت پر ملی ہے۔ (بخاری)

جو شخص صدق دل کے ساتھ اللہ پاک سے رتبہ شہادت مانگتا ہے اللہ پاک اس کو شہدا کے درجات تک پہنچائے گا خواہ اس کی موت بستر پر ہی ہو (۲۶)

شہید قتل ہونے پر اتنی بھی تکلیف محسوس نہیں کرتا جتنی تم ایک چیونٹی کے کاٹنے پر محسوس کرتے ہو (۲۷)

جو شخص ایسے وقت میں جب کہ میری سنت سے روگردانی ہو رہی ہو گی میری ایک سنت کا احیاء کرے گا۔ اسے سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔

شہید پانچ ہیں:

۱۔ طاعون سے مرنے والے

۲۔ ہیضہ سے مرنے والے

۳۔ پانی میں ڈوب کر مرنے والے

۴۔ دیوار کے نیچے آکر مرنے والے

۵۔ راہ حق میں جنگ کرتے ہوئے مرنے والے (۲۸)

فرمان مصطفوی ﷺ

مندرجہ ذیل افراد شہید ہوں گے اگر وہ قتل ہو جائیں

۱۔ اپنے دین کی حفاظت کرنے والا

۲۔ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرنے والا (۲۹)

ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا:

سوال: اگر کوئی آدمی مجھ سے میرا مال چھیننا چاہے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اس کو مال نہ دو

سوال: اگر وہ مجھ سے جنگ کرے

جواب: تم اس سے جنگ کرو

سوال: اگر وہ مجھے قتل کردے

جواب: تو شہید ہے

سوال: اگر میں اسے قتل کر دوں

جواب: وہ دوزخی ہے۔ (۳۰)

<u>مقصد کی پاکیزگی</u>: اسلامی نقطہ نظر سے جنگ کا اصل مقصد حریف مقابل کو ہلاک کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ محض اس کے شرک کو رفع کرنا ہے اس لئے اس قوت کا استعمال صرف انہی طبقوں کے خلاف ہونا چاہیے جو عملاً

بر سر پیکار ہوں' یا حد سے حد جن سے شر کا اندیشہ ہو' باقی تمام انسانی طبقات کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیے۔ اور دشمن کی ان چیزوں تک بھی ہنگامہ کارزار کو متجاوز نہ ہونا چاہیے جن کو اس کی جنگی قوت سے کوئی تعلق ہو۔ جنگ کا تصور ان تصورات سے مختلف تھا جو عام طور پر غیر مسلم دماغوں میں موجود تھے اس لئے اسلام نے تمام رائج الوقت اصطلاحات کو چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کی الگ اصطلاح وضع کی جو اپنے معنی موضوع پر ٹھیک دلالت کرتی ہے اور وحشیانہ جنگ کے تصورات سے اس کو بالکل جدا کر دیتی ہے (۳۱) اسلام نے سب سے پہلے اس غلط تصور کو دلوں سے محو کرنے کی کوشش کی جو صدیوں سے جما ہوا تھا۔ لوگوں کی عقلیں یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ جب مال و دولت کیلئے جنگ نہ کی جائے' ملک و زمین کے لئے نہ کی جائے' شہرت و ناموری کیلئے نہ کی جائے' حمیت و عصبیت کیلئے نہ کی جائے تو پھر جنگ کا اور کون سا مقصد ہو سکتا ہے جس کے لئے انسان اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال دے؟ وہ ایسی جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جس کو انسان کی خود غرضی اور نفسانیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ لہذا داعی اسلام نے پہلا کام یہی کیا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے معنی اور حدود جو اسے جہاد فی سبیل الطاغوت سے ممتاز کرتے ہیں۔ پوری طرح واضح کر دیا اور مختلف طریقوں سے جنگ کے اس پاک تصور کو لوگوں کے ذہن نشین کیا (۳۲) اس بارے میں حضور اکرم ﷺ سے بکثرت احادیث مروی ہیں ان میں سے چند ایک کو یہاں درج کیا جاتا ہے:

عن ابی موسی الاشعری قال جاء رجل النبی ﷺ فقال: الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیری مکانہ فمن فی سبیل اللہ ؟ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو

فی سبیل اللہ (۴۳)

(ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کیلئے جنگ کرتا ہے' کوئی شہرت دناموری کیلئے جنگ کرتا ہے۔ کوئی اپنی بہادری دکھانے کیلئے جنگ کرتا ہے۔ فرمائیے کہ ان میں سے کس کی جنگ راہ خدا میں ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ راہ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض کلمۃ اللہ کا بول بالا کرنے کیلئے لڑے۔)

عنه قال جاء رجل الى النبی ﷺ فقال :یارسول اللہ ماالقتال فی سبیل اللہ؟ قال احدنا یقاتل غضباًویقاتل حمیة فرفع الیه راسه فقال:من قاتل لتکون کلمة اللہ هی العلیا فهوفی سبیل اللہ(۴۴)

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور بولا کہ رسول اللہ ﷺ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ ہم میں سے کوئی جوش غضب میں لڑتا ہے اور کوئی حمیت قومی کی بنا پر۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور جواب دیا کہ جو شخص اللہ کا بول بالا کرنے کیلئے لڑتا ہے اسی کی جنگ راہ خدا میں ہے۔

عن معاذبن جبلؓ قال قال رسول اللہ الغزو غزوان فاما من ابتغی وجه اللہ واطاع الامام وانفق الکریمة واجتنب الفساد فان نومه ونبهه اجرکله واما من غزاریاء وسمعة وعصی الامام وافسدفی الارض فانه لم یرجع بالکفاف(۴۵)

معاذبن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑائیاں دو قسم کی ہیں۔ جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کیلئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی' اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے اور جس

نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت و ناموری کیلئے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا یعنی الٹا عذاب ہو گا۔

عن ابی هريرة ؓ قال قال رسول الله ﷺ اول الناس يقض لهم يوم القيامة عليه رجل استهد فاتي به فعرفه نعمه قال فعرفها قال فما عملت ؟ قال قاتلت فيك حتي استشهدت قال كذبت واكنك قاتلت ليقال فلان جرى فقد قيل ثم أمربه فسحب على وجه حتى القى فى النار(۳۶)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ پہلے وہ شخص لایا جائے گا جو لڑ کر شہید ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں بتائے گا اور جب وہ ان کا اقرار کرے گا تو پھر خدا پوچھے گا کہ تو نے میرے لئے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیرے لئے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ بولا تو اس لئے لڑا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا جری ہے' سو تیرا مقصد پورا ہو گیا۔ پھر خدا تعالیٰ اس کے لئے عذاب کا حکم دے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

عن عبدالله بن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ يجئى الرجل احدنا بيدالرجل فيقول يارب هذا قتلني فيقول الله له لم قتلته فيقول فتلته لتكون العزة لك فيقول فانها الى ويجئى الرجل احدنا بيد الرجل فيقول ان هذاقتلنى فيقول الله لم قتلته ؟ فيقول لتكون العزة لفلان فيقول انها ليميت لفلان بائمه(۳۷)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک

شخص دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور عرض کرے گا کہ اے رب اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے اسے اس لئے قتل کیا تھا کہ عزت تیرے لئے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں عزت میرے ہی لئے ہے۔ پھر ایک دوسرا شخص ایک شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور عرض کرے گا کہ اس نے مجھے قتل کیا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے اسے اس لئے قتل کیا کہ عزت فلاں کیلئے ہو اس پر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ عزت اس کا حق تو نہ تھی پھر وہ اس کے گناہ میں پکڑا جائے گا۔

عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من غزا فی سبیل اللہ ولم ینوالا عقالا فله مانوی(۳۸)

اس شخص کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے جو مالی فائدے اور ناموری کیلئے جنگ کرتا ہے؟ اس کو کیا ملے گا۔

"آپ ﷺ نے فرمایا "لا شئی له" اسے کچھ نہیں ملے گا۔ سائل کیلئے یہ بات عجیب تھی، پلٹ کر پھر آیا اور پھر یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ اس کو اطمینان اب بھی نہ ہوا۔ تیسری اور چوتھی مرتبہ پلٹ کر آیا اور یہی سوال کرتا رہا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے اسے مطمئن کرنے کیلئے فرمایا:

ان اللہ لا یقبل من العمل الاماکان له خالصاوابتغی به وجهه(۳۹)

اللہ تعالیٰ کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ خالص اس کی خوشنودی اور رضا کیلئے نہ کیا جائے۔

یہ تعلیم جنگ کو ہر قسم کے دنیوی مقاصد سے پاک کر دیتی ہے۔ شہرت و ناموری کی طلب، عزت و فرمانروائی کی خواہش، مال و دولت اور حصول غنائم کی

طمع، شخصی و قومی عدوات کا انتقام، غرض کوئی دنیوی غرض ایسی نہیں ہے جس کے لئے جنگ جائز رکھی گئی ہو۔ ان چیزوں کو الگ کر دینے کے بعد جنگ محض ایک خشک و بے مزاہ اخلاقی و دینی فرض رہ جاتی ہے جس کے مہالک و مخطرات میں مبتلا ہونے کی از خود خواہش تو کوئی کر ہی نہیں سکتا اور اگر دوسرے کی طرف سے فتنہ کی ابتدا ہو تب بھی صرف اس وقت مقابلے کیلئے تلوار اٹھا سکتا ہے جب کہ اصلاح حال اور دفع ضرر کیلئے تلوار کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہ رہے (۴۰)

رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمایا کہ :

لاتتمنوا القاء العدووسلوا اللہ العافیة فاذا لقیتموھم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف (۴۱)

دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن و عافیت کی دعا کیا کرو مگر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر جم کر لڑو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے جنگ صرف دو صورتوں میں ضروری ہو جاتی ہے ایک دفاع اور دوسرے اصلاح (۴۲) مقصدیت کی پاکیزگی نے ہی اسلامی جنگ کو انفرادیت عطا کی ہے۔ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اسلام میں جنگ کا مقصد اسلام کی دعوت یا تبلیغ نہیں بلکہ حریت و دعوت اسلام کا تحفظ ہے۔ بہ جبر و زور نشر دعوت کا مطلب اکراہ ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۴۳) (دین میں کسی طرح کا جبر نہیں اس لئے کہ ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی ہے)

البتہ اسلام میں جنگ کا مقصد عقیدہ کی آزادی کی حفاظت اور اس کی دعوت و تبلیغ کے حق کی آزادی کے لئے امن و امان قائم رکھنا ہے۔ نیز اس کا

مقصد یہ بھی ہے کہ مسلم علاقوں پر خارجی ظلم و جور کا استیصال ہوتا ہے۔(۴۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَاتِلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (۴۵)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔)

رسول کریم ﷺ کی جنگیں: مایہ ناز محقق' مدبر اور صحافی جناب پیام شاہ جہانپوری نے اپنی کتاب "رسول کریم ﷺ" میں مغرب کے شہرہ آفاق مفکر کارلائل کے اسلام کے بارے میں نظریات' خیالات اور اعتراضات کا مسکت جواب بڑے خوبصورت پیرائے میں دیا ہے:

"(حضرت) محمد ﷺ کے ابنائے وطن نے جب آپ ﷺ کو نہایت بے رحمی کے ساتھ آپ کے وطن سے نکال دیا' نہ صرف آپ ﷺ کا پیغام ربانی سننے سے انکار کر دیا بلکہ آپ ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے تو مادر صحرا کا یہ فرزند خوشی میں آگیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اب وہ اپنی مدافعت کرے گا اور اس طرح کرے گا جس طرح ایک باحمیت انسان اور ایک غیرت دار عرب کیا کرتا ہے۔ گویا وہ کہہ رہا ہو کہ اگر قریش یہی چاہتے ہیں تو چلو یہی سہی۔ اگر یہ اس پیغام ربانی کو سننے سے گریزاں ہیں جو نہ صرف ان کیلئے بلکہ ساری بنی نوانسان کیلئے خیر و فلاح کا پیغام ہے اور اس پیغام کو جبر و ظلم اور تلوار کے ذریعے دبانا چاہتے ہیں تو یہ اپنا حق شوق تیغ زنی بھی پورا کر لیں" (اب ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں) کارلائل)

کارلائل کے یہ الفاظ جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی جنگوں پر تبصرہ

کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ بظاہر نہایت اثر انگیز ہیں اور کارلائل کی طرف سے یہ حضور اقدس ﷺ کو بہت بھرپور' خوبصورت اور دلکش خراج تحسین ہے لیکن اس کے باوجود بات وہ نہیں جو کارلائل نے سمجھی ہے۔ اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کہ رسول اقدس ﷺ غیرت و حمیت کے پیکر عظیم تھے' آپ ﷺ سے بڑا غیرت دار روئے زمین پر آج تک پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہو گا لیکن دشمنان اسلام کے ساتھ آپ ﷺ کی جنگوں کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ معرکہ آرائی آپ ﷺ کے ذاتی انتقام' اظہار غیرت و شجاعت یا شخصی جوش و جذبہ کا نتیجہ تھی' نہایت غلط خیال ہے۔ اگر اس خیال کو درست مان لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ مخالفین اسلام کی طرف سے جبر و تشدد دیکھ کر آپ ﷺ کا جذبہ انتقام جوش میں آ گیا اور آپ ﷺ دشمنان اسلام کے خلاف میدان میں آ گئے گویا یہ ساری جنگ دپیکار اور مسلح جدوجہد آپ ﷺ کی ذاتی انا کی تسکین کے لئے تھی۔ یہ طرز فکر نہ صرف حضور اقدس ﷺ کے مزاج مبارک کے خلاف ہے بلکہ واقعات اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔

رسول اقدس ﷺ کا عفو و درگزر: تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ کون سا ظلم تھا جو اہل مکہ نے آپ ﷺ پر روا نہیں رکھا' طائف پر کیسے کیسے ستم توڑے گئے' آپ ﷺ سے دشمنوں کے لئے بددعا کرنے کو کہا گیا مگر آپ ﷺ نے ان کیلئے دعا کی' اپنے دست اقدس سے کسی بدترین دشمن کو جوابی طور پر بھی ایذا نہیں دی۔ حضور اکرم ﷺ جسمانی طور پر غیر معمولی طاقتور اور توانا تھے۔ جب ابو جہل نے آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر طمانچہ مارا تو اس کے جواب میں آپ ﷺ اس کے گال پر ایسا تھپڑ رسید کر سکتے تھے کہ اس کا منہ گھوم جاتا مگر آپ ﷺ نے غیر معمولی صبر سے کام لیا' انتقام نہیں لیا بلکہ تاریخ کہتی

ہے کہ آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب نے جب آپ ﷺ کی شان میں ابو جہل کی طرف سے گستاخی کی خبر سنی تو اسی وقت اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور خانہ کعبہ میں اسے جالیا اور اس کے سر پر اپنی وزنی کمان دے ماری۔ اسے لہولہان کر کے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "اے میرے بھتیجے! خوش ہو جاؤ کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا انتقام لے لیا۔" تاریخ کی شہادت ہے کہ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

"اے میرے چچا! میں انتقام لینے سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ میں تو اس وقت خوش ہوں گا جب آپ اسلام قبول کر لیں گے" (۴۶)

اور دوسرے لمحے حضرت حمزہؓ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری تھا

گویا آپ ﷺ کے سامنے اپنی ذات یا قبیلہ کا سوال نہ تھا' مخالفوں اور دشمنوں سے انتقام لینا مقصود نہ تھا بلکہ مقصد اول و آخر صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی تھی' دین کی سربلندی تھی۔

دشمنوں کیلئے دعا :ذرا تصور تو کیجئے کہ احد کا میدان ہے' دشمن کا لشکر رسول اقدس ﷺ اور آپ ؑ کے نام لیواؤں کے نام تک بزعم خود مٹا دینے کے درپے ہے' تیروں کی بارش ہو رہی ہے' حضور اقدس ﷺ زخمی ہو جاتے ہیں' دندانِ مبارک شہید ہو جاتے ہیں' دہن مبارک سے خون بہہ رہا ہے مگر چہرہ انور پر دور دور تک غیظ و غضب کے آثار نہیں' لبوں پر نعرہ انتقام نہیں' ہاں! زبان مبارک پر کچھ الفاظ ضرور جاری ہیں مگر...... ! آپ کو معلوم ہے وہ الفاظ کیا ہیں؟ سنئے :

اللھم اغفر لقومی	(اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے
فانھم لا یعلمون (۴۷)	کیونکہ یہ لوگ جانتے نہیں (کہ یہ کیا

کر رہے ہیں اور کس کے ساتھ کر رہے ہیں)

گویا اپنے خونخوار دشمنوں کا بھی دکھ میں پڑنا آپ ﷺ کو طبعاً گراں گزرتا تھا' ایذا ہی کو آپ سخت ناپسند فرماتے تھے' آپ ﷺ کے مزاج کا جھکاؤ عفو و درگزر کی طرف تھا۔ ذیل کے تاریخ ساز واقعے سے حضور اقدس ﷺ کے طرز فکر اور افتادِ طبع کا ایک عجیب دل کش و دل نشین پہلو سامنے آتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا جنگ سے انکار: جو لوگ حضور اقدس ﷺ پر ایمان لائے تھے وہ بھی آخر عرب تھے' قریش تھے' غیرت و حمیت کے پیکر اور شجاعت و صلاحیت کے متحرک مجسے' دشمنوں کے مظالم پر مسلسل خاموشی ان کے مزاج کے خلاف تھی۔ آخر ان میں سے چند لوگ مکہ کے ایک نامور سردار حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی معیت میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

"اے اللہ کے رسولؐ! جب ہم مشرک تھے تو عزت والے تھے اور کسی کی جرات نہ تھی کہ ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے لیکن مسلمان ہو کر ہم ضعیف و ناتواں ہو گئے ہیں اور دشمن کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں' اس کے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں۔ اے اللہ کے رسولؐ! اجازت دیجئے کہ میدان میں اتر کر ہم ان کا مقابلہ کریں"

آپ کو معلوم ہے کہ غیرت و حمیت کے ان پیکروں کو.......... ہاں! اللہ اور اس کے رسول کے ان فدائیوں کو......... حضور اقدسؐ نے کیا جواب دیا؟

آپ نے فرمایا:

انی امرت بالعفو (مجھے عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم ہے

فلا تقاتلوا (۴۸) اس لئے میں تمہیں (دشمن سے) جنگ

کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا)

حضور اقدس ﷺ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اٹھتا تھا' آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ' آپ ﷺ کا کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا' دوستی دشمنی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے سر بکف اور جاں باز عقیدت مند آپ ﷺ سے جنگ کی اجازت مانگتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے معزز لوگ ہیں' ماضی میں کوئی ہماری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا' اسلام قبول کرنے کے بعد ہماری عزت اور شجاعت میں کوئی کمی نہیں ہوئی' ہماری ہمتیں پست نہیں ہوئیں' ہم وہی سر بکف اور سرباز لوگ ہیں۔ اے اللہ کے مقدس رسول ﷺ ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم ان دشمنانِ اسلام کے سروں میں سے فرعونیت کا سودا نکال دیں۔۔۔ مگر اپنے سر فروش عقیدت مندوں کو آمادہ جنگ پا کر بھی آپ ﷺ انہیں اجازت جنگ نہیں دیتے حالانکہ آپ ﷺ جوش میں نہیں آتے اور فرماتے ہیں کہ "ہرگز نہیں' مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ عفو و درگزر کا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے پھر میں تمہیں جنگ کی اجازت کیسے دوں؟

قرآن کریم کی شہادت: خود قرآن کریم بھی اس حدیث کی تائید کرتا ہے جس کی رو سے بعض جوشیلے اور جنگجو مسلمان دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہونے کیلئے بیتاب تھے اور مدینہ جا کر ان کا جذبہ جہاد اور بھی مشتعل ہو گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ (۴۹)	(اے رسول) کیا آپ کو ان لوگوں کے بارے میں معلوم نہیں جنہیں کہا گیا تھا

کہ اپنے ہاتھوں کو جنگ سے روکے رکھو۔)

یعنی مسلمانوں کے دلوں میں دینی غیرت کی وجہ سے دشمنان اسلام سے جنگ کرنے کا جذبہ بھڑک اٹھتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے ذریعے سے انہیں روک دیا تھا کہ ابھی جنگ کا وقت نہیں آیا اس لئے صبر سے کام لو اور انتظار کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ (۵۰)	(جو لوگ ایمان لاچکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ (رسول کریم ﷺ پر) کوئی ایسی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی جس میں جنگ کا حکم دیا گیا ہو)

گویا یہاں بھی بتایا جارہا ہے کہ مسلمان بزدل نہیں تھے' جنگ سے خائف نہیں تھے بلکہ ان کے دلوں میں کفار سے جنگ آزما ہونے کا جذبہ موجزن رہتا تھا اور بار بار تڑپ پیدا ہوتی تھی کہ کاش انہیں دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہونے کی اجازت مل جائے مگر اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ انہیں جنگ سے روک رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو روک دیا تھا' پس ثابت ہوگیا کہ دشمنوں سے جنگ کرنے میں آپ ﷺ کے اپنے ارادے کو دخل نہ تھا' ذاتی پسند و ناپسند یا شخصی انا درمیان میں نہ تھی' مخالفین سے انتقام لینے کا ذاتی جذبہ کار فرما نہیں تھا۔

<u>جنگ کا حکم</u>: پھر ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جب اچانک آپ ﷺ کا طرز فکر و عمل بدل جاتا ہے اور عفو و درگزر کا یہ پیکر عظیم ہمیں میدان جنگ میں اسلامی لشکر کی قیادت کرتا نظر آتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ قرآن شریف اس کا جواب دیتا ہے' فرمایا:

اذن للذین یقتلون	(اب) ان لوگوں (مسلمانوں) کو (بھی) جنگ کرنے کی

بانھم ظلموا(۵۱) اجازت دی جاتی ہے جن سے (کفار) جنگ کر رہے ہیں کیونکہ ان (مسلمانوں) پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے)

اس ارشاد خداوندی کے بعد تسبیح بدست لوگ جو ریشم سے بھی زیادہ نرم دکھائی دیتے تھے شمشیر بدست ہوکر اپنے آقا و مولا ﷺ کی قیادت میں برسر میدان آگئے۔ گویا حضور اکرم ﷺ نے اس قوت تک جنگ سے ہاتھ روکے رکھا جب تک اللہ تعالی نے اجازت نہیں دی لیکن جب اذن الہی ہو گیا کہ اے میرے رسولؐ اب آپ ﷺ کو بھی اجازت دی جاتی ہے کہ ان لوگوں سے لڑیئے جو آپ ﷺ سے لڑتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ظلم اب حد سے تجاوز کر گیا ہے۔۔۔ تب آپؐ نے تلوار اٹھائی۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ الخ(۵۲) (انہیں جہاں پاؤ قتل کرو اور تم بھی انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ یہ عمل اس وقت تک جاری رکھو جب تک کہ شرارت اور فتنہ ختم نہ ہو جائے کیونکہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوتا ہے۔

فتنہ ختم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی جڑ کو ختم کر دیا جائے اور اس فتنہ کی جڑ مکہ میں تھی' فتنہ پرداز لوگ وہیں بیٹھے حضور اکرم ﷺ کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیاں کر رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا کہ تم انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب مکہ پر حملہ کیا جائے۔ گویا اس آیت میں مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم

بھی دیا جارہا ہے اور فتح مکہ کی خوشخبری بھی دی جارہی ہے۔ اس طرح قرآن کریم دنیا کو بتارہا ہے کہ کفار سے جنگ وپیکار محمد رسول اللہ ﷺ کا ذاتی فیصلہ نہیں تھا' یہ آپ ﷺ کا کوئی انتقامی اقدام نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ترین حکم تھا جس کے پیچھے ایک فلسفہ کام کررہا تھا۔ اس کی وضاحت ذیل کی آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ (۵۴) (اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو)

یعنی تم جنگ ضرور کرو' جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان سے ضرور لڑو لیکن یہ جنگ ذاتی انتقام کی خاطر نہ ہو' ذاتی مفاد کی خاطر نہ ہو' انتقامی جوش کے تحت نہ ہو بلکہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر ہو' اسے راضی کرنے کی خاطر ہو اسی لئے فرمایا:

"فی سبیل اللّٰہ"

اللہ کے راستے میں' یعنی اللہ کیلئے۔۔۔۔ ذاتی انتقام یا ذاتی مفاد کے لئے نہیں۔ اس طرح اسلام نے جنگ کو بھی عبادت کا درجہ دے دیا جس میں نفس کا دخل باقی نہیں رہا۔

اسلام کا اصول جنگ : تاریخ بتاتی ہے کہ جب میدان جنگ گرم ہوتا ہے اور جنگ اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے تو فاتح فوجیں' مفتوحین پر بھوکے شیروں کی طرح ٹوٹ پڑتی ہیں۔ ان کے اموال' ان کی جانیں حتی کہ ان کی عزتیں تک تاراج کردیتی ہیں۔ آگ اور خون کا ایک طوفان ہوتا ہے جو تباہیاں' بربادیاں اور ہلاکت آفرینیاں اپنی جلو میں لئے قیامت کی رفتار سے آگے بڑھ رہا ہوتا ہے اور ہر خشک و تر کو جلاتا اور راکھ کا ڈھیر بناتا جاتا ہے اور اپنے پیچھے ویرانیوں کے سوائے اور کچھ نہیں چھوڑتا۔ مگر حضور اکرم ﷺ کو ایسی انسانیت سوز جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کی اجازت نہیں دی گئی' جوش انتقام سے بے قابو ہونے سے سختی

سے روک دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

ولا تعدلوا ان اللہ لا یحب المعتدین (۵۴)	(یعنی جو لوگ تم سے جنگ کر رہے ہیں اب تم بھی ان سے جنگ کرو مگر زیادتی مت کرو (یادرکھو) اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)

پھر فرمایا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا الخ (۵۵)

مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو! کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس حد تک نہ لے جائے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو' انصاف کرو کہ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

گویا اسلام جنگ کی بنیاد بھی تقویٰ اور خوف خدا پر رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو لڑائی خوف خدا کے تحت لڑی جائے گی اس کے نتائج کس قدر خوش کن ہوں گے اور اس میں کس قدر احتیاط کی جائے گی۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

ولا تقتلوھم عند المسجدالحرام حتی یقتلوکم فیہ فان قتلوکم فاقتلوھم (۵۶)

یعنی تم ان (دشمنوں) سے مسجد حرام کے قریب وجوار میں جنگ مت کرو جب تک وہ خود تم سے جنگ نہ کریں ہاں اگر وہ خود تم سے لڑائی چھیڑ دیں تو تم بھی ان سے لڑو۔)

پھر فرمایا کہ:

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظلمین (۵۷)	(یعنی اگر دشمن جنگ سے باز آجائے تو تم بھی ہاتھ روک لو کیونکہ سختی اور تشدد سوائے

ظالموں کے اور کسی کیلئے روا نہیں)

ان آیات کریمہ میں حضور اکرم ﷺ کو اور آپ کی معرفت مسلمانوں کو جنگ کے اصول تعلیم فرمائے جا رہے ہیں جن کی ترتیب اس طرح ہے :

۱۔ تم خود جنگ کی ابتدا مت کرو اور لوگوں کے ساتھ امن و آشتی کے ساتھ زندگی گزارو۔

۲۔ جب دشمن تم پر حملہ آور ہو تو بزدلی مت دکھاؤ اور پوری قوت سے جنگ کرو۔

۳۔ جنگ کرتے ہوئے اعتدال کا راستہ اختیار کرو اور ظلم و زیادتی سے کام نہ لو

۴۔ اگر دشمن ہاتھ روک لے تو تم بھی ہاتھ روک لو اور محض فتوحات حاصل کرنے کے شوق یا مال غنیمت کے لالچ میں خونریزی جاری مت رکھو۔

۵۔ تمہاری جنگ ذاتی انتقام کی خاطر نہ ہو بلکہ مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضاجوئی ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں اور حد سے گزر جانے والوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

گویا قرآن دنیا کو بتا رہا ہے کہ اسلام جنگ اور امن، محبت اور عداوت دونوں کو اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کر دیتا ہے۔ اس نے جنگ کا ایک باقاعدہ فلسفہ پیش کیا جس کی بنیاد خواہش امن پر ہے۔

ان تصریحات کے بعد یہ نظریہ قطعی طور پر باطل ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے محض خوش انتقام اور اظہار شجاعت و غیرت کی خاطر تلوار کو بے نیام کیا۔ حقائق ثابت کر رہے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہونے کا حکم دیا جس کی قرآن کریم شہادت دے رہا ہے اور قرآن کے بارے میں خود کارلائل اعتراف کرتا ہے :

"یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ وہ (حضرت محمد ﷺ) اپنے ذاتی مفاد کی خاطر فریب کاری کرتے تھے یا خود ہی وحی والہام گھڑ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی

طرف منسوب کردیتے تھے۔۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں یہ سراسر غلط ہے"(۵۸)

آگے چل کر کارلائل تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن صداقت وراستی کا مجموعہ ہے یہ کوئی جعلی اور خود ساختہ صحیفہ نہیں۔۔۔۔پس اس آسمانی صحیفے نے تصدیق فرمادی کہ رسول کریم ﷺ نے اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائی جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہوا۔

مسلمان دہشت گرد نہیں

دہشت گردی کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد ہر ذی شعور انسان یہ سوچتا ہے کہ مسلمانوں اور پوری امت مسلمہ کو کس لئے دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے؟ جبکہ اسلامی تعلیمات، مسلم معاشرتی قدریں اور انسانی جذبے دہشت گردی کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ نیز مسلمان کو یہ تعلیم دی گئی" احب للناس ما تحب لنفسک" کہ اپنی ذات کیلئے جو کچھ پسند کرتے ہو، وہی دوسرے انسانوں کے لئے بھی پسند کرو، اور یہ بھی حکم دیا گیا" اِعْدِلُوْاھُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰیٰ" کہ وہ ہر کام میں انصاف سے کام لیں یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ مادی وسائل اہل ثروت سے لے کر معاشرے کے پس ماندہ طبقوں تک منتقل کرتا رہتا ہے اور اپنے مزاج اور احکام کی رو سے وہ انسانیت کا دین ہے۔ اور اس کے احکام کا بڑا محور یہ ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو فساد اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔ اس لئے مسلمان اپنی طبیعت اور اپنے دین کی نوعیت کے اعتبار سے مجموعی طور پر دہشت گردی کے مرتکب نہیں ہوسکتے اور نہ ہی دہشت گردی کی سرپرستی کرسکتے ہیں۔

مسلمانوں کی چودہ سوسالہ طویل تاریخ انسانوں کے سامنے ہے کہ وہ دنیا

کے جس خطے میں بھی آباد ہوئے' انہوں نے وہاں کے باشندوں سے حسن سلوک کیا' انہیں تعلیم' معیشت اور سیاست میں شریک کیا۔ ریاستی امور میں ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا اور فاتح و مفتوح میں کوئی فرق روا نہ رکھا۔ اور جہاں مسلمان بطور اقلیت آباد ہوئے وہاں بھی انہوں نے عمدہ معاشرہ تشکیل دیا' ریاستی قوانین کی پابندی کی اور دیگر باشندوں کو فوائد پہنچائے اور ان کیلئے مشکلات کو جنم نہیں دیا۔ ان سب حقائق کے باوجود مسلمانوں اور خاص طور سے پوری امت مسلمہ کو کیوں دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے' کہ مغربی پریس' الیکٹرانک میڈیا' خفیہ ادارے مزید برآں مغربی مفکرین بھی حقائق سے آنکھیں موندھ کر مسلمانوں کو دہشت گرد بنانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے ؟ اس سازش کے پیچھے کیا کیا عوامل کارفرما ہیں ؟ ہم اس تفصیل میں نہیں جاسکتے تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ یہ اہل مغرب کی اپنی پھیلائی ہوئی وبا ہے۔ جسے وہ مسلمانوں کے دامن میں ڈال کر اپنی کرتوتوں اور کارستانیوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ چند حقائق ملاحظہ فرمایئے جو اہل مغرب کی فساد پروری کا منہ بولتا ثبوت ہیں :

۱۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں مغربی دہشت گردی کا اظہار اس طرح ہوا کہ اسلامی ریاستوں کو قومیت اور نیشنلزم کے نام پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ جب چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کو کمزور پایا تو انھیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے لڑایا اور عالمی دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہوئے ان کی حفاظت کے بہانے سے پہلے ان کے وسائل پر اور آخر کار ان کے علاقوں پر قبضہ جمالیا۔ جس کی تازہ مثال عراق کویت جنگ ہے جس کے نتیجہ میں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کویت' قطر' سعودی عرب اور بحرین میں مقیم ہیں۔ اور اب یہ نیا استعمار تہذیبی اور

ثقافتی یلغار سے نئی دہشت گردی میں مصروف ہے اور مسلمانوں کو بین الاقوامیت کا جھانسہ دے کر اسلامی تہذیب کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

۲۔۳۔ فروری ۱۹۷۶ء کو نائجیریا کے حکمران مرتلا محمد کو قتل کر دیا گیا۔ بریگیڈیئر مرتلا محمد کو قومی مفادات عزیز تھے اور وہ امریکہ کے دوست نہ تھے۔ امریکہ کو اندیشہ تھا کہ آئندہ مرتلا محمد کی قیادت میں نائجیریا تیل کے بائیکاٹ میں شریک ہو گا۔ اس لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ (۵۹)

۳۔ حالیہ سالوں میں مغربی افواج اور ان کے یورپی اتحادیوں نے بوسنیا میں جو خون کی ہولی کھیلی اور نہتے مسلمانوں اور پرامن شہریوں کو جس بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا' اس کی مثال انسانی تاریخ میں شاید ہی ملے۔ اس سلسلے میں معروف مغربی صحافی جان سوین کہتے ہیں "مجھے نہیں معلوم تھا کہ لندن سے ڈھائی گھنٹے کے فاصلے پر قلب یورپ میں نازیوں کو مات کر دینے والے نسل کشی کے ہولناک مظالم کی رپورٹنگ کرنا پڑے گی۔ (۶۰)

۴۔ اپریل ۱۹۹۶ء میں چیچنیا کے مرد آہن اور آزادی کے ہیرو جوہر داؤد کو شہید کر دیا گیا۔ جوہر داؤد کی شہادت احیائے اسلام کے خطرے سے نپٹنے کیلئے روس اور امریکہ کی متحدہ کوششوں اور سازشوں کا علامتی اظہار تھی۔ باوثوق ذرائع کی اطلاع کے مطابق چیچن جدوجہد آزادی کے اس عظیم رہنما کو منظر سے ہٹانے کا فیصلہ صدر کلنٹن اور صدر یلسن کی گزشتہ دن ٹو دن ملاقات میں ہوا (۶۱)

۵۔ اسرائیل نے مشرق وسطی میں دہشت گردی اور خون ریزی کا گھناؤنا کاروبار شروع کر رکھا ہے جو بدترین انسانی المیہ ہے۔ پروٹیریا بدترین

دہشت گردی کو اپنائے ہوئے ہے۔ وہ کلے مقامی باشندوں کو دہشت زدہ بھی کرتا ہے۔ ہمسایہ افریقی ممالک میں بھی خوف دہراس پیدا کرتا ہے اور انگولا میں برسرپیکار دہشت گردوں کو اڈے ' ہتھیار' تربیتی سہولتیں اور مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ اس کے باوجود وہ امریکہ کی نظر میں معتبر ہے۔(۶۲)

۶۔ امریکی دہشت گردی کا سب سے خطرناک پہلو حالیہ دنوں میں سامنے آیا کہ ماضی میں تو وہ سی آئی اے کے ذریعے قتل دغارت کراتا اور حکومتوں کے تختے الٹتا تھا لیکن اب خلیج کی جنگ سے اس نے کھلی ننگی جارحیت اختیار کر لی ہے۔ امریکہ ہی وہ ملک ہے جس نے دنیا بھر میں کرائے کے قاتلوں (Mercensries) کا نظام روشناس کرایا۔ آج لوگ کرائے کے کسی قاتل کی خدمات حاصل کر کے اپنے کسی بھی حریف کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔(۶۳)

یہ چند حقائق آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہیں کہ جو غیر مسلم طاقتیں امت مسلمہ کو ہر قیمت پر دہشت گرد قرار دینے کیلئے دن رات سازش میں مصروف ہیں۔ ان کا اپنا کردار دہشت گردی کے حوالے سے کیا ہے؟ ان حقائق سے ہماری اس رائے کو بھی تقویت ملتی ہے کہ غیر مسلم اپنی دہشت گرد سرگرمیوں کو چھپانے کیلئے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں کیونکہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد وہ مسلمانوں کو اپنا حقیقی حریف تصور کرتے ہیں اور اسی لئے انہیں دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔

اس وقت تک ہم نے امت مسلمہ کے خدوخال متعین کئے ہیں' ان کے مسائل اور دہشت گردی میں مسلمانوں کو ملوث کرنے کی کوششوں پر روشنی ڈالی

ہے اور ساتھ ہی ہم نے ان حالات اور اسباب و علل کا بھی جائزہ لیا ہے کہ غیر مسلم طاقتیں خود کس طرح دہشت گردی کا کھیل کھیل رہی ہیں اور دنیا کے مختلف خطوں میں انہوں نے کس طرح دہشت گردی پھیلا رکھی ہے اور دہشت گردی کے کیسے کیسے نئے طریقے ایجاد کر کے انہیں مسلمانوں اور انسان کے خلاف بروئے کار لارہے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ کیا مسلمان دہشت گرد ہوسکتا ہے؟ کیا وہ امن کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر فساد کا راستہ اختیار کرتا ہے؟ اسلام انسانوں کے مابین کس نوعیت کے تعلقات استوار کرتا ہے؟ حالت امن اور حالت جنگ دونوں میں ظلم و تعدی' انتقام' نفسیاتی یا سرد جنگ اور دہشت گردی کو روکنے کیلئے اسلام نے کیا تعلیمات نافذ کی ہیں؟

اس موضوع پر ہم اپنی گفتگو کا آغاز اس رائے سے کرتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مسلمان وہی ہے جو قرآن و سنت کے احکام کا پابند ہے۔ رسول رحمت ﷺ کو زندگی کے تمام امور میں اپنا ہادی و رہنما تسلیم کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے سامنے یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ہر نئے ملاقاتی کو کسی تعارف اور پہچان کے بغیر "السلامُ علیکم" کہہ کر امن و سلامتی کی نوید سنانے والا مسلمان کس طرح دہشت گرد ہوسکتا ہے؟ مزید برآں انسانی امن و سلامتی اور عالمی یک جہتی کیلئے اسلام نے واضح ہدایات جاری کی ہیں۔ جو مسلمان کو ہر طرح کے ظلم و زیادتی' دنگا و فساد اور دہشت گردی سے باز رکھتی ہیں۔

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اس امر کی عکاس ہے کہ آپ بعثت سے پہلے عبادت الٰہی کے علاوہ جس امر کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے وہ انسانی بھلائی اور خدمت کے کام تھے۔ چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ جب آپ پر غار حراء

میں پہلی وحی نازل ہوئی' گھبراہٹ کے عالم میں اپنے گھر تشریف لائے اور آپ نے اپنے گھر والوں کو "زملونی' زملونی" کے الفاظ کہے کہ مجھے کپڑا اوڑھا دیجئے تاکہ میں انجانے خوف سے رہائی پاسکوں۔ تو اس وقت آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپ خاطر جمع رکھیے آپ کا رب آپ کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ انسانیت کی خدمت کرتے رہے ہیں۔

"الک تصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقوی الضیف وتعین علی نوائب الحق"(۶۴)

(آپ صلہ رحمی سے کام لیتے ہیں' کمزور کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ گرے پڑے افراد کا کام کرتے' مہمان نوازی کرتے اور سچائی کے کاموں میں انسانوں کی مدد کرتے ہیں۔)

خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کیلئے ہے۔ اس لئے آپ کی تعلیمات بھی سبھی انسانوں کے لئے ہیں۔ اسلامی عقائد و عبادات کا تعلق یقینی طور پر ہر مسلمان سے ہے جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ ان عقائد و عبادات کو اپنی فکری اور عملی زندگی میں اپنانے کا پابند ہے جہاں تک آپ کی ان تعلیمات کا تعلق ہے جو انسانی امور' دنیوی معاملات اور معاشرتی اقدار کی طرف رہنمائی کرتی ہیں' وہ سبھی انسانوں کیلئے ہیں' کیونکہ وہ عالمی سچائیاں ہیں۔ انہیں جو انسان اپنائے وہی پر سکون زندگی بسر کرے گا چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا "الدین النصیحۃ" کہ دین خیر خواہی سے عبارت ہے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ خیر خواہی کس کیلئے ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ' اس کے رسول' مسلمانوں اور انسانوں سبھی کیلئے یہ خیر خواہی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد آپ کی سیرت طیبہ کا ترجمان ہے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں کسی بھی انسان سے ذاتی وجوہ کی بناء پر انتقام نہیں لیا۔ بلکہ اپنے بدترین دشمنوں کو دعا دی "اللھم اھد قومی

فانهم لا يعلمون" کہ اے رب کائنات میری قوم کو ہدایت سے سرفراز فرما کیونکہ وہ میری حقیقت سے آگاہ نہیں۔

قرآن حکیم نے آپ کی سیرت طیبہ کے جو پہلو اجاگر کیئے ہیں۔ ان میں سے ایک بہت اہم خصوصیت یہ ہے "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"(۶۵) کہ آپ کو اللہ تعالی نے دو جہانوں کیلئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ اس آیت مبارکہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ جس طرح خالق کائنات تمام انسانوں کا رب اور پالنے والا ہے' اسی طرح رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی سب انسانوں کیلئے شفقت و محبت اور رحم و کرم کی علامت ہے۔ اس آیت مبارکہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ جس کی طرف امام راغب نے ارشاد فرمایا ہے: الرحمة رقة تقتضى الاحسان الى المرحوم"(۶۶) رحمت اس رقت کا نام ہے جو اس شخص پر احسان کرنے کا تقاضا کرے جس پر رحمت کی جا رہی ہو۔ اسی لئے خود رسول اکرم ﷺ نے انما انا رحمة مهداة فرما کر اپنی رحمة للعالمینی کو پوری انسانیت کیلئے عطیہ ایزدی قرار دیا۔

رحمۃ للعالمین کی حیات مبارکہ ظلم و تشدد اور جبر و استبداد سے یکسر خالی تھی۔ آپ نے اپنے اسوہ حسنہ' اپنے عمل اور پیغام ہدایت سے انسانیت نوازی کی تعلیم دی۔ آپ نے سب انسانوں سے رحیمانہ برتاؤ کیا۔ چنانچہ ابو جہل کی الزام تراشیوں اور ایزاء رسانیوں کے باوجود آپ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَلَاهَدَيْنٰهُمْ وَهُمْ كَارِهُوْنَ کہ ان کی نفرت کے باوجود میں انہیں راہ ہدایت پر لانے کی کوشش جاری رکھوں گا۔

جب آپ نے مکہ مکرمہ میں اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو مشرکین مکہ نے آپ کو بے پناہ تکالیف اور اذیتیں پہنچائیں' آپ پر کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا غلاظت

پھینکی جاتی' آپ کا تمسخر اڑایا جاتا' آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے آپ کے کھانے میں زہر ملایا گیا' آپ اور آپ کے جانثاروں پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے' آپ کو اپنا وطن مکہ مکرمہ چھوڑنے اور بعد ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا' مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد بھی آپ کو آرام سے نہ بیٹھنے دیا گیا بلکہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام کو مسلسل حالت جنگ (State of war) میں رکھا گیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامرانی سے نوازا اور مکہ فتح ہو کر اسلامی ریاست کا حصہ قرار پایا تو آپ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف فرمادیا اور لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا مژدہ جاں فزا سنایا۔ اس کا یہی مفہوم ہے کہ آپ تمام انسانوں کیلئے رحمت ہیں' جو دہشت گردی کی ضد ہے۔ اور امت مسلمہ بھی ان صفات کی حامل ہے۔

ابو سفیان ایک قریشی سردار اعلیٰ درجہ کے جنگ جو تھے' آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ ابو سفیان نے دور جہالت میں آپ کے خلاف جنگیں منظم کیں۔ مشرکین کی طرف سے جنگوں کی قیادت کی۔ آپ کو قتل کرنے کیلئے انعام مقرر کر دیا۔ آپ کے خلاف یہودیوں سے سازباز کی اور آپ کو (خدانخواستہ) قتل کرنے کی خود بھی کوشش کی لیکن آپ نے نہ صرف ابو سفیانؓ کو معاف فرمادیا بلکہ آپ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: من دخل دار ابی سفیان فھوا امن" (کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوا اس نے امان پائی۔)

ہم نے سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند درخشندہ پہلو پیش کئے جو اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ آپ پوری انسانیت کیلئے سراپا رحمت تھے۔ آپ نے اپنے دوستوں دشمنوں سبھی کو اپنی رحمت کے جلو میں پناہ دی۔ اور جو انسان آپ کی محبت کا دم بھرے۔ آپ کا کلمہ پڑھے اور آپ کی اتباع کا دعویٰ کرے کیا وہ دہشت گرد ہو سکتا ہے؟ ہماری ناقص رائے میں یہ اجتمع نقیضین محال

ہے۔ چہ جائیکہ پوری امت مسلمہ کو دہشت گرد گردانا جائے۔؟

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ کے ساتھ ساتھ اسلام کے عمومی احکام بھی اس امر کے متقاضی ہیں کہ دنیا میں ظلم واستبداد اور ناانصافی کا خاتمہ ہو۔ انسانوں میں باہمی محبت و مروت اور احترام کی فضا قائم ہو۔ امن و سلامتی کو فروغ دینے اور اس کی ضد فساد اور دہشت گردی کو روکنے کیلئے اسلام نے واضح احکام دیے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالی نے یہ اصول وضع فرمایا کہ روئے زمین پر وہی افراد یا نظام قائم رہے گا جو انسانیت کی بھلائی اور خیر کا ضامن ہوگا۔ وَاَمَّامَایَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ کہ جو چیز انسانوں کیلئے نفع رساں ہے وہی روئے زمین پر قرار پاتی ہے۔ اس لئے اسلام میں اصلی حالت امن ہے اور جنگ ایک عارضی امر ہے جس کا تدارک ضروری ہے اور اسے بلا ضرورت نہ مسلط کیا جائے اور نہ ہی طول دیا جائے۔

۲۔ جنگی حالات ختم کرنے کیلئے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو دوسرا اصول یہ عطا فرمایا کہ اگر آپ کا مدمقابل جنگ ختم کر کے امن و سلامتی اور صلح وآشتی پر آمادہ ہو تو مسلمان بھی سلامتی کا راستہ اپنائیں۔ "وَاِنْ جَنَحُوْالِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَاوَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" اور اگر وہ (دشمن) امن و سلامتی کی جانب مائل ہوں۔ تو آپ بھی اسی جانب جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ اس آیت سے یہ اصول ملتا ہے کہ جنگ ایک وقتی اور عارضی امر ہے۔ اسے طول دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب دشمن امن و سلامتی کا طالب ہو تو مسلمان کو بلا جواز جنگ کو طول دینے سے منع کیا گیا ہے۔

۳۔ اس بات میں قرآن حکیم نے تیسرا اصول یہ عطا کیا ہے کہ مسلمان کسی حال میں بھی اعتداء (Agression) کا ارتکاب نہیں کریں گے اور اگر ان پر زیادتی کی جائے تب بھی وہ جادہ ء اعتدال سے نہیں ہٹیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فمن اعتدی علیکم (پس جو آپ پر زیادتی کرے آپ بھی اس
فاعتدوا علیه بمثل پر زیادتی کر لیں لیکن اسی قدر زیادتی کریں
ما عتدی علیکم جس قدر اس نے آپ پر زیادتی کی ہو)

اس اصول کے ذریعے یہ اجازت دی جا رہی ہے کہ دشمن سے صرف برابری کا سلوک کیا جائے اور اس پر زیادتی نہ کی جائے۔

۴۔ اسلام نے صرف زیادتی کرنے سے ہی منع نہیں کیا بلکہ اس نے انسانوں سے رحم، شفقت اور محبت کے تعلقات استوار کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی:

الراحمون یرحمھم الرحمن' (اللہ رحمان انہی پر رحم کرتا ہے جو دوسروں
ارحموا من فی الارض پر رحم کرتے ہیں۔ آپ اہل زمین پر رحم کریں
یرحمکم من فی السماء تو آسمان والا آپ پر رحم کرے گا۔)

یہ اصول بتاتا ہے کہ انسانوں سے رحم کا برتاؤ کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے نہ کہ دہشت گردی س اور زمین پر فساد برپا کرنے سے۔

۵۔ اس سلسلے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں۔ اور ایک خاندان یا کنبہ کے افراد باہم زیادتی یا ظلم نہیں کرتے۔ بلکہ کنبہ کا ہر فرد اپنے کنبہ کیلئے نفع رساں ہوتا ہے۔ صاحب خلق عظیم ﷺ

نے یہی اصول اس طرح بیان فرمایا:

الخلق عيال الله احبهم الى الله انفعهم لعياله (۶۷) (تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین انسان وہ ہے جو اس کے کنبہ کیلئے سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ جبکہ دہشت گردی ضرر رسانی کا دوسرا نام ہے)

۶۔ اسلام نے ایک اور اصول متعارف کرادیا ہے "تو خذمن اغنیائهم وتردالی فقرائهم" مسلمان مالداروں سے مال لیا جائے گا اور فقراء میں تقسیم کیا جائے گا تاکہ معاشرے کے پسماندہ طبقے بھی ضروریات زندگی حاصل کر سکیں۔ صحابہ کرامؓ مشرکین کو صدقات اور خیرات نہیں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ (۶۸) (جو تم بھلائی میں سے خرچ کرو گے وہ تمہارے لئے ہی ہے۔ اس اصول پر مسلمانوں نے عمل کیا۔ حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے اپنی مشرک والدہ کی مالی مدد کی اور حضرت عمر فاروقؓ نے ایک بوڑھے مجوسی کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا اس کا جزیہ معاف کردیا اور فرمایا "مساکین" سے مراد اھل کتاب ہیں اس لئے ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔ کیا ایسے انسان دہشت گرد ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہی خیر کے امین اور امن و سلامتی کے خوگر ہوتے ہیں۔ جو انسان کو بطور انسان معزز مانتے ہیں۔

۷۔ انسانوں سے عمدہ سلوک کرنے اور رحم و شفقت سے پیش آنے کو ایمان

کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ گویا جو مسلمان انسانوں سے بے رحمانہ سلوک کرتا ہے اس کا ایمان ناقص ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: لایومن احدکم حتی یحب للناس مایحب لنفسہ" کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ انسانوں کیلئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنی ذات کیلئے پسند کرتا ہے۔

۸۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَزِیزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ (وہ تمہاری تکلیف آپ پر شاق گزرتی ہے (۶۹)

یہ وہ چند احکام ہیں جو ہر مسلمان کو انسانوں سے عمدہ تعلقات استوار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور اسے انسانوں سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرنے کا درس دیتے ہیں۔ ان احکام کی روشنی میں مسلمانوں کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا کہ وہ دہشت گرد اور فسادی ہیں حقائق کے منافی بھی ہے اسلامی تعلیمات اور انسانی فطرت سلیمہ کے خلاف بھی ہے۔ کیونکہ اسلام انسانی جان کا بہت احترام کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ" اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا مگر حق کیلئے چنانچہ حدود و قصاص کی سزاؤں کے سوا کسی بھی انسان کو اس کی جان و زندگی سے محروم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسلام میں قتل گناہ کبیرہ ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ چنانچہ مسلمان دہشت گردی یا کسی اور طریقہ سے انسانی جان تلف نہیں کرتا اور نہ ہی وہ انسانی وسائل کو نقصان پہنچاتا ہے۔ بلکہ وہ ان کی حفاظت کرتا اور زمین پر امن و سلامتی کو فروغ دیتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا۔ اور نہ ہی حالت جنگ میں زیادتی کرنے کو جائز تصور کرتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو

جہاد کی اجازت بھی مشروط طور پر دی گئی کہ وہ زیادتی کا ارتکاب نہ کریں" وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین "(اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرو جو تمہارے ساتھ بر سر پیکار ہوں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالی زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جو جنگ سے پہلے' دوران جنگ اور جنگ کے بعد بھی حالات میں نافذ رہے گا۔ اور مسلمانوں کو فساد اور زیادتی سے روکتا رہے گا۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ "مقاتلہ" استعمال ہوا ہے جو جانبین سے جنگ لڑنے کی نشان دہی کرتا ہے' اسی طرح "یقاتلونکم" کے ذریعے بتایا گیا کہ جہاد انہی افراد کے خلاف ہوگا جو عملی طور پر جنگ میں شریک ہوں۔ اور جو افراد بالواسطہ یا بلاواسطہ جنگ میں حصہ نہ لیں' ان کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے جائیں گے۔ چنانچہ نہتے شہریوں' خواتین' بچوں' بوڑھوں' اور عبادت خانوں میں عبادت کاروں کو نہ قتل کیا جائے گا اور نہ ہی ان پر جنگ کے اثرات مرتب ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد کیلئے لشکر روانہ فرماتے تو انہیں یہ ہدایت فرماتے۔

(ترجمہ) اللہ تعالی کا نام لے کر روانہ ہوں' جن لوگوں نے کفر کیا ان کے خلاف اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کریں کسی کو دھوکہ نہ دیں' امانت میں خیانت نہ کریں' کسی کو مثلہ نہ بنائیں اور نہ بچوں کو قتل کریں اور نہ ہی ایسے افراد کو قتل کریں جو اپنی عبادت گاہوں میں ہوں۔

اسی طرح خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلامی لشکر روانہ کیا تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا: "ولا تقتلن امراۃ ولا صبیۃ ولا کبیرا" کہ خواتین' بچوں اور بوڑھے افراد کو قتل نہ کریں۔ ان ہدایات سے ہم باآسانی یہ نتیجہ

اخذ کر سکتے ہیں۔ کہ مسلمان حالت جنگ اور حالت امن میں انسانوں سے محبت کرنے کے پابند ہیں۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ انسانوں کو امن و سلامتی کی دعوت دیں" فلا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون" کہ آپ لوگ نہ کمزوری دکھائیں اور لوگوں کو امن و سلامتی کی طرف دعوت دیں اور آپ لوگ ہی کامیاب رہیں گے۔

جانوروں پر مہربانی: ممتاز محقق، مفکر، دانشور اور شہرت یافتہ مجلہ "منہاج" کے مدیر اعلیٰ جناب حافظ محمد سعد اللہ نے اپنی صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب" غریبوں کے والی" میں حضور اکرم ﷺ کے جانوروں پر مہربانی کا بڑے خوبصورت انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں :

"نبی رحمت ﷺ نے ایک نفسیاتی پہلو سے بھی حیوانات کے ساتھ نیکی اور ہمدردی کرنے کی ترغیب دلائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح انسانوں کے ساتھ حسن سلوک، ایثار اور احسان کرنا ثواب کا کام ہے بعینہ چرندوں، پرندوں اور جانوروں کے ساتھ احسان کرنا بھی موجب ثواب اور باعث رحمت وبخشش ہے اور یہ امید کسی عمل کیلئے بہت بڑا محرک اور مؤثر ترین داعیہ ہے۔ ایک صحابی حضرت سراقہ بن جعشمؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول مقبول ﷺ سے پوچھا کہ میں نے خاص اپنے اونٹوں کیلئے پانی کے جو حوض بنائے ہیں، ان پر بعض اوقات بھولے بھٹکے اونٹ بھی آجاتے ہیں تو کیا ان کے پلانے پر میرے لئے کوئی اجر وثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہر پیاسے ذی حیات کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ثواب ہے۔"(۷۰)

حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کو جانوروں کے ساتھ عمدہ دیکھ بھال کی تلقین فرماتے۔ اگر کسی جانور کو بد حال دیکھتے تو فرماتے :

"ان بے زبانوں کے بارے میں خدا سے ڈرو' ان پر سواری بھی اچھے طریقے سے کرو اور ان کو کھانا بھی عمدہ طریقے سے دو" (۷۱)

اگر کسی جانور کے منہ پر داغ لگے نظر آتے تو سخت خفا ہوتے اور فرماتے :

"کیا تمہیں مری بات نہیں پہنچی کہ میں نے بے زبانوں کے منہ پر داغ لگانے اور ان کی شکلیں بگاڑنے سے منع کیا ہے" (۷۲)

اگر کسی کو مرغ کی سحر انگیزی کی وجہ سے شکایت پیدا ہوتی تو فرماتے :

"مرغ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ نماز کیلئے جگاتا ہے" مزید فرمایا :

"جب تم مرغ کی آواز سنو تو خدا سے اس کا فضل مانگو کیونکہ وہ کسی رحمت کے فرشتے کو دیکھ کر بولتا ہے" (۷۳) مزید فرمایا :

"اگر کسی کے لگائے ہوئے کھیت یا پودے کو کوئی جانور یا پرندہ چر جائے تو لگانے والے کو صدقہ کا اجر ملے گا" (۷۴)

غور کیا جا سکتا ہے کہ اگر سرور دو عالم ﷺ کی جگہ صحیح معنوں میں کوئی جنگ جو شخصیت میدان میں آئی ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو بدر کے عرصہ پیکار میں یہ ہدایات دیں کہ بنو ہاشم کو قتل نہ کرنا' کیونکہ وہ اپنی مرضی سے لڑنے نہیں آئے۔ چار و ناچار شامل ہیں۔ عباس بن عبد المطلب اور ابو البختری بن ہشام کو نہ مارنا (سہواً مؤخر الذکر مارا گیا) کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ بدر کے قیدیوں کی بے چینی سے متاثر ہو کر مدینہ کے فتح مند حاکم سکون سے سو نہ سکے۔ اور شب میں جا کر ان کی بندشیں ڈھیلی کرائے؟ کیا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خونریزی کیلئے کوئی اصحاب خنجر اٹھاتا ہو تو وہ عین حالت جنگ میں مکہ کی درخواست پر غلہ کی رکی ہوئی رسد یمامہ سے جاری کراتا۔ بلکہ پانچ سو اشرفیاں قحط

زدہ غرباء کیلئے اپنی جانب سے بھجواتا' اور پھر فتح مکہ کے دن جس شخص کا پھریرا آسمانوں میں اڑا رہا تھا وہ اگر محمد ﷺ کے بجائے کوئی اور ہوتا اور اس کا مشن نظام حق کے غلبہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو کیا وہ پندرہ بیس برس کے وحشیانہ مظالم کے زخموں کی بھاری تاریخ کو طاق عفو پر ڈال کر " لاتثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم طلق[۹] کا اعلان کر سکتا؟ جی نہیں' کوئی دوسرا ہوتا تو مکہ کی گلیوں میں قریشی خون کے دریا بہہ گئے ہوتے۔

دراصل حضور اکرم ﷺ کو اگرچہ چاروناچار میدان جنگ میں اترنا پڑا' کیونکہ شہادت گوالفت کے باہر سے کوئی راہ نصب العین کی طرف جاتی نہ تھی' لیکن آپ زمین کے ٹکڑوں کے بجائے روحوں کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ آپ تلوار کے زور سے بدنوں کو مطیع بنانے کے بجائے دلیل سے دماغوں کو اور اخلاق سے دلوں کو مسخر کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کا اصل معرکہ رائے عام کے میدان میں تھا اور اس میدان میں حریفوں نے زک پہ زک اٹھائی۔ اور تیزی سے بازی ہرتے چلے گئے۔ جنگی کارروائی اس تصادم کا بہت چھوٹا جزو ہے جو حضور ﷺ کو انقلاب دشمنوں سے پیش آیا۔

حضور اکرم ﷺ کی جنگی پالیسی : محسن انسانیت ﷺ کی جنگی پالیسی کا اساسی کایہ یہ تھا کہ مخالف عنصر کا خون بہانے کے بجائے اسے بے بس کر دیا جائے تا آنکہ یا تو وہ تعاون کرے یا وہ مزاحمت چھوڑ دے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے ابواب کو جن محققین و مفکرین نے ہمارے سامنے بے نقاب کیا ہے ان میں ارض ہندوپاک کا ایک مایہ ناز فرزند ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ہے۔ موصوف نے سرور عالم ﷺ کی جنگی پالیسی کو یوں بیان کیا ہے۔

"اصل میں آنحضرت ﷺ نے دشمن کو نیست و نابود کرنے کی

جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا" (۷۵)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ :

"آنحضرت ﷺ کی سیاست قریش کو تباہ و نابود کرنے پر نہیں بلکہ بالکل محفوظ رکھ کر بے بس اور مغلوب کر دینے پر مشتمل تھی" (۷۶)

اپنے اس نظریے کو حضور ﷺ کی اختیار کردہ تدابیر کی تفصیل دے کر اور سلسلہ واقعات پر تبصرہ کر کے فاضل محقق نے بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے۔

اس پالیسی کے لئے حضور پاک ﷺ نے عملی خطوط حسب ذیل اختیار کیے :

اپنی دفاعی طاقت کو تعداد، تنظیم، جفاکشی، جنگی تیاری اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے تیزی سے نشوونما دی اور پھر اس کو مشین کی طرح نقل و حرکت میں رکھا اور مخالف طاقتوں کو مرعوبیت اور خوف کا ہدف بنایا۔

مکہ والوں کی تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی (Bloakade) کر کے ان کا زور توڑ دیا۔

معاہداتی رابطوں کے ذریعے مختلف قبائل کو تدریجاً دشمن سے توڑ کر اپنے ساتھ لے لیا۔

فوجی کارروائی کیلئے کبھی اچانک کسی موقع پر دشمن کو تیاری کا موقع دیئے بغیر جالیا (مثلاً فتح مکہ) کبھی غیر متوقع راستے اختیار کر کے اور نقل و حرکت کی منزل مقصود کو اخفا میں رکھ کر مخالف طاقت کو غلط فہمی میں ڈالا (مثلاً غزوہ بنو مصطلق) کبھی اپنا نقشہ جنگ پہلے سے اپنے حق میں بنالیا۔ (مثلاً معرکہ بدر) اور کبھی کوئی ایسی نئی دفاعی تدبیر اختیار کرلی جس کا تجربہ دشمن کو نہ رہا ہو (مثلاً غزوہ خندق)

ریاست مدینہ کا پورا دہ سالہ نظام دفاع مذکورہ بالا اصولی پالیسی کا بین ثبوت ہے۔ پھر جب ہم اس کے ساتھ سرور عالم ﷺ کے اس عالی ظرفانہ نقطہ

نظر کو لیتے ہیں جو اپنے اندر کسی فاتح کے بجائے ایک مشنری کی سی روح رکھتا ہے اور ایک جنگ جو کے سے جذبہ غیظ و غضب کے بجائے ایک معلم کی سی ہمدردی و خیر خواہی کے گہرے احساس کا ترجمان ہے تو وہ تمام معترضانہ نکتہ آرائیاں عبث قرار پاتی ہیں جو کرنے والوں نے کیں اور پھر ہم ان کی صفائی دینے کیلئے نقشہ واقعات ہی کو مسخ کرنے بیٹھ گئے۔ حضور اکرم ﷺ کے سینے میں انسانیت کیلئے جو ہمدردانہ جذبہ اصلاح کار فرما تھا اسے عیاں کرنے کیلئے ہم چند مرقعوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مکہ میں جب مظالم کا دور شدت اختیار کر گیا اور قریش کے آفتاب غضب میں بڑی تمازت آگئی تو اس وقت تشدد کے محاذ پر دو سر گرم ترین افراد حضور ﷺ کے سامنے تھے۔ ایک ابو جہل' دوسرے ابن الخطاب۔ ایسے کٹر دشمنوں کے بارے میں کسی دنیوی سیاست کار کا ذہن سخت عناد میں پڑے بغیر نہ رہتا۔ اور وہ دل سے ان کی ہلاکت کا خواہاں ہوتا۔ لیکن تشدد کی گرم بھٹی میں اذیت برداشت کرتے ہوئے حضور ﷺ یہ دعا کرتے ہیں کہ خدا ان دونوں میں سے کم سے کم کسی ایک کو اسلامی محاذ پر لے آئے۔ یہ دعا گواہی دیتی ہے کہ انسانیت کا معمار اپنے مخالفوں کی ہلاکت پر ان کی اصلاح کو ترجیح دیتا تھا اور آخر دم تک ان سے اچھی امیدیں رکھتا تھا۔ اور یہ دعا حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پوری ہوئی۔

دوسرا موقع طائف کے باشندوں کے ہاتھوں ان کی خیر خواہی کے جرم میں زخمی ہونے کا ہے۔ دنیوی سیاست کے کسی علمبردار سے اس موقع پر آپ اس کے علاوہ کچھ توقع نہیں کر سکتے کہ اس کے دل کے دروازے ان لوگوں کیلئے ہمیشہ بند ہو جائیں اور اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت پوری بستی کو الٹ دیتا ورنہ یہ زخم

اس کے کلیجے میں عمر بھر ہرا رہتا اور جب بھی اسے قوت حاصل کرنے کے بعد پہلا موقع ملتا تو وہ ایسے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ حضور ﷺ کے ساتھی کا کلیجہ طائف کی اس ظالمانہ کاروائی سے جب شق ہوتا ہے تو وہ فی الواقع اسی نہج پر سوچتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ ان لوگوں کیلئے بددعا کیجئے۔۔۔ بلکہ جبرئیلؑ بھی جذبہ پنہاں کے امتحان کیلئے یہ پیش کش کر دیتا ہے کہ اشارہ ہو تو کوہستانوں کا فرشتہ مکہ اور طائف کو پہاڑوں کے درمیان پیس کے رکھ دے مگر حضور ﷺ کہتے ہیں کہ نہیں۔ یہ لوگ نادانی کی وجہ سے غلط روش پر چل رہے ہیں۔ یہ اگر نہیں مانتے تو ان کی اولادیں سچائی کا پیغام قبول کر کے خدائے واحد کی پرستار نہیں ہو گی۔

تیسرا موقع وہ ہے جب کہ میدان احد میں مسلمانوں کو بعض کوتاہیوں کی وجہ سے خدا کی طرف سے انتباہ ہزیمت میں ڈالا گیا تھا۔ اور خود حضور ﷺ کو شدید قسم کے زخم آئے تھے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ انتہائی تلخ جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ ان حالات سے بظاہر بجا طور پر متاثر ہونے والے بعض ساتھیوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ان مشرکوں کیلئے خدا سے بددعا کریں کہ ان پر بھی لعنت برسے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ مجھے لعنت برسانے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ ایک پیغام پہنچانے اور رحمت کا مژدہ سنانے پر مامور ہوں۔ یہ کہہ کر میدان جنگ میں حملہ کر کے سخت نقصان پہنچانے والے دشمنوں کیلئے دعا یوں فرمائی کہ "اے اللہ! میری قوم کے لوگوں کو ہدایت دے۔ کیونکہ وہ (اصل حقیقت کو) جانتے نہیں ہیں" یعنی قریش کی تلواروں کے زخم کھا کر بھی یہ جذبہ نہیں اٹھتا کہ ان کو تہس نہس ہو جانا چاہیے بلکہ حالت جنگ میں بھی یہی آرزو اور امید ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

"غزوہ خیبر کی مہم کے دوران میں قلعہ قموص کو فتح کرنے کیلئے حضرت علیؓ کو سرور عالم ﷺ نے علم خاص عنایت فرماتے ہوئے تاکید کی کہ :

"اے علیؓ اگر تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت ہوگئی تو یہ تمہارے لئے سب سے بڑی نعمت ہوگی"

یعنی اصل مطلوب دشمن کا جانی نقصان اور خونریزی نہیں ہے بلکہ فوقیت اس بات کو ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد کے دل و دماغ میں تبدیلی واقع ہو اور وہ نظام نو کو قبول کرلیں۔

یہ چند نمایاں مواقع ہم نے محض بطور نمونہ لے لئے ہیں ورنہ ایسے شواہد کی کمی نہیں جن سے حضور اکرم ﷺ کا بنیادی نقطہ نظر سامنے آجاتا ہے۔ جنگجو اور خونریزی کرنے والے لوگ مغضوب الغضب اور جلد باز ہوتے ہیں۔ خلاف اس کے ہم انسانیت کے محسن کو ٹھنڈے عزم اور لمبے حوصلے سے آراستہ پاتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی سیاست میں قوت کے استعمال کے بجائے حکمت وزیرک کام کرتی دکھائی دیتی ہے۔ سیاسی حکمت وزیرکی کا اس سے بڑا معجزانہ ثبوت اور کیا ہوگا کہ حضور ﷺ مدینہ میں جاتے ہی مختلف عناصر کو گفت وشنید سے جوڑ جاڑ کر اسلامی سلطنت کی اساس رکھ دیتے ہیں۔ کسی انقلابی نظریے پر بغیر ایک قطرہ خون بہائے نظام ریاست کو یوں استوار کردینے کی مثال شاید ساری تاریخ میں نہ مل سکے گی۔ صحیح معنوں میں غیر خونی (Bloodness) انقلاب ہمیں یہی ایک ملتا ہے جس کی بنیادوں میں انسانی خون کا ایک قطرہ نہ گرا اور جس کی نیو کے پتھروں میں کسی ایک فرزند آدمؑ کا لاشہ شامل نہیں ہے۔ یہ محیر العقول واقعہ خود مزاج نبوت کی مخصوص شان کا ترجمان ہے۔

یہ بھی نہ بھولئے کہ واقعاتی تاریخ خود گواہ ہے کہ اسلامی ریاست کی

ساری جنگی کارروائیاں قریش اور ان یہودی قبائل کے خلاف ہوتی ہیں جنہوں نے اسے مجبور کر کے میدان جنگ کی طرف کھینچا ہے۔ بقیہ سارا عرب اپنی معمول کی زندگی میں سرگرم رہا۔ تھوڑے سے علاقے کو چھوڑ کر باقی ماندہ خطے میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ بلکہ عرب کی عام آبادی دونوں طاقتوں کے مقاصد' کردار اور سیاسی قوت کا خاموشی سے جائزہ لیتی رہی اور جب مسلم طاقت نے اپنی فوقیت ہر پہلو سے ثابت کر دی' تو مختلف علاقوں اور قبیلوں کے نمائندہ وفود نے آگے بڑھ بڑھ کر اسلام کو لبیک کہی۔ یہ امر کسی بھی تحقیق پسند کی توجہ کھینچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمام بڑی بڑی لڑائیاں' بدر' احد' احزاب دشمن نے بہ حیثیت حملہ آور مدینہ کے گرد و پیش میں خود آکر لڑی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کو مجبور کر دیا ہے کہ اس سلسلے کا خاتمہ کرنے کیلئے دشمن کے مراکز قوت کو زیر نگین کریں۔ چنانچہ قریش اور ان کے حمایتیوں کا زور توڑنے کیلئے مدینہ کی طرف سے ایک ہی بار فیصلہ کن اقدام ہوا۔ اور فتح مکہ کے بعد حنین اور طائف کے معرکوں نے حریف کی قوت ختم کر دی۔ دوسری طرف کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ یہود کے اڈے اکھیڑ دیئے گئے۔

ان تمام حقائق سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر طرح کے ظلم و جبر' استبداد اور دہشت گردی سے روکتا ہے اور جو شخص کسی بھی وجہ سے دہشت گردی میں ملوث ہوتا ہے۔ وہ اس کا انفرادی فعل ہے۔ جیسے وہ دوسرے بہت سے برے کام کرتا ہے۔ اس لئے کسی بھی فرد کی ذاتی دہشت گردی یا فساد کو پوری امت کا فعل قرار دینا قانونی' اخلاقی اور تہذیبی ہر لحاظ سے درست نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس امت مسلمہ ایک پرامن ادارہ ہے جو خود بھی پرامن انداز میں زندہ رہنے کا متمنی ہے اور دوسروں کو بھی پرامن حالات میں زندہ رہنے

کا حق دیتا ہے۔ اگر ہمیں کہیں تشدد یا دہشت گردی کی کوئی شکل دکھائی دیتی ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے امریکی سلامتی کے ادارے کی محقق جوسی دافیس رقم طراز ہیں :

اسلامی تنظیمیں اس وقت تشدد پسندی کی راہ پر چل نکلتی ہیں' جب ان پر پرامن سیاسی ماحول میں کام کرنے کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر یہ قوت کے ذریعے حکومتیں جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کرتی ہیں" اسی امریکی وضاحت دہشت گردی کے انسداد کی امریکی رپورٹ میں بھی کی گئی ہے کہ اس رپورٹ میں جن تنظیموں کا ذکر ہے اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ان تنظیموں کے تمام ارکان دہشت گرد ہیں۔ بلکہ ان تنظیموں کے چند افراد ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہوئے ہیں۔ وہی چھوٹا سا گروہ اس رپورٹ کا موضوع ہے۔(۷۷)

یہ غیر مسلم محققین کی ان آراء سے بھی ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے کہ مسلمان ملت اسلامیہ کی حیثیت سے دہشت گرد نہیں ہیں۔ مذہبی جنونیوں کا چھوٹا سا گروہ ایسی غیر انسانی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ یہ گروہ بھی انسانی برادری کا حصہ ہے۔ اس لئے اس کے افراد کو موردِ الزام ٹھہرانے کی بجائے ان کی اصلاح کی جائے تاکہ یہ افراد بھی انتقام کی دنیا سے نکل کر مذہب انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں' اس روئے زمین سے دہشت گردی ختم ہو اور انسان پر سکون زندگی بسر کرے۔

میں مغرب کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام پر ایک جھوٹی تہمت' یہ دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا مسئلہ' یہ مذہب کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ دو مختلف زاویہ نگاہ ہیں یا یہ سیاسی ایشو ہے۔ پاکستان کے اندر جو دہشت گردی آپ کو نظر آ رہی ہے وہ مذہبی عناصر کی دہشت گردی نہیں ہے یہ یا تو انڈیا کے ایجنٹ سیاسی عدم

استحکام پیدا کرنے اور پاکستانی معاشرے کا امن چھیننے اور اسے کمزور کرنے کیلئے اور اس خطے میں اپنی پاکستانی بالادستی کو مسلط کرنے کیلئے کردار ہا ہے یا دوسری صورت یہ ہے کہ یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔ یہ مذہبی دہشت گردی نہیں ہے اس کا سبب جہالت ہے۔ غربت ہے۔ اس کا سبب جرائم ہیں۔ کس معاشرے میں جہالت جرائم اور قتل و غارت گری نہیں ہوتی؟ انتہا پسندی نہیں ہوتی؟ کیا بھارت میں جرائم نہیں ہوتے مگر انڈین دہشت گردی دنیا کو نظر نہیں آرہی کیا چین میں نہیں ہوتی۔ کیا جاپان میں نہیں ہوتی کیا امریکہ میں نہیں ہوتی کیا اسرائیل کھلی دہشت گردی نہیں کرتا۔

مسئلہ یہ ہے کہ کسی اور معاشرے میں اگر دہشت گردی ہوتی ہے تو دنیا کی بہت بڑی آنکھ کو وہ دہشت گردی دکھائی نہیں دیتی مگر اسلام کے معاشرے میں کچھ جرائم پیشہ لوگ یہ دہشت گردی کرتے ہیں تو ان کا کالا جرم پوری امت کے ماتھے پر لگا دیا جاتا ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا لوگوں کے پاس روزگار نہیں ہے۔ وسائل نہیں ہیں دولت کی تقسیم منصفانہ نہیں ہے۔ لوگ ذہنی الجھاؤ کا شکار ہیں۔ کوئی خودکشی کی طرف چل پڑتا ہے اور کسی سے جرائم بھی سرزد ہو جاتے ہیں لیکن مجموعی طور پر ہمارے ملک میں ہونے والے جرائم امریکہ میں ہونے والے جرائم سے کہیں کم ہیں۔ اگر کوئی خود سوزی کی طرف چل پڑتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو کیوں ماروں اور جلاؤں میں دوسروں کا گھر کیوں نہ جلاؤں وہ دوسروں کا گھر لوٹتا ہے کوئی کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو خودکشی کرنے کی بجائے دوسرے پر گولی کیوں نہ چلاؤں۔ وہ انتقام لیتا ہے۔ تو یہ اپنی معاشرتی ناہمواریاں ہیں۔ جن سے دہشت گردی جنم لیتی ہے۔ علم کی کمی کی وجہ سے معاشرے کے مختلف طبقات میں رواداری پیدا نہیں ہوتی۔ اختلاف رائے کو برداشت نہیں

کرتے۔ کراچی میں عدم برداشت کے نتیجے میں قتل وغارت گری ہوتی ہے۔ کوئٹہ بلوچستان میں لسانی فسادات کئی بار ہوئے ہیں۔ کبھی پختونوں اور سندھیوں کے ہوئے ہیں، کبھی پنجابی اور سندھی کے ہوئے ہیں، کبھی بلوچیوں اور پختونوں کے، کبھی مہاجر اور پنجابی کے درمیان ہوئے ہیں۔ یعنی مذہبی عنصر وہاں وجہ فساد نہیں ۔اس طرح سیاسی گروہ بندیاں ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتا۔ اقتدار میں آنے والے اپوزیشن کو برداشت نہیں کرتا۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہ عدم برداشت ہے۔ یہ حالات کم وپیش ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

اسلامی اور مغربی ممالک میں امن کا تقابلی جائزہ

اسلامی اور مغربی ممالک میں امن کا تقابلی جائزہ لینے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ جنگ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ اس کی کیا وجوہات ہوتی ہیں۔ اسلام تو امن وسلامتی کی ضمانت کا نام ہے پھر پیغمبر امن وسلامتی کو جنگیں کیوں لڑنا پڑیں ؟

ضرورت جنگ : جنگ ناگوار ہے لیکن ناگزیر بھی ہے۔ یہ سراپا ہلاکت وتخریب ہے لیکن محافظ حیات وتعمیر بھی ہے۔ جراح کے نشتر سے درد بھی ہوتا ہے اور خون بھی بہتا ہے لیکن مواد فاسد کے نکالنے کا چارہ کار بھی یہی ہے۔ دوائی کی کڑواہٹ ناگوار ہے لیکن عالی صحت کیلئے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔ جب تک دنیا میں شر موجود ہے خیر کو اس سے الجھنا ہی پڑے گا۔ جب تک ظلم کی چیرہ دستیاں موجود ہیں ان کو روکنے کا انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ جب تک جبر وجور بے لگام رہیں گے عدل وانصاف کو اپنا تحفظ کرنا ہی پڑے گا اور پھر یہ اصلاً وجہ ارتقاء بھی ہے۔ جنگ کی ظلمتوں کے بعد ہی امن وسعادت کی صبح روشن ومنور ہوتی ہے

اور جنگ کی بادِ سموم کئی بار امن کی نسیم بہار کی پیامبر ہوتی ہے۔ جیسے :

- ☆ دشمن مسلمانوں کو دین کے احکام پر عمل نہ کرنے دے
- ☆ دشمن اسلامی ریاست پر حملہ کر دے
- ☆ دشمن وعدہ خلافی کا مرتکب ہو
- ☆ دشمن مسلمانوں کو گھروں سے نکال دے
- ☆ دشمن عبادت گاہوں کی تخریب اور انہدام کے درپے ہو
- ☆ دفاعی حیثیت یا حفاظت خود اختیاری مقصود ہو
- ☆ مظلوم مسلمانوں کی حمایت کرنا لازم ہو
- ☆ عہد شکنی کی سزا دینا مقصود ہو
- ☆ سرحدوں کی حفاظت کرنا لازم ہو
- ☆ امن و امان کی بحالی مقصود ہو
- ☆ اعلائے کلمۃ الحق کی بلندی مقصود ہو

تو جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔

اسلام امن و سلامتی کی ضمانت : اسلام کے معنی ہی سلامتی کے ہیں اور امن کی ان ضمانتوں میں سے اعلیٰ ترین زندگی کی ضمانت ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (۷۸)

(جس جان کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے حق کے سوا مت قتل کرو)

اس حکم میں ہر نفس دوسرے کی مانند ہے اور اسے بلا قید و شرط حفاظت کا حق حاصل ہے۔ ہاں قتل حق ہو تو یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ ایک نفس کا قتل تمام انسانوں کے قتل کے برابر ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی دائمی شریعت میں ہر زمانے

کے اندر یہ اصول کارفرما ہے۔

مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاهَا فَقَدْ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (۷۹)	(اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم فرض کیا کہ جو کوئی کسی جان کو قصاص کے علاوہ یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کرے تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے زندہ رکھا تو گویا اس نے سب انسانوں کو زندہ رکھا۔)

پھر فرمایا:

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (۸۰)	(اور جس نے عمداً کسی ایماندار کو قتل کیا تو اس کی سزا دوزخ ہے وہ اس میں لمبا عرصہ رہے گا اور اللہ نے اس پر غضب و لعنت کی اور اس کے لئے بڑی سزا تیار کر دی ہے)

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یایھاالذین امنو کتب علیکم القصاص فی القتلی (۸۱)	(اے ایمان والو! مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا)

سورہ المائدہ میں بنی اسرائیل کو دیئے گئے احکام تورات کے سلسلے میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

(اور ہم نے ان پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک دانت کے بدلے دانت اور دوسرے سب زخموں کا بھی قصاص ہوگا)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے :

مَنْ قتل عبده قتلناه ومن جدع عبده جدعناه (۸۲)

(مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان کیلئے لائق احترام ہے۔ اس کا خون بھی اور عزت و مال بھی)

سورہ الانفال میں مخالفین اسلام کے ایک گروہ کے حق میں یوں حکم نافذ فرمایا :

(اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک جا اسی کی طرف۔)(۸۳)

امن عالم کا تقابلی جائزہ

حضور اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار اعظم : آپ ﷺ کی زندگی کا یہ پہلو بھی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی طرح روشن و تابناک اور اسوہ کامل ہے۔ یہ درست ہے کہ آپ ﷺ کو حق پرستی کی خاطر ان تمام جنگوں میں تائید ایزدی حاصل رہی مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی فتح و کامرانی صرف فرق عادت یا معجزے کا نتیجہ رہی بلکہ اس میں بہت کچھ آپ ﷺ کی حکمت عملی، عسکری بصیرت، مجاہدین کی تربیت اور معاملہ فہمی وغیرہ کا عمل دخل تھا۔

تاریخ جنگ میں کئی مثالیں ملیں گی جہاں آزادی کے نام پر تلوار اٹھائی گئی مگر اختتام پر آزادی کے نام لیواؤں نے دوسروں کی آزادی سلب کرنے سے دریغ نہ کیا۔ امن کے نام پر لاتعداد انسانی بستیوں کو امن و امان سے محروم کر دیا، مگر آپ ﷺ کے غزوات کا مقصد صرف دو صورتوں میں ظاہر ہوا ہے یا تو اپنے دفاع کیلئے جنگیں لڑی گئیں یا پھر اصلاح اور قیام امن کی خاطر جنگی اقدامات کئے گئے۔ اگر کسی جنگ سے جنگ کا اختتام وجود میں آیا ہے تو وہ حضور اکرم ﷺ کی جنگ تھی جو نو سال بعد جزیرۃ العرب کو صرف امن و امان ہی نہیں بلکہ وہ مقام

عطا کر گئی کہ جنہوں نے کعبۃ اللہ کی دیوار کے سائے میں گردنیں جھکالی تھیں' جو آزاد کر دیئے گئے تھے وہ فاتح بن کر افق عالم پر نمودار ہوئے۔

بحیثیت سپہ سالار آپ ﷺ کی مثالی حیثیت میں ہمیں جو اسوہ حسنہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کا مقصد صرف کشور کشائی ہی نہیں بلکہ دنیا میں امن داماں اور عدل وانصاف کا قیام ہے۔ پھر آپ ﷺ نے جنگ کا پورا ضابطہ اخلاق دیا ہے۔ مثلاً :

۱۔ دشمن پر غفلت میں حملہ نہ کیا جائے

۲۔ کسی دشمن بلکہ کسی انسان کو بھی) آگ میں نہ جلایا جائے۔

۳۔ عین حالت جنگ میں بھی معاہدے کی پابندی کی جائے

۴۔ صلح کی صورت میں منصفانہ شرائط رکھی جائیں اور صلح نامے کی پابندی کی جائے۔

۵۔ لوٹ مار کرنے کی ممانعت

۶۔ بستیوں کو ویران کرنا یا کھیتوں کو اجاڑنا منع ہے

۷۔ مثلہ کرنے کی ممانعت

۸۔ قیدیوں کو قتل نہ کرنا

۹۔ بد عہدی نہ کرنا

۱۰۔ سفیر کی حفاظت کرنا

۱۱۔ جانوروں کو ہلاک نہ کرنا

۱۲۔ عورتوں اور بچوں کے قتل سے دریغ کرنا

مشہور یورپی فاتح نپولین نے حضور اکرم ﷺ کی عسکری صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو عالم انسانیت کا ایک عظیم رہنما قرار دیا ہے۔ اس کے

اعتراف کا ایک حصہ قارئین کرام کیلئے پیش خدمت ہے۔

"His followers conquered half of the world in a short time and the discipline which they maintained under his leadership was simply marrellous , and so was their bravery , courage and devotion to the cause which they loved and cherished. This coupled with the contempt for death as taught by thier leader, made them great soldiers and fighters like of whom history rearely produes . I simply marrel at the achievments of this son of desert within a period of 15 years only a thing which Moses and Christ could not do in fifteen hundred years .

I salute this great man ; I salute the qualities of head and heart."

اسلام کا نظریہ جنگ : قبل از ہجرت مسلمانوں کیلئے جنگ کرنا ایک فعل حرام تھا۔ جب قریش کی عداوت حد سے تجاوز کر گئی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو ان کے دیار و اموال سے بے دخل کر دیا تو مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اس موقع پر مسلمانوں کو جان و مال کی حفاظت کی خاطر جہاد کی اجازت دی گئی۔

"ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے جن پر ظلم ہوا' جن پر ظلم ہوا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے۔ یہ لوگ اپنے دیار سے بغیر

کسی جائز سبب کے نکالے گئے۔ ان کا جرم اگر تھا تو بس اتنا کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔" (۸۴)

گویا مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کیلئے جنگ کرنا پہلا جواز ٹھہرا۔ حضور پاک ﷺ کی ابتدائی مہمات اسی مقصد کیلئے تھیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اکثر جنگی اقدامات دفاعی نوعیت کے تھے۔ یعنی آپ ﷺ نے اسی وقت ہتھیار اٹھائے جب آپ ﷺ کو مجبور کر دیا گیا۔ جنگ بدر' احد' خندق ان تمام میں قریش ہی حملہ آور ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے مدافعت کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرو کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" (۸۵)

رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کا تیسرا جواز مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا تھا۔ قرآن میں ہے:

"اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کرتے تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں ہاں وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد چاہیں تو ان کی مدد کرنا لازم ہے۔" (۸٦)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی اور کو حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما" (۸۷)

چوتھی صورت میں آپ ﷺ نے ان لوگوں سے جنگ کی جو بد عہدی یا عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔ ارشاد فرمایا:

"اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعن کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ یہ بے ایمان لوگ ہیں اور ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔"

معاہدہ صلح کے بعد بد عہدی کرنا دراصل جنگ کیلئے الٹی میٹم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی پر یہود بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خلاف کاروائیاں کیں۔ پھر جب قریش معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ پر حملہ آور ہوئے اور بعد میں خود ہی عہد نامہ کو منسوخ قرار دے دیا تو آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا اور اسے پرامن طور پر فتح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ کے غزوات اور مہمات کسی نہ کسی فتنہ و فساد کے خاتمہ کیلئے تھے۔ فتنہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس سے مراد ناحق خونریزی اور غارت گری بھی ہے اور کمزوروں پر جور و ستم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش، حق کی مخالفت اور ناجائز اغراض کے لئے جنگ بھی اس تعریف میں شامل ہے۔ فساد سے مراد اجتماعی اخلاف اور نظام تمدن و سیاست میں بے اعتدالی ہے۔ قرآن نے ان دونوں صورتوں میں فتنہ و فساد کے استحصال کا حکم دیا ہے۔

"اور ان سے اس وقت تک لڑائی کرو کہ فتنہ و فساد نیست و نابود ہو جائے اور خدا ہی کا دین (نظام حیات) رائج ہو جائے۔" (۸۹)

فتنہ و فساد کی ایک صورت ریاست کا داخلی انتشار بھی ہے جس سے اس کی سالمیت تک خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے ان تمام قسم کے فتنہ و فساد

کے خاتمہ کیلئے اقدامات فرمائے۔ ہوازن' غطفان' کرزبن جابر الضمری کی مہم' بنو وائل' خیبر' بنو قریظہ' بنو قینقاع اور بنو نضیر کے خلاف غزوات انہی مقاصد کے تحت لڑے گئے۔ نیز کرزبن جابر الضمری اور وادی القری' ثعلبہ' اور دومۃ الجندل وغیرہ کی فوجی کاروائیاں بھی فتنہ وفساد کے استیصال اور خاتمہ کیلئے کی گئیں۔

جنگ موتہ کے محرکات کو پیش نظر رکھا جائے تو اسلام میں سفیر کا قتل بھی جنگ کا جواز ٹھہرتا ہے۔ سفیر کا قتل اور حقیقت اعلان جنگ کے مترادف تصور کیا جاتا ہے' صلح حدیبیہ کے وقت جب یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا تو آپؐ نے تمام صحابہ سے خون پر بیعت لی۔ کیونکہ یہ قومی وقار کا مسئلہ تھا اور اگر خدانخواستہ یہ خبر صحیح ہوتی تو اس موقع پر جنگ ناگزیر تھی۔ جنگ موتہ بھی اسی لئے شام کے ساحل پر جا کر لڑی گئی۔ عیسائیوں کے رئیس شرجیل بن عمرو نے حضور اکرم ﷺ کے پہلے قاصد دحیہ کلبی کو لوٹ لیا تھا اور دوسرے حارث بن عمرو کو قتل کر دیا تھا۔ جبکہ خود حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ بین الاقوامی سفارتی آداب کو ملحوظ رکھا۔

دنیوی اغراض ومقاصد کیلئے معاہدہ قوم سے جب تک کہ معاہدہ کی مدت سے صلح کی پیشکش پر' سیاسی پناہ یا امان اور اظہار اسلام یا کوئی علامت دیکھنے کی صورت میں جنگ نہ کرنے کا اصول وضع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اقوام کے خلاف جو ظلم نہ کرنے والے اور دین حق کو مٹانے کی کوششوں میں شریک نہ تھے' جنگی کاروائی نہ کر کے غیر جانبداری کا تصور بھی پیدا کر دیا۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے بھلائی کرنے اور انصاف کا سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے سلسلہ میں نہیں لڑتے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں کے

ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی۔ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں دشمنوں کی مدد کی۔ انہیں جو کوئی دوست بنائے وہ ظالم ہے۔"(۹۰)

حضور اکرم ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے مسلمانوں سے بہتر سلوک کے پیش نظر فرمایا تھا کہ اہل حبشہ سے اس وقت تک تعرض نہ کرو جب تک کہ وہ پیش دستی نہ کریں۔(۹۱) اس طرح مسلمان برابر حبشہ پر یورش سے محترز رہے۔ موجودہ بین الاقوامی قانون میں غیر جانبدار علاقوں کا جو تصور موجود ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ تصور سے مختلف ہے۔ موجودہ قانون ہر ملک کو حق دیتا ہے کہ وہ دو یا زیادہ محارب طاقتوں کے سلسلے میں غیر جانب داری کا اعلان کر دے۔ ایسے ملکوں کی ناطرف داری کو تمام طاقتیں' جن میں محارب فریق بھی شامل ہیں تسلیم کر لیتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے جنگ کا ایک اصول یہ وضع کیا کہ کسی دشمن کے خلاف جنگ اس وقت تک شروع نہ کی جائے جب تک کہ اسے اس امر کی اطلاع یا تنبیہ نہ کر دی جائے(۹۲) حکم باری تعالی ہے :

"اگر ایک گروہ سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہیے کہ ان کا عہد ان پر لوٹا دو۔ اس طرح دونوں جانب یکساں حالت میں ہو جائیں۔ اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"(۹۳)

آنحضرت ﷺ نے دور جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو بھی منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو آج بھی احترام آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کے قتل' عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہ و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ پاؤں' ناک کان

وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگادی گئی۔ اسلام سے پہلے اسیران جنگ کے متعلق دو ہی متفقہ فیصلے تھے۔ ایک قتل دوسرے دائمی غلامی' تیسرا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکمت عملی اپنائی کہ نہ ان کو قتل کیا گیا' نہ ایذاء پہنچائی گئی بلکہ ان سے بہتر سلوک کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں اور جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا ازراہ احسان چھوڑ دیا۔ یہ بالکل قرآنی حکم کے عین مطابق ہے۔ حکم ہے کہ :

"تو ان کو قید کرلو۔ اس کے بعد یا احسان رکھ کر یا کچھ بدلہ لے کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ لڑائی بند ہو جائے" کے عین مطابق تھا۔

جنگی قیدیوں کی رہائی: جنگ بدر کے ستر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ ایک دو موقع پر آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ بھی کیا۔ فتح مکہ کے بعد "جاؤ تم سب آزاد ہو" کا اعلان فرما کر آپ ﷺ نے ہزاروں لوگوں کو نہ تو قید کیا اور نہ ہی ان کو غلامی میں لیا حالانکہ وہ مغلوب ہو چکے تھے۔ اکثر موقعوں پر آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو ازراہ احسان چھوڑ دیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے :

۱۔	سریہ نخلہ	۲	قیدی
۲۔	غزوہ بنو مصطلق	۱۹	قیدی
۳۔	سریہ صموم	۱۰	قیدی
۴۔	سریہ عیص	۹	قیدی
۵۔	سریہ حسمی	۱۰۰	قیدی
۶۔	غزوہ حنین	۶۰۰۰	قیدی
۷۔	سریہ عینیہ	۶۳	قیدی

۸۔ سریہ ہموع دخترِ حاتم اور اس کی پوری قوم

کل تعداد ۶۲۰۳۰

ان تمام قیدیوں کو آنحضرت ﷺ نے بغیر کسی فدئے کے آزاد فرمایا۔ بنو قریظہ کے جن قیدیوں کو حضور اکرم ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا ان سے دیگر ایسے جرائم کا ارتکاب ہوا جن کی سزا قتل تھی۔ اس لئے وہ جنگی قیدی کی حیثیت سے قتل نہ کیے گئے تھے۔ غرض کہ حضور اکرم ﷺ نے تدارک تشدد اور تحفظ دعوت اسلام کیلئے جنگیں کیں۔ تاکہ دنیا میں امن وامان رہے اور فتنہ وفساد بڑھنے نہ پائے اور جنگ کی صورت میں ان بد عہدوں اور بد کرداروں کو اسی حد تک سزا دی جس حد تک ان کا جرم تھا اس سے تجاوز نہ کیا اور حملہ کرنے میں بھی ابتداء نہ کی۔ البتہ جب کوئی حملہ ہوا تو پوری طرح مدافعت کی اور اگر حملہ کی نوبت بھی آئی تو پہلے دشمن کو خبردار کر دیا تاکہ وہ بے خبری میں نہ مارا جائے کہ ایک ظلم ہے اور اسلام میں ظلم روا نہیں۔

بین الاقوامی قوانین جنگ: اس پس منظر میں موجودہ بین الاقوامی قوانین جنگ کا سرسری ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سترہویں صدی کے ابتداء تک یورپ میں قوانین جنگ کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ سب سے پہلے ۱۹۴۸ء، ہالینڈ کے مقنن گروشیئس کی سفارشات کو قبول کیا گیا کہ جنگ میں بچوں، عورتوں، بوڑھوں، مذہبی رہنماؤں اور اسیران جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔ لیکن ۱۷۹۰ء میں روسی فوجیں ترک کے خلاف لڑائی میں فتح یاب ہو کر آجیل میں داخل ہوئیں تو انہوں نے مقاتلین وغیرہ سب کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ۱۸۳۷ء میں فرانس نے قسطنطنیہ فتح کیا تو اس کی فوجیں تین دن تک قتل وغارت میں مشغول رہیں۔ منچوریا کی جنگ میں چینی مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کی نیند

سلایا گیا۔ ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج نے دلی کو فتح کیا تو آزادی سے قتل عام کا بازار گرم کیا۔ پھر ۱۷۰۰ء تا ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ایک سو دس لڑائیاں ہوئیں جن میں سے صرف دس لڑائیوں میں رسمی اعلان جنگ ہوا۔

۱۹۳۰ء میں بدھ مت کے پیرو جاپان نے چین کے خلاف منچوریا پر کسی اعلان جنگ کے بغیر حملہ کیا۔ ۱۹۳۹ میں عیسائی اٹلی نے حبشہ کے خلاف کسی انتباہ کے بغیر جارحانہ کارروائی کی۔ ۱۹۳۹ء میں نازی جرمنی نے پولینڈ پر اور ۱۹۴۱ء میں روس پر کسی الٹی میٹم کے بغیر حملہ کیا۔ ۱۹۴۱ء میں اشتراکی روس نے فن لینڈ پر کسی اعلان کے بغیر حملہ وقبضہ کر لیا۔ ۱۹۶۵ء میں امریکہ نے بغیر جنگ کے ویتنام پر بمباری کی اور ہندوستان نے پاکستان پر بے خبری کے عالم میں چڑھائی کر دی۔

بعد ازاں دوسرے مصنفین اور سیاسی مدبرین کی تحقیقات 'رسائل اور مضامین کے ذریعہ گروشئیس کا مشن آگے بڑھتا گیا اور دوسری جنگ کی کانفرنس میں بڑی ردوقد کے بعد طے ہوا کہ "لڑائی اس وقت تک شروع نہ کی جائے جب تک پہلے اس کی بدیہی طور پر تنبیہ نہ کر دی جائے۔ جو ایک مدلل اعلان جنگ کی صورت میں ہو یا ایک مشروط الٹی میٹم کی شکل میں ہو۔ اور اس اعلان کی اطلاع غیر جانبدار قوموں کو بھی دی جائے۔ پھر ۱۹۰۵ء کی ہیگ کانفرنس میں طے پایا تھا کہ ان شہروں پر اور بستیوں پر جن کی فوجی مدافعت نہ کی گئی ہو' بمباری اور حملہ آوری نہ کی جائے اور بمباری نہ کی جائے اور بمباری خواہ کسی طریق سے ہو شروع کرنے سے پہلے انتباہ کر دیا جائے اور سائنسی' ادبی اور مذہبی ادارے ہسپتال وغیرہ جہاں تک ہو سکے بچائے جائیں اور لوٹ مار' تباہی اور آتش زدگی سے احتراز کیا جائے۔ لیکن ہوا کیا؟ دوسری جنگ عظیم میں غیر محاربین اور جنگی قیدیوں کا وسیع پیمانے پر

قتل کیا گیا یا کام کی زیادتی اور زہریلے اثرات کے تحت مار دیا گیا اور ان کے جسم سے کھاد' روغنیات اور صابن بنائے گئے۔ ہزاروں طیاروں نے بے شمار شہر تباہ کئے اور لاکھوں انسان زندہ دفن کر دیئے گئے۔ امریکہ کی آبدوزوں نے انیس سو چالیس (۱۹۴۰) جاپانی تجارتی جہاز غرق کئے۔ محوری ممالک نے امریکہ اور متحدین کے چار ہزار سات سو ستر (۴۷۷۰) جہاز ڈبوئے پھر ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما اور ناگاساکی کی بربادی ہوئی اور اعلان کیا گیا کہ یہ طریقے زندگی اور تہذیب کے تحفظ' جنگ کے اختصار "اور فتح کے حصول کیلئے ضروری ہیں (۹۴)

غرض اقوام حاضرہ نے سترہویں صدی میں ان بنیادی حقوق انسانیت کی طرف توجہ کی مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے بہت پہلے جنگ کا مکمل قانون پیش کر دیا تھا۔ جس کی ایک ایک شق میں احترام آدمیت کا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے اور پھر اسلامی قانون جنگ اور اقوام حاضرہ کے قانون دولی میں فرق یہ ہے کہ قانون دولی کی پشت پر کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس کے اجزاء و نفاذ کی ضامن ہو۔ چنانچہ ان قوانین کی ترتیب و تدوین کے بعد بھی وہی کچھ ہو تا رہا جو اس سے پہلے ہو تا رہا تھا۔ اسی بناء پر لارڈ سالبری نے کہا ہے کہ قانون بین الاقوام کو کوئی عدالت قوت سے نافذ نہیں کر سکتی اس بناء پر اس کو لفظ قانون سے تعبیر کرنا سخت غلطی ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے تشکیل کردہ قانون جنگ پر عمل کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے اور ان کی قوت ایمانی اس کے نفاذ واجراء کی ضامن ہے۔ (۹۵)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ارشاد :ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے فرمایا:

۱۔ مدینہ منورہ کی شہری مملکت رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں روزانہ دو سو چوہتر (۲۷۴) مربع میل کی اوسط سے وسعت اختیار کرتی رہی۔

۲۔ قریباً ہندوستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو (۱۵۰) آدمی قتل ہوئے اور مسلمان فوج کا اس دس سال میں مشکل سے ایک سپاہی ماہانہ شہید ہوتا رہا۔

میں ان اعداد کا معاملہ سمجھ نہیں سکا۔ بعض اعداد معلوم نہیں لیکن جو معلوم ہیں' ان میں جمع کر لیا جائے تو ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے یقیناً زیادہ ہوں گے اور یہ کہنا غالباً قرین صحت نہ ہو کہ دس سال تک ہر مہینے مسلمانوں کا صرف ایک سپاہی شہید ہوتا رہا یعنی تمام جنگوں میں کل ایک سو بیس (۱۲۰) مسلمان شہید ہوئے۔

اعداد سے اختلاف کے باوصف محترم ڈاکٹر صاحب کے اس ارشاد کی تائید وحمایت میں ایک لمحے کیلئے بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ انسانی خون کی عزت جس پیمانے پر رسول اللہ ﷺ نے کی وہ تاریخ عالم میں بے نظیر ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ: یہاں تقابل مقصود نہیں' کیونکہ تقابل بہر حال کسی نہ کسی مناسبت کی بناء پر کیا جا سکتا ہے۔ اور یہاں مناسبت کا ملنا پید ہے۔ ان کی عبرت کی غرض سے کچھ اعداد و شمار ان قوموں اور ملکوں کے پیش کئے جاتے ہیں' جو بہ زعم خویش تہذیب و شائستگی کے سدرۃ المنتہی پر بیٹھے ہیں۔

دوسری عالمی جنگ کے ابتدائی دور میں انگریزوں کو اپنی اور فرانسیسیوں کی فوجیں ڈنکرک سے نکالنی پڑی تھیں تو آدمیوں کو بچالانا مقدم قرار دے دیا گیا اور بھاری سامان جنگ دشمن کے حوالے کیئے بغیر چارہ نہ رہا۔ چرچل نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ساز و سامان جنگ مشینوں میں ڈھالا جا سکتا ہے لیکن آدمی مشینوں میں نہیں ڈھالے جا سکتے۔ تاہم آپ خوب چھان بین کر لیں کہ مہذب یورپ نے باہمی جنگوں میں اور خصوصیت سے ان ملکوں میں جو ایشیائی اور افریقی خطوں میں کی گئیں' انسانی خون کو پانی سے بڑھ کر ارزاں بنائے رکھا یا

نہیں اور یہ سلسلہ مشرق وسطی یا ہند چینی میں اب بھی انتہائی بے پروائی سے جاری ہے۔ گویا وہاں انسان نہیں بستے جن کے خون کا احترام اہل مغرب میں سے کسی کیلئے قابل توجہ ہو۔

مرقع عبرت: آپ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی ناخواستہ جنگوں کے اعداد ملاحظہ فرمالئے' جنھیں زیادہ سے زیادہ بڑھا کر بھی آٹھ نو سال میں تین ہزار تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ اب داعیان تہذیب کی رزم آرائیوں کا پورا مرقع نہیں' بلکہ اس کی صرف چند جھلکیاں دیکھ لیجئے۔

۱۔ تیس سالہ جنگ ۱۶۱۸ء سے ۱۶۴۸ء تک تیس سال جاری رہی' جس میں جرمنی' فرانس' آسٹریا' سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا۔ اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ آدمی مارے گئے۔ (۹۸)

۲۔ امریکی خانہ جنگی ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک جاری رہی۔ اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں اور دوسرا فریق جنوبی ریاستیں تھیں اور جنگ کا سبب غلامی کا مسئلہ تھا۔ اس میں تین لاکھ آدمی شمالی ریاستوں کے اور پانچ لاکھ جنوبی ریاستوں کے مارے گئے۔ چوہتر کروڑ پونڈ خرچ ہوئے۔ اس رقم سے دنیا بھر کے غلام ایک قطرہ خون بہائے بغیر آزاد کرائے جاسکتے تھے۔ امریکہ میں غلامی قانوناً ختم ہو چکی ہے' لیکن اس کی تمام لعنتیں آج بھی وہاں مکروہ ترین صورت میں موجود ہیں۔

۳ پہلی عالمی جنگ میں ایک کروڑ آدمی مارے گئے تھے اور دو کروڑ مجروح ہوئے تھے۔ خدا جانے ان میں سے کتنے لولے' لنگڑے' اندھے اور اپاہج ہوئے اور کتنوں نے ہسپتالوں میں جانیں دیں پھر اس جنگ ہی سے انفلوئنزا شروع ہوا' جس میں مزید ایک کروڑ آدمی مر گئے۔ ایک

انسانیت دوست صاحب علم کا اندازہ ہے کہ اس جنگ پر اسی ارب پونڈ خرچ ہوئے۔اس رقم سے فرانس اور بلجیم کی نہ صرف زمین بلکہ ہر چیز پانچ پانچ مرتبہ خریدی جاسکتی تھے (۹۹)

دوسری عالمی جنگ: ۴۔دوسری عالمی جنگ کے صرف مقتولین کی فہرست پر ایک نظر ڈال لیجئے

چین	۱۳۱۰۲۲۴
فرانس	۲۰۰۰۰۰
جرمنی	۶۳۰۰۰۰۰
صرف فضائی بمباری سے	۵۰۰۰۰۰
جاپان	۵۳۵۷۹۵
بمباری سے	۲۴۱۳۰۹
یونان	۴۱۵۰۰۰
برطانیہ	۲۵۲۶۵۲

ان اعداد کی میزان تقریباً ایک کروڑ بنتی ہے لیکن ان میں بہت سے شرکائے جنگ کے مقتولین شامل نہیں۔مثلاً چیکوسلواکیہ' پولینڈ' روس' فن لینڈ' یوگوسلادیا' بلغاریا' ناردے' ڈنمارک' ہالینڈ' اٹلی وغیرہ پھر مختلف ملکوں کے ان گروہوں کا جانی نقصان معلوم نہ ہوسکا۔ جنھیں ہٹلر کی فوجیں جبری مزدوری کیلئے جرمنی لے گئی تھیں اور جنگ کے اختتام تک وہ لوگ واپس نہ ہوسکے۔ یہ تمام اعداد جمع کیئے جائیں تو دوسری عالمی جنگ کا نقصان دو کروڑ افراد سے بھی بڑھ جائے گا۔

آتش ریز اور آتش خیز بموں سے شہر' قصبے' کارخانے' کھیتیاں' زمینیں'

گاؤں ، ہندرگاہیں ، بجلی اور پانی کے مرکز جس طرح تباہ ہوئے ان کا اندازہ کون کر سکتا ہے ؟ ہیروشیما اور ناگاساکی میں ایٹمی بموں سے جو قیامت برپا ہوئی ، اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگوں میں کشت و خون سے قطعی پرہیز فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کی جنگوں کا مقصد ہی عالمی امن کا قیام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چند سو جانیں ضائع ہوئیں مگر نو لاکھ مربع میل کے علاقے پر امن و امن قائم ہو گیا۔ دو سو چھہتر (۲۷۶) مستقل سیاسی اکائیاں ایک ریاست اور ایک وحدت میں مدغم ہو جاتی ہیں اور بیاسی لاکھ پانچ ہزار (۸۲۵۰۰۰) آدمی حضور ﷺ کی اپنی زندگی میں خدائے وحد کے پرستار بن جاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ البقرہ : ۱۹۳

۲۔ بخاری شریف 'باب الایمان'

۳۔ بخاری شریف 'باب الحدود'

۴۔ آکسفورڈ ڈکشنری مادہ Torrism

۵۔ سلطان شاہد 'دہشت گردی ملکی اور عالمی سطح پر' وقاص پبلیکیشنز ص :۱۷

۶۔ U S D S . Patterons of Globle Terrorism Piv, State Dept,no 9963 Washngton 1992.

۷۔ مودودیؒ 'سید ابو الاعلیٰ' تفہیم القرآن ج :۱

۸۔ مسلم شریف حوالہ مشکوٰۃ شریف

۹۔ سورۃ التوبہ :۷۱

۱۰۔ سورۃ الحج :۴۱

۱۱۔ سورۃ الفرقان :۵۲

۱۲۔ ابوداؤد

۱۳۔ سورۃ الفرقان :۳۳

۱۴۔ سورۃ آل عمران :۱۸

۱۵۔ سورۃ الحجر :۹۴

۱۶۔ سورۃ البقرۃ :۲۱۶

۱۷۔ سورۃ الحج :۴۰

۱۸۔ سورۃ البقرہ :۲۵۶

۱۹۔ سورۃ التوبہ :۳۶

۲۰۔ سورۃ التوبہ : ۱۲
۲۱۔ بخاری شریف
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ترمذی۔ ابو داؤد
۲۴۔ ترمذی ابو داود
۲۵۔ بخاری و مسلم شریف
۲۶۔ مسلم شریف
۲۷۔ ترمذی شریف
۲۸۔ بخاری و مسلم شریف
۲۹۔ ترمذی شریف
۳۰۔ مسلم شریف
۳۱۔ الجہاد فی الاسلام' ۱۷۷
۳۲۔ ایضاً ۱۷۸
۳۳۔ مسلم 'کتاب الجہاد' باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا' ۶ : ۴۶
۳۴۔ مسلم 'کتاب الجہاد' باب من قاتل لتکون۔۔۔ ۶ : ۴۶
۳۵۔ ابو داؤد 'کتاب الجہاد' باب من فرو یلتمس الدنیا' ۳ : ۳۰
۳۶۔ مسلم۔ کتاب الجہاد ۶ : ۴۷
۳۷۔ نسائی۔ کتاب تحریم الدم باب تعظیم الدم' ۷ : ۸۴
۳۸۔ نسائی کتاب الجہاد' باب من غزا فی سبیل اللہ' ۶ : ۲۴' ۲۵
۳۹۔ نسائی کتاب الجہاد' باب من غزا یلتمس الاجر والذکر ۶ : ۲۵
۴۰۔ الجہاد فی الاسلام : ۱۸۱

۴۱۔ بخاری کتاب الجہاد ۴: ۹ ابو داؤد کتاب الجہاد ۳: ۹۶
۴۲۔ تفصیل کیلئے دیکھئے الجہاد فی الاسلام ۳۸: ۱۸۸
۴۳۔ سورۃ البقرہ: ۲۵۶
۴۴۔ الرسول القائد: ۱۹
۴۵۔ سورۃ البقرہ: ۱۹۰
۴۶۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج: ۱، لاہور شیخ غلام علی، ۱۹۴۴
۴۷۔ قاضی ابو الفضل عیاض موسیٰ، حیدر آباد دکن، مطبع الشرکت الصحافیہ فی البلد العثمانیہ، ۱۳۲۷ھ
۴۸۔ بیہقی، امام، السنن الکبریٰ، ج: ۹، ص: ۷ بیروت: طبع جدید ۱۹۹۴ء
۴۹۔ سورۃ النساء: ۷۷
۵۰۔ سورۃ محمد: ۲۰
۵۱۔ سورۃ الحج: ۳۹
۵۲۔ سورۃ البقرہ: ۱۹۱
۵۳۔ سورۃ البقرہ: ۱۹۰
۵۴۔ ایضاً
۵۵۔ سورۃ المائدہ: ۸
۵۶۔ سورۃ البقرہ: ۱۹۱
۵۷۔ سورۃ البقرہ: ۱۹۳
۵۸۔ Heroes and Hero Worship . p . 301(Dect : London)
۵۹۔ ترجمان القرآن، مئی ۱۹۹۷ء لاہور، ص: ۵۷

۶۰۔ The Sunday Times dt. 28th Jan .1996 , Article by Ton Swan title Bosnia Killing Feilds.

۶۱۔ ترجمان القرآن' جون ۱۹۹۶ء لاہور' ص :۶۵

۶۲۔ سلطان شاہد' دہشت گردی ملکی اور عالمی سطح پر' وقاص پبلیکیشنز' ص :۹۱

۶۳۔ ایضاً ص : ۹۷ تا ۱۰۱

۶۴۔ الصحیح البخاری' ج :۱' ص :باب :کیف بدء الوحی' استنبول المکتبۃ الاسلامیہ' ۱۹۸۱ء

۶۵۔ سورہ الانبیاء : ۱۰۷

۶۶۔ راغب الاصفہانی' مفردات القرآن' مادہ رحمہ

۶۷۔ ہیثمی' نورالدین علی بن ابی بکر' مجمع الزوائد' ج : ۸' ص :۱۹۱'
القاہرہ ۱۳۵۲ھ

۶۸۔ سورۃ البقرہ :۱۵۱

۶۹۔ سورۃ التوبہ :۱۲۸

۷۰۔ سنن ابن ماجہ' ص : ۲۷۰' دہلی مطبع مجتبائی۔

۷۱۔ ابوداؤد' ۳ :۴۹ حدیث ۲۵۴۸

۷۲۔ مسلم وابوداؤد' ۳ :۷۵ حدیث ۲۵۶۴

۷۳۔ ابوداؤد ۵ :۳۳۱' حدیث ۵۱۰۱۔ ۵۱۰۲۔ بخاری ۴ :۱۵۵' ترمذی ۵ :۵۸۰

۷۴۔ البخاری ۷۸ :۷۲' ۴ :۱۱۷

۷۵۔ حمیداللہ صدیقی' ڈاکٹر' عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ' ص :۴۴

۷۶۔ حمیداللہ صدیقی' ڈاکٹر' عہد نبوی میں نظام حکمرانی' ص :۲۴۹

۷۷۔ U S D S . Patterons of Globle Terrorism Piv, April 1992.

۷۸۔ سورۃ انعام :۱۵۱

۷۹۔ سورۃ المائدہ : ۳۲

۸۰۔ سورۃ النساء : ۹۲

۸۱۔ سورۃ البقرہ :

۸۲۔ بخاری شریف، مسلم شریف، ابو داؤد، ترمذی، نسائی

۸۳۔ سورۃ الانفال : ۶۱

۸۴۔ القرآن : ۲۲ : ۳۹

۸۵۔ القرآن : ۲ : ۱۹۰

۸۶۔ القرآن : ۸ : ۷۲

۸۷۔ القرآن : ۴ : ۷۵۔

۸۸۔ سورۃ المومنون

۸۹۔ القرآن : ۲ : ۱۹۳

۹۰۔ القرآن : ۶ : ۹

۹۱۔ سنن ابو داؤد، ج : ۴، ص : ۱۱۲

۹۲۔ مجید خدوری، ڈاکٹر، اسلام اور قانون جنگ و صلح، ص : ۲۴۲۔ ۲۴۳

۹۳۔ سورۃ الانفال : ۸۷

۹۴۔ واجد رضوی، سید، رسول میدان جنگ میں

۹۵۔ حیدر زمان صدیقی، اسلام کا نظریہ جہاد، ص : ۱۵۰

۹۶۔ قاضی محمد سلیمان منصوری، رحمۃ للعالمین، ج : ۲، ص : ۲۴۴۔ ۲۶۴

۹۷۔ جوامع السیرۃ ص : ۲۴۱

۹۸۔ کتاب حقائق Book of facts ص : ۶۱۴

۹۹۔ Book of facts ص : ۶۱۵

باب ششم:

امن عالم کیلئے تجاویز و سفارشات

حضور پاک ؐ کا رستہ خدا کا رستہ ہے
جہاں میں اور کوئی ہدایت کی راہ نہیں

"امن عالم سیرت طیبہ کی روشنی میں" کے موضوع پر گزشتہ ابواب میں جو تحقیق و وضاحت پیش کی گئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دور اور ہر خطے کیلئے صرف اسوہ رسول ﷺ ہی روشنی اور ہدایت کا مینار ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

ترکت فیکم امرین کتاب اللہ وسنتی (مشکوٰۃ شریف)

"میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں کتاب اللہ اور اپنی سنت" اگر ان پر عمل پیرا رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے مگر صد افسوس ہے! کہ ہم نے اس مقدس چراغ سے روشنی حاصل نہ کی اور گمراہی کے گڑھے میں گرتے ہی چلے گئے۔

قوموں اور ملکوں کی تباہی آسمان سے نہیں برستی زمین ہی سے پھوٹتی ہے۔ ہمارے اندر ہی سے بر آمد ہوتی ہے بلکہ مصیبتیں ہمارے اپنے اعمال و کردار کا نتیجہ ہی ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح کسی معاشرے کی تمام خوبیاں اور خامیاں اس معاشرہ کے اپنے نظام میں ہوتی ہیں جب ان میں سے کوئی خوبی یا خامی اپنا توازن کھو بیٹھتی ہے تو اس نظام میں تبدیلی لازمی اور یقینی ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ تعمیر کی صورت میں ہو یا تخریب کی شکل میں۔ ذرا سا اور آگے بڑھیں تو یہی نظام انسان کی انفرادی زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ خیر و شر، تعمیر و تخریب، صحت و علالت

ان سب کا تعلق ہمارے اپنے ہی جسمانی نظام کے توازن اور عدم توازن سے تعلق رکھتا ہے۔ توازن اور اعتدال زندگی کا حسن اور سلامتی ہے اور یہی دراصل اسلام اور اسوہ حسنہ ﷺ ہے۔

آج عالم اسلام عدم توازن اور بدامنی کا شکار ہے۔ اسی لئے مسائل سے دوچار ہے۔ معاشی بدحالی' فروعی اختلافات و فرقہ بندی' جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی اسلامی تعلیمات سے لاعلمی' سائنس و ٹیکنالوجی کا فقدان' علمی و دینی پسماندگی' سیاست دانوں میں طبقاتی مرض' لسانی اختلافات' قیادت کا تصادم' داخلی و خارجی خانہ جنگی' بڑی طاقتوں کی دخل اندازی' علاقائی و نسلی اختلافات' لسانی تصادم غیر مسلم اقلیتوں کی مخالفت' فاصلے اور اجنبیت' جہاد سے فرار ایمان و اخلاق کی کمی' ایفائے عہد کا فقدان' عدم مساوات' امن عالم اور مرکزی قیادت کا فقدان' مسلم ممالک میں غیر اسلامی حکومتیں' علماء کا منفی کردار' مغربی تہذیب کی یلغار' ذرائع لبلاغ پر لادینی عناصر کا قبضہ' ناقص نظام تعلیم' قتل و غارت' بدامنی' چوری' ڈاکے' زنا جھوٹ' غیبت' بدنظمی' بچوں سے جبری مشقت' اخلاقی بے راہ روی اور خاندانی منصوبہ بندی جیسی برائیوں میں گھرا ہوا ہے۔

آج اولاد آدم کو چند مکروہ خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ ہر طرف دولت و اقتدار کیلئے ہاتھاپائی ہو رہی ہے۔ آدمیت کے اخلاقی شعور کی مشعل گل ہے۔ تمدنی ترقی کی آڑ میں جرائم تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ نفسیاتی الجھنوں کا زور ہے۔ ذہنی سکون یکسر غائب ہو چکا ہے۔ انسانی ذہن و کردار میں ایسا بنیادی فساد آگیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ بھی اس کی منحوس پرچھائیوں سے محفوظ نہیں رہا۔ اعتقادات و نظریات میں توازن نہیں رہا۔ روحانی قدریں چوپٹ ہو چکی ہیں۔ دیگر اشیاء کی طرح نام نہاد روحانی رہنماؤں اور پیروں میں بھی ملاوٹ ہو چکی

ہے۔ معیشت کے میدان میں بھی ظالم و مظلوم طبقے پیدا ہو گئے ہیں۔ فنون لطیفہ میں جمال کی ساری رنگ آمیزیاں جنسی جذبوں اور سفلی خواہشات سے کی جانے لگی ہے۔ اقل ترقی کر گئی ہے۔ مگر اس حماقتیں آزاد ہیں۔ دولت کے خزانے چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں۔ مگر خدا کی مخلوق بھوک، ننگ اور محرومی کے عذاب میں گھری ہے۔ آئے دن خودکشیاں ہو رہی ہیں۔ انسان اور انسان کے درمیان بھائی بھائی کا سا تعلق نہیں چیتے اور بھیڑیئے کا سا معاملہ ہے۔ کہیں جمہوریت اور آمریت کے درمیان، کہیں فرد اور اجتماعیت کے درمیان اور کہیں مغربیت اور ایشیائیت کے درمیان ایک خونخوار آویزش ہو رہی ہے۔

ان ساری خرابیوں اور ہمہ جہتی بدامنی سے نجات کیلئے ذیل میں چند سفارشات پیش خدمت ہیں۔

مغالطوں سے نکلئے!: آج زوال امن و سلامتی کا مرثیہ تو ہر سمجھدار اور باشعور انسان کو ازبر ہے۔ لیکن کیا اس مرثیہ کو بار بار دہرانے سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے؟ میرا جواب اثبات میں ہے ہم اس زوال کی ندامت سے صرف ایک ہی تدبیر کے ذریعہ چھٹکارا پا سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ شرم و ندامت کا نقشہ دن رات ہمارے پیش نظر رہے اور اس کسک میں ہمارا دل متواتر مبتلا رہے۔ اپنی آنکھوں سے حقیقت کو چھپائے رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ محض یہ خیال کر لینے سے کوئی فائدہ نہیں کہ دنیائے اسلام اسلامی فاعلیت کے میدان میں بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ باور کر لینے سے کوئی فائدہ نہیں کہ ہمارے تبلیغی ادارے اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔ یہ کہہ لینے سے کوئی فائدہ نہیں کہ اہل مغرب کی آنکھوں میں اسلام کی شان اور روز بروز جچتی چلی جا رہی ہے، کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی کے داؤ سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا۔ غرض ان تمام مغالطوں اور حیلہ

طرازیوں سے کوئی فائدہ نہیں۔اور نہ ہی تسکین قلب کیلئے ایسے مغالطہ آمیز دلائل و براہین وضع کر لینے سے کوئی فائدہ ہے کہ ہماری ذلت و خواری' ہماری عاجزی و ناتوانی محض عارضی ہے' ظاہرہ ہے۔

آنکھیں کھول کر دیکھیے کہ ہماری یہ عاجزی و توانائی' ہماری بد امنی و انتشار' ہماری ذلت و خواری عارضی نہیں ہے۔وہ تو مستقل نوعیت اختیار کر چکی ہے۔ظاہرہ نہیں ہے وہ تو ایک حقیقت بن چکی ہے۔تو پھر اب کیا کیا جائے ؟ کیا ہماری بد امنی و پستی کا کوئی علاج ہے ؟ ہاں ہے۔بے شک ہے۔

نشاۃ ثانیہ اور اتباع اسوۂ نبوی ﷺ:

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

عصر حاضر کی بد امنی' مسائل اور اضطراب کے ان لحمات میں جب ہم چاروں طرف نگاہیں ڈوڑاتے ہیں تو تاریکی کا ایک سمندر شش جہت سے محاصرہ کیے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔اس بحر ظلمات میں تاریخ کے جھروکوں سے چودہ سو سال پہلے فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہونے والا آفتاب ہدایت نظر آتا ہے جس کی شعائیں خاک پر پڑیں تو وہ کندن بن گئی۔پتھر پر پڑیں تو وہ لعل بد خشاں بن گئے۔ذرہ عکسِ جمالِ محبوب سے آفتاب بن گیا۔آپ ﷺ نے قطرے کو دریا ذرے کو صحرا اور غلاموں کو مولانا بنا دیا۔امیری و فقیری' جوانی و پیری' امن و جنگ' گدائی و بادشاہی' مستی و پارسائی' رنج و راحت اور حزن و مسرت کے ہر مقام پر انسانیت کی رہبری فرمائی۔

آپ ﷺ نے فلک کی بلندی' زمین کی پستی' رات کی تاریکی' دن کی روشنی' سورج کی چمک' جگنو کی دمک' پھولوں کی مہک اور بلبل کی چہک میں

عرفانِ ربانی کی سیر کرائی۔ آفتاب رسالت کی مبارک کرن ابوبکر پر پڑی تو صدیق اکبرؓ بن گئے ' ابن خطاب پر پڑی تو فاروق اعظمؓ بن گئے ' ابن عفان پر پڑی تو ذوالنورینؓ بن گئے ' علی پر پڑی تو اسد اللہ اور حیدر قرارؓ بن گئے۔ آپ کی صحبت میں جاہل آیا تو عالم بن گیا۔ راہزن راہبر بن گئے۔ چرواہے نے قدم بوسی کی تو حکمران بنا دیا گیا غرض آپ کی ہستی ایک پارس کا نمونہ تھی جو بھی ان کے قریب آیا وہ زرِ خالص بن گیا۔ بقولِ اقبالؒ ۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

عصر حاضر کی بدامنی اور اس کے جملہ مسائل کا حل سیرت طیبہ کی مبارک روشنی میں مضمر ہے۔ آج اگر وہی صبح جاں نواز اور اسی آفتاب ہدایت کی شعائیں ہر سمت پھیل جائیں تو اخلاقِ انسانی اور فلاح انسانی کیلئے قرونِ اولیٰ کا عہد زریں واپس لوٹ سکتا ہے کیونکہ :

وخیر الهدى هدى محمد ﷺ (مشکوٰۃ شریف)
"اور تمام راستوں سے بہتر راستہ حضرت محمد ﷺ کا ہے"

ارشاد ربانی ہے :

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (سورہ النساء : ۵۹)
"اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو"

پھر فرمایا :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورہ النساء : ۸۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی پس بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی"

پھر فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (سورہ الحشر: ۷)

"اور جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ"

پھر ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورہ احزاب: ۲۱)

"البتہ بے شک آپ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"

سیرت طیبہ کی روشنی میں ہماری سامنے معاشرتی' معاشی' سیاسی اور مذہبی اصلاح کا وہ مہتم بالشان دور ہے جس میں امن وسکون' راحت وفرحت' عزت وحرمت' قلبی وجسمانی طہارت' حسی وروحانی پرکیف جذبوں کی بہار' بہارِ نو بنی نوع انسان کا مقدر بن گئی۔

حریت انسانی' امتناع' مسکرات' عدل واحسان' اخوت اسلامی' اخلاق جلیلہ' کسب حلال' محنت کا تقدس فرائض کی جاآوری اور عقائد اسلام کی ضیا پاشیوں نے تمام نوع انسان کو نورانیت سے ہم کنار کردیا۔ حسب ونسب کی جگہ تقوی وطہارت' طغیان کی جگہ اطاعت' دیوتاؤں کی جگہ توحید خالص یعنی تمام اوصاف حمیدہ سے وہ معاشرہ متصف ہوگیا جو قبیح رسوم کو حرز جاں بنائے ہوئے تھا۔ اور ذکور وناث کی تقسیم میں اس حد تک چلا گیا تھا کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردینا باعث فخر سمجھا جاتا تھا۔ نسوانیت جن کے ہاں جنس بازار تھی عرب وعجم کی تقسیم جن کا شعار تھا' روایات پرستی' روایات پرستی قابل فخر سمجھی جاتی تھی۔ حقوق انسانی کا تصور مفقود تھا۔ قتل وغارت اور رہزنی کو باعث شجاعت

سمجھا جاتا تھا۔

ان تمام ظلمتوں میں اک حقیقت کبریٰ' اک انقلاب عظیم' اک سچائی کی مشعل' شرم و حیاء کا پیکر' تبلیغ تدبر سے مسلح' اک مصلح قوم' اک جامع لوصاف حسنہ' وہ بے نظیر ہستی جو جامع کمالات انسانی یا اک شمع ہدایت جس نے ظلم و ستم' جبر و استبداد' غرور و نخوت' شراب و قمار' اسراف و تہمت' توہم و غیبت' زنا و لواطت' خیانت و دروغ گوئی اور بد امنی و انتشار یعنی عصر حاضر میں ہر طرف پھیلی برائیاں جو اسی معاشرے کا تسلسل ہیں سیرت طیبہ کی مبارک روشنی میں یہ طاغوتی طاقتیں اس طرح مٹ گئیں جیسے طلوع آفتاب سے شب ظلمت کے داغ مٹ جایا کرتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالی علی النبی الکریم وعلی الہ واصحابه اجمعین

سلام اے آمنہ کے لال' اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات' فخرِ نوعِ انسانی

کتابیات

۱۔ اللہ جلہ شانہ 'القرآن الحکیم' لاہور : تاج کمپنی' ۱۹۷۵ء
۲۔ ابن کثیر' ابو الفدا اسماعیل' تفسیر ابن کثیر' مصر : المنار' ۱۳۴۸ھ
۳۔ مودودیؒ' سید ابو الاعلیٰ' تفہیم القرآن' لاہور : ترجمان القرآن' ۱۹۸۰ء
۴۔ کرم شاہ الازہری' پیر محمد' تفسیر ضیاالقرآن (اردو) لاہور : ضیاء القرآن پبلیکیشنز
۵۔ رازی' امام فخر الدین' تفسیر کبیر' مصر : ۱۳۵۷ھ
۶۔ زمخشری' امام جار اللہ محمد بن عمر' الکشاف' مصر : مطبعۃ الاستقامۃ' ۱۹۴۶ء
۷۔ ابن منظور' جمال الدین محمد' لسان العرب' بیروت : دار صادر' ۱۹۵۵ء
۸۔ راغب الاصفہانی' امام' مفردات القرآن' لاہور : مکتبہ القاسمیہ' ۱۹۶۳ء
۹۔ ابراہیم مصطفیٰ' المعجم الوسیط' طہران : المکتبہ العلمیہ
۱۰۔ سعید الخذری' السعید' اقرب الموارد
۱۱۔ لویس معلوف الیسوعی' المنجد' بیروت : المکتبہ الکاثولیکیہ' ۱۹۰۸ء
۱۲۔ المراغی' احمد مصطفیٰ' تفسیر المراغی' مصر : مصطفی البابی الحلبی' ۱۹۴۶ء
۱۳۔ البخاری' محمد بن اسماعیل' الجامع الصحیح' کراچی : مصطفے البابی الحلبی' ۱۹۵۳ء
۱۴۔ امام مالک' الموطا' طبع منیریہ' ۱۹۳۱ء
۱۵۔ سیوطی' علامہ جلال الدین' الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر' بیروت
۱۶۔ ترمذی' امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' ترمذی شریف' کراچی : نور محمد
۱۷۔ نووی' امام یحییٰ بن شرف' ریاض الصالحین' لاہور' مکتبہ رحمانیہ ۱۹۸۱ء
۱۸۔ ابی داؤد' سلمان بن ابی اشعث' سنن ابی داؤد' مصر : التجاریۃ الکبریٰ ۱۳۶۹ھ
۱۹۔ نسائی' احمد بن شعیب' سنن نسائی' المطبعۃ المصریہ' ۱۹۳۰ء
۲۰۔ الطبریزی' ولی الدین الخطیب' مشکوٰۃ المصابیح' کراچی : سعید کمپنی

۲۱۔ زکریا، شیخ الحدیث مولانا محمد، خصائل نبوی اردو شرح شمائل ترمذی، کراچی: مکتبہ الشیخ، ۱۴۰۹ھ

۲۲۔ ماہر القادری، در یتیم، لاہور: گوشہ ادب، ۱۹۵۹ء

۲۳۔ اسماعیل، سید محمد، رسول عربی اور عصر جدید، کراچی: مکتبہ طلوع سحر ۱۹۶۹ء

۲۴۔ غلام رسول مہر، مولانا رسول رحمت (مقالات مولانا ابو الکلام آزاد) لاہور: شیخ غلام علی

۲۵۔ حلبی، علی بن برہان الدین، سیرت حلبیہ، مصر: ۱۹۶۴ء

۲۶۔ ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی، لاہور: دینی کتب خانہ، ۱۹۷۵ء

۲۷۔ کرم شاہ الازہری، پیر محمد، ضیاء النبی، لاہور: ضیاالقرآن پبلیکشنز ۱۹۹۳

۲۸۔ واقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی للواقدی، آکسفورڈ یونیورسٹی، ۱۹۶۶

۲۹۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ، مدارج النبوت (اردو) لاہور: مکتبہ اسلامیہ

۳۰۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۶۲ء

۳۱۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، بیروت: دار الکتب الانبانی، ۱۹۶۱ء

۳۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصر: مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۳۶ء

۳۳۔ خطاب محمود شیث، الرسول القائد، بغداد: مکتبہ الجولۃ، ۱۹۶۰ء

۳۴۔ ہیکل، محمد حسین، حیات محمد، مطبع المصریہ، ۱۹۴۷ء

۳۵۔ آزاد، مولانا ابو الکلام، رسول عربی، لاہور: مکتبہ عظمت

۳۶۔ یوسف کاندھلوی، مولانا محمد، حیات صحابہ، کراچی: ادارہ نشریات اسلام

۳۷۔ اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا اخلاق رسول، کراچی: مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۳ء

۳۸۔ اخلاق حسین قاسمی دہلوی، رسول اکرم کی انقلابی سیرت، لاہور: تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء

۳۹۔ کاندھلوی' مولانا محمد ادریس' حجیت حدیث' لاہور : ۱۹۶۸ء

۴۰۔ کرم شاہ الازہری' پیر محمد' سنت خیر الانام' اسلام آباد : دعوۃ اکیڈمی' ۱۹۹۱ء

۴۱۔ کاندھلوی' مولانا محمد ادریس' سیرت مصطفیٰ' لاہور' مکتبہ عثمانیہ ۱۹۹۲ء

۴۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' لاہور : دانش گاہ پنجاب' ۱۹۷۵ء

۴۳۔ امیر علی' سید' روح اسلام' لاہور : ادارہ ثقافت اسلامیہ' ۱۹۸۴ء

۴۴۔ اسرار احمد' ڈاکٹر' قرآن اور امن عالم' لاہور :
مرکزی انجمن خدام القرآن' ۱۹۹۳ء

۴۵۔ حمید اللہ' ڈاکٹر' عہد نبوی میں نظام حکمرانی' کراچی : اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۸۷ء

۴۶۔ خالد علوی' ڈاکٹر' اسلام کا معاشرتی نظام' لاہور : المکتبہ العلمیہ' ۱۹۹۱ء

۴۷۔ سید قطب' امن عالم اور اسلام' لاہور : گلستان پبلیکیشنز' ۱۹۸۴ء

۴۸۔ شبلی نعمانی' مولانا' سیرت النبی' کراچی : مکتبہ سعیدی قرآن محل

۴۹۔ برہان احمد فاروقی' ڈاکٹر' قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل' لاہور :
ادارہ ثقافت اسلامیہ' ۱۹۸۹ء

۵۰۔ مودودی' الجہاد فی الاسلام' لاہور : ادارہ ترجمان القرآن' ۱۹۹۱ء

۵۱۔ ایضاً تجدید و احیائے دین' لاہور : مکتبہ جماعت اسلامی' ۱۹۵۲ء

۵۲۔ محمد قطب' جدید جاہلیت' لاہور : البدر پبلیکیشنز' ۱۹۸۰ء

۵۳۔ نعیم صدیقی' محسن انسانیت' لاہور : اسلامک پبلیکیشنز' ۱۹۹۴ء

۵۴۔ ندوی' سید سلیمان' خطبات مدراس' لاہور : یونیورسل بکس

۵۵۔ سلمان منصور پوری' قاضی محمد سلیمان' رحمۃ للعالمین' لاہور : شیخ غلام علی

۵۶۔ ارشد خان بھٹی' پروفیسر محمد' انوار سیرت' لاہور : اصباح الادب' ۱۹۹۶ء

۵۷۔ ناصر' ڈاکٹر نصیر احمد' پیغمبر اعظم و آخر' لاہور : فیروز سنز

۵۸۔ سعد اللہ' حافظ محمد' غریبوں کے والی' لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری' ۱۹۹۹ء

۵۹۔ ریاض احمد سید' رسول رحمت' اسلام آباد: شعبہ سیرت سٹڈیز' ۱۹۸۵ء

۶۰۔ فرمان علی چوہدری' جہاد فی سبیل اللہ' لاہور: مکتبہ زلویہ' ۱۹۹۹ء

۶۱۔ بشیر احمد صدیقی' پروفیسر ڈاکٹر' تجلیات رسالت' لاہور: مکتبہ زلویہ ۱۹۹۹

۶۲۔ منظور احمد میاں' مقالات علوم اسلامیہ' لاہور: علمی کتاب خانہ

۶۳۔ اسد گیلانی' سید' رسول اکرم کی حکمت انقلاب' لاہور: ترجمان القرآن ۱۹۸۱

۶۴۔ نذر محمد' چوہدری' احکام القرآن' لاہور: ادارہ علم القرآن' ۱۹۸۳ء

۶۵۔ محمد اسلم' شانِ حضور بزبانِ حق' سیالکوٹ: ۱۹۸۲ء

۶۶۔ عبد الجبار' شیخ پروفیسر محمد' سیرت مجمع کمالات' سیالکوٹ' ادارہ تعلیمات ۱۹۸۸

۶۷۔ حمید اللہ' ڈاکٹر' محمد رسول اکرم کی سیاسی زندگی' کراچی: دارالاشاعت ۱۹۸۷ء

۶۸۔ ظفیر الدین مفتاحی ندوی' مولانا محمد' اسلام کا نظام امن' کراچی: ۱۹۸۱

۶۹۔ جمال الدین کاظمی' سید محمد' اسلامی نظام اور ایمانی تقاضے' کراچی: ۱۹۹۴ء

۷۰۔ عبد الحمید صدیقی' انسانیت کی تلاش' لاہور: حرم پبلیکیشنز' ۱۹۹۱ء

۷۱۔ ظفیر الدین' مولانا' اسلام کا نظام عفت و عصمت' لاہور' مکتبہ نذیریہ ۱۹۶۴ء

۷۲۔ عبد الرحمٰن خاں' دور جدید کے عالمگیر فتنے' ملتان: جاوید اکیڈمی' ۱۹۸۰

۷۳۔ قطب اسلام' محمد' اسلام اور جدید ذہن کے شبہات' لاہور: ۱۹۶۹ء

۷۴۔ مودودی' سیرت سرور عالم' لاہور: ترجمان القرآن' ۱۹۸۹ء

۷۵۔ نعیم احمد صدیقی' معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل' کراچی: مکتبہ چراغ' ۱۹۵۱ء

۷۶۔ وحید الزماں' اسلام اور عصر حاضر' نئی دہلی: مکتبہ الرسالہ' ۱۹۸۷ء

۷۷۔ مودودی' تنقیحات' پٹھان کوٹ: مکتبہ جماعت اسلامی' ۱۹۳۹ء

۷۸۔ احمد حسن چودھری' ہمارا معاشرہ اور جرائم' لاہور: علمی کتاب خانہ ۱۹۶۸

۷۹۔ سحری انعام الرحمٰن 'عورت جرائم کی دلدل میں 'فیصل آباد : ۵ اگلبرگ

۸۰۔ علی اصغر چوہدری 'نوجوانوں کے مسائل اور انکا حل 'لاہور : مکتبہ تعمیر انسانیت '۱۹۸۵ء

۸۱۔ لوئیس ایل مترجم 'غلام رسول مہر 'جنگ عظیم 'لاہور 'غلام علی اینڈ سنز

۸۲۔ منشی عبدالرحمٰن خاں 'انسانیت حیوانت کی راہ پر 'ملتان : نشر المعارف ۱۹۵۶ء

رسائل و جرائد

۸۳۔ القلم مجلہ ستمبر ۱۹۹۴ء 'لاہور ادارہ علوم اسلامیہ 'جامعہ پنجاب

۸۴۔ غلام احمد چودھری 'سنت کی آئینی حیثیت 'سہ ماہی منہاج 'لاہور :
دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری 'جنوری تا جون ۱۹۹۸ء ص : ۲۸۸۔۳۵۰

۸۵۔ چراغ راہ 'اسلامی قانون نمبر ۸۶۔ ترجمان القرآن 'منصب رسالت نمبر

۸۷۔ الاعتصام حجیت حدیث نمبر ۸۸۔ سیارہ ڈائجسٹ 'رسول نمبر

۸۹۔ ماہ نو 'رسول پاک نمبر

ENGLISH BOOKS

90- Watt,w.Montgomery,Mohammad at Mecca,Oxford,1953

91- Nicholson,A Literacy History of the Arabs,2nd ed.Cam bribge ,1930

92- Torry ,C.C.The Jewish foundation of Islam,New York:1933.

93- Hitti,P.K. History of the A rabs.

94- Gibb, Mohammadanism, London:1949

95- Watt,w.Montgomery, Mohammad, Prophet and Statesman,Oxford,1961

96- Watt,w.Montgomery, Mohammad at Madina.

97- Encyclopedia of Britannica ,Chicago:1974

98- Watt,w.Montgomery,Islam, and the Integration of Society,

مُصنّف کی دیگر تصانیف

مقالات

ہم دنیا میں عروج کیسے پا سکتے ہیں؟
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی۔
تُو ہی مسجودِ ملائک ہے اگر آدم ہے۔
ناظمِ کتب خانہ کی ذمہ داریاں
لائبریری کی ضرورت و اہمیت
لائبریریوں کو فراہمی کتب، اقتصادیات اور مسائل
تعلیم بالغاں سوسائٹی گوجرانوالہ — ایک تعارف
حضور اکرمؐ کا زمانۂ شباب، نوجوانوں کیلئے مینارۂ نور
پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود چند نایاب انگریزی کتب کا تعارف
تاریخ جٹاں (کی جزوی تالیف اور نظر ثانی)
عوامی کتب خانوں کی خدمات، ترقی اور اصلاح
قائدِ اعظم لائبریری لاہور — خصوصی مشاہدہ، تجاویز و سفارشات
عوامی کتب خانوں کی لائبریری خدمات میں یکسانیت
اٹھارویں اور انیسویں صدی پر مشتمل ساٹھ نایاب کتب کا تعارف
قائدِ اعظم لائبریری لاہور میں موجود کتب غالبیات کا تعارف
ایک نئے عوامی کتب خانے کا قیام
تعلقات عامہ اور لائبریرین شپ
پنجاب لائبریری فاؤنڈیشن کا قیام
پبلک لائبریریوں میں حفاظتِ کتب کے مسائل اور حل

پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں عوامی کتب خانوں کا کردار
ترویج علم میں لائبریرین کا کردار
دنیا پر کتابیں ہی حکمرانی کرتی ہیں۔
پنجاب پبلک لائبریری — ایک تاریخی ورثہ
چلڈرن لائبریری کمپلیکس
اسلام، علم اور کتاب
کتاب — ایک محبوب راہنما
لائبریرین شپ بحیثیت پیشہ
عصرِ حاضر، حدیث نبویؐ کے آئینے میں
نقوشِ ماضی سرمایۂ ما — تاریخ جٹاں
دین و علم کی ترویج میں کتب خانوں کا کردار
عصرِ حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں۔
اسلامی انقلاب اور کتب خانوں کی افادیت
سُنّت کی آئینی حیثیت۔

مُصنّف کی دیگر کتب

ڈائریکٹری آف لائبریرز ان لاہور (انگریزی)